مغل حکمرانوں کی سیاسی، معاشی، معاشرتی زندگی پر صوفیائے کرام کا اثر "بالخصوص قادریہ سلسلہ"

مقالہ برائے

پی ایچ ڈی

مقالہ نگار: **صبیحہ گل جاوید**

پروفیسر (شعبہ تاریخ)

گورنمنٹ اپواء کالج لاہور

شعبہ تاریخ

جامعہ پنجاب

لاہور۔ پاکستان

ستمبر 2009

بسم الله الرحمن الرحیم

انتساب

اِس حقیقت کے نام جو

ابتدا بھی ہے اَور انتہا بھی

فہرست عناوین

ہدیہ تشکر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشاد ہے:

من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ (ترمذی: ۳۵)

"جو لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا نہیں کرتا"

حضور پاک کے اس ارشاد کے مطابق ضروری ہے کہ میں اس گرامی قدر شخصیت کا تہہ دل سے شکریہ ادا کروں جنکی ہمت افزائی میرے لئے بانگ درا سے کم نہ تھی، میں ڈاکٹر قلب عابد، چیر مین، شعبہ تاریخ، جامعہ پنجاب کی تہہ دل سے شکر گزار ہوں، ان کی ہمت افزائی اور ان کی آواز پر لبیک کہتی ہوئی میں آگے بڑھتی رہی خدا کا شکر ہے کہ منزل بخیر و بخوبی ختم ہوگئی۔

حرفِ اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف اوّل

ہر دور کی تاریخ نویسی خاص مسائل اور مخصوص مشکلات سے دو چار ہوتی ہے۔ عہد مغلیہ کے متعلق معلومات اور روایات کی افراط ہے۔ تاریخی روایات کو اکٹھا کرنا کوئی مشکل کام نہیں لیکن افواہوں، غیر مصدقہ قصوں سے اصل حقائق چھپ جاتے ہیں۔ بزرگان دین کا ذکر کرتے ہوئے سب سے نازک مرحلہ ان کے کاموں کا تجزیہ ہیں جنہوں نے ہماری قومی زندگی کا دھارا بدل دیا تاریخ تحقیق اور عقیدت مندانہ ارادے ایک طرح کے نہیں ہوتے لیکن ان کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنا خاص طور پر دشوار ہوتا ہے۔

اس حقیقت سے آج تک کسی کو انکار نہیں کہ برعظیم پاک و ہند میں اشاعت دین کا عظیم الشان کام ہمیشہ صوفیاء کرام کے مبارک ہاتھوں انجام پاتا رہا۔ اور اس حقیقت سے کی کو مجال انکار نہیں کہ مختلف وقتوں میں برعظیم پر حملہ کرنے والے مسلمان فاتحین اگر تبلیغ دین کے زندہ و پائندہ جذبے سے سرشار ہوتے تو آج پورے برعظیم میں حکومت تنہا مسلمانوں کی ہوتی پاکستان بلاشبہ صوفیاء کرام کی تبلیغی اور روحانی کوششوں کا حسین ثمر ہے۔ ان بزرگوں نے مطلق العنان بادشاہوں کے پایہ تخت میں بیٹھ کر مسلمانوں کی زندگیوں میں عظیم اسلامی انقلاب برپا کر دیا۔

برعظیم میں مسلمانوں کی حکومت کم و بیش ایک ہزار برس تک رہی اس دوران ہندوؤں نے اسلامی کلچر کو نقصان پہنچانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر صوفیائے کرام کی مسلسل تبلیغی کوششوں کے سامنے وہ کبھی کامیاب نہ ہو سکے۔ صوفیائے کرام کا ہاتھ ہمیشہ ملت کی نبض پر رہا۔ مادیت کے سیلاب کو روکنے اور ذہنی انتشار کو ختم کرنے کے جو عظیم الشان کام اس جماعت نے سرانجام دیا وہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے یہ انہی بزرگان دین کی بے لوث اور مخلصانہ کوششوں کا نتیجہ تھا کہ برصغیر پاک و ہند میں اتنی بڑی تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے اور

بیسویں صدی کے وسط میں پاکستان جیسی اسلامی مملکت وجود میں آئی۔

بزرگان دین کے بارے میں تحقیق کا راستہ بڑی احتیاط سے طے پڑتا ہے۔ یوں تو تصوف کے بے شمار سلاسل ہیں لیکن مغل حکمرانوں کی سیاسی معاشی معاشرتی زندگی پر صوفیائے کرام کا اثر" بالخصوص قادریہ سلسلہ ایسا موضوع تھا۔ جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ عام لوگوں کی طرح تخت وتاج کے مالک بھی اپنی مراد کے حصول کے لئے ان برگزیدہ ہستیوں کے سامنے سرخم کرتے تھے۔

جائے کار۔ میسر سہولیات

تحقیق کے لئے شعبہ تاریخ پنجاب یونیورسٹی، پنجاب پبلک لائبریری، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، پاک و ہند کی اہم قادری خانقاہوں میں قائم نجی کتب خانے، غیر مطبوعہ مآخذ، اسکے علاوہ پاکستان کے دوسرے علاقوں خصوصاً بہاوالدین ذکریا یونیورسٹی ملتان سے بھی رجوع کیا گیا، چونکہ مجھے فارسی زبان پر عبور ہے اس لئے ان ماخذ سے بھی فائدہ اٹھایا گیا۔

تحقیق کی اہمیت اور مقاصد

اگرچہ تصوف کیا ماہیت پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن ضروری ہے کہ تصوف اور بادشاہت سے وابستہ تعلقات کو ان حقائق کی روشنی میں واضح کیا جائے کہ بادشاہ وقت بھی ان برگزیدہ ہستیوں کی تعلیمات سے متاثر ہو کر خانقاہوں کا رخ کرتے تھے۔

مقالے کی صورت اس طرح ہے کہ اسکو پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے کہ پہلے باب میں تصوف کا مفہوم، قادریہ سلسلہ کا آغاز اوران کی تعلیمات، برصغیر کی مذہبی تاریخ کا ذکر کیا گیا۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اسلامی دنیا کے سب سے ذیادہ دلعزیز ولی خصوصاً برصغیر پاک وہند میں آج تک انکا تصور صرف یہ ہے کہ وہ لوگوں کی فریاد سننے والے ہیں وہ حنبلی سکالر اور مبلغ تھے ابتدائی اوائل میں وہ تصوف کے اس قدر خلاف تھے کہ انہوں نے بغداد کی

درسگاہ نظامیہ میں پڑھنے سے انکار کردیا جسکے سربراہ امام غزالی تھے۔ بعدازاں انکا رجحان تصوف کی طرف ہوتا گیا۔ شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے کوئی خانقاہ کی بنیاد نہ رکھی۔ لیکن فتوح الغیب میں ان کے اٹھہتر خطبات میں جو کہ تربیتی درس تھے انکا دارومدار توکل اور کسب پر تھا۔ا قادریہ سلسلہ کی تعلیمات اور برعظیم پاک و ہند میں مسلم صوفیاء کرام کی آمد، تصوف کے سلاسل و مراکز اور قادری بزرگوں کا مغل دور میں معاشرے پر اثر اس باب کی اہمیت ہے۔

دوسرے باب میں مغلیہ خاندان کا آغاز اور قادری صوفیائے کرام کے ساتھ ان کے تعلیمات، بابر اور اسکے خانوادہ کے تعلقات اگرچہ نقشبندی سلسلہ کے ساتھ تھے۔ اگر بنظر غائر جائزہ لیا جائے۔ بہاالدین نقشبند متوفی ۱۳۸۹ بخارا جسکے جانشین خواجہ احرار اس وقت سنٹرل ایشیاء کے طاقتور شخصیت تھے۔ بابر کے خاندان کے لوگ خصوصاً اسکا والد [illegible] ہندوستان میں آ کر ان سے ملاقات کرتے۔ بابر نے خواجہ احرار کے رسالہ Walidiyya کا ترکی زبان میں ترجمہ کیا۔ اور اس بات پر زور دیا کہ اس کام کے بعد اسکے مرض میں افاقہ ہوا۔ا اس نے یہ اشعار لکھے:

اگرچہ میرا درویشی سے کوئی تعلق نہیں

لیکن دل و جان سے انکا معتقد ہوں

یہ کہنا غلط ہے کہ بادشاہوں کا مرتبہ

درویشوں سے بڑھ کر ہے

میں بادشاہ ہوں لیکن درویشوں کا غلام ہوں

بابر کا بیٹا ہمایوں صوفیائے کرام کا بڑا معتقد تھا۔ اس نے عبدالقدوس گنگوہی چشتی متوفی ۱۵۳۸، انکی خانقاہ کی زیارت کی۔ ایران میں جلاوطنی کے دور میں بھی اس نے عبداللہ انصاری متوفی ۱۰۸۹ کی خانقاہ کی زیارت کی، شاہ بہلول کا ہمایوں پر گہرا اثر تھا۔ ہمایوں کے بھائی ہندال نے انکو قتل کرادیا۔ اکبر چشتیہ سلسلہ کے معتقد تھا، حضرت

نظام الدین اولیاء جنکی خانقاہ دہلی کی سب سے بڑا روحانی مرکز سمجھا جاتا ہے۔ اکبر نے صرف ایک دفعہ انکی خانقاہ کی زیارت کی وہ اجمیر میں حضرت معین الدین چشتی کے مزار پر جاتا۔ اسکا بیٹا دانیال جو ۱۵۱۳ میں اجمیر میں پیدا ہوا اس نے بھی اس روایت کو برقرار رکھا۔ بادشاہوں کا آنا ایک میلے کی روایت بن گیا۔ صوفی ازم کا ہندوستان کے مسلمانوں پر اتنا اثر پڑا کہ مغلوں کے آخری دور تک حضرت معین الدین چشتیؒ اور حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کے عرس کے تہوار باقاعدہ دہلی کے لال قلعہ میں منعقد ہوتے۔ دوسرے باب میں ان صوفیائے کرام کا ذکر ہے جنہوں نے تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دیا ان کو تاریخی ادوار میں انکے ہمصر مغلیہ حکمرانوں کے ساتھ پیش کیا گیا۔ ہندوستان کی سرزمین میں شمال سے لیکر مغربی سرحد تک قریہ قریہ ان صوفیائے کرام نے نہ صرف لوگوں کو دولت ایمان سے مشرف کیا، بلکہ مسلمان حکمرانوں کی حکومتی پالیسی پر بھی اپنے اثرات چھوڑے۔ انہی صوفیائے کرام میں حضرت شاہ کمال قادری اور حضرت شاہ سکندر کیتھلی کی خدمات کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ باب دوم میں حضرت عبدالحق محدث دہلوی اور حضرت موسیٰ پاک کے تعلقات کو اکبری دور میں نمایاں حیثیت دی گئی ہے۔

باب سوم میں قادریہ سلسلہ کے کئی ایسے صوفیائے کرام کا ذکر ہے۔ جنہوں نے جہانگیر سے لیکر اورنگ زیب تک کا دور دیکھا ہے۔ حضرت میاں میرؒ کے تعلقات داراشکوہ اور شہزادی جہاں آرا بیگم کے ساتھ، حضرت شاہ محمد المعروف بہ ملاشاہ بدخشی جنکے مرید توکل بیگ کولابی نے ان کی سوانح عمری نقش احوال شاہی، اور شہزادی جہان آرا بیگم کے رسالہ صاحبیہ میں حضرت ملاشاہ بدخشی اور ان کے خاص مریدوں کی سوانح حیات قلمبند ہے۔

تیسرے باب میں برہان پور کے سندھی اولیاء کا تذکرہ بھی شامل ہے۔

باب چہارم میں، لاہور کے قادری بزرگ، شیخ مادھولال حسین، مادھولال لاہوری، شاہ عنایت قادری، بابا بلھے شاہ اور ان کا مقام یہ وہ دور تھا جب سیاسی ناہمواریاں اور مذہبی فرقہ بندیاں عروج کو پہنچ چکی تھیں۔ ظلم و ستم کی حکمرانی کا دور تھا۔ مغلیہ راج کی کمزوریوں سے چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو سر اٹھانے کا موقع ملا۔ باب چہارم میں شاہ محمد غوث پشاوری کا بھی تذکرہ ہے۔ شریعت مطہرہ کے احیاء کے دور میں مغل حکمرانی کے آخری دور میں شیخ الشیوخ محمد عابد سنامی اور میرزا مظہر جان جاناں کے حالات قلمبند ہیں۔ گویا قادریہ سلسلہ کے آخری دور کا ذکر ہے

کیونکہ اس کے بعد نقشبندیہ سلسلہ زور پکڑ چکا تھا۔

پانچویں باب میں مسئلہ وحدت الوجود جوایک فکری جائزہ ہے۔ وحدت الوجوداور وحدت الشہود کے نظریاتی فرق کوواضح کیا گیا ہے۔ آخر میں حاصل کلام اور ماٰ خذ ہیں، ہر ممکن طریقہ سے کوشش کی گئی، کہ کوئی بات بغیر حوالے اور سند کے نہ آئے۔

شمالی ہندوستان کے علاوہ جنوبی ہندوستان میں مقیم صوفیائے کرام کے ساتھ مغلیہ حکمرانوں نے جو روابط قائم رکھے۔ اسکی تفصیل بیان کی گئی ہے یہ مقالہ اپنے اسلوب اور موضوع کے لحاظ سے منفرد حیثیت کا حامل ہے میری یہ کوشش کہاں تک بارآور ہوئی ہے

از عمل خویش ندارم امید
بر کرم تست مرا اعتماد

صبیحہ گل جاوید

باب اوّل

تصوّف کا مفہوم

"مَنْ سَمِعَ صَوْتَ اَهْلِ التَّصَوُّفِ
فَلَا يُؤْمِنُ عَلٰى دُعَآئِهِمْ كُتِبَ عِنْدَ
اللّٰهِ مِنَ الْغَافِلِيْنَ۔" (حدیثِ رسولؐ)

ترجمہ: جس نے اہلِ تصوّف کی آواز سُن کر اُن کی دعوت کو قبول نہ کیا
وہ اللہ کے نزدیک غافلوں میں لکھا گیا۔

کشفُ المحجوب ـــــ تیسری فصل

باب ۔اول

تصوف کامفہوم:

اسلام میں روحانی زندگی کا آغاز کس طرح ہوااس کا جواب بہت ہی واضح ہے۔ روحانی زندگی کا آغاز آنحضورﷺ اور صحابہ کرام کے ساتھ ہوا جو حب دنیا سے نفور تھے اور انکا جینا مرنا سب اللہ کے لئے تھا۔ زمانہ قبل از اسلام جائزہ لیا جائے کتب تاریخ کی ورق گردانی کی جائے، اقوام عالم کی ارتقائی نشوونما اور مادی تگ و دو کو ملاحظہ کرے رومیوں، کلدانیوں، ایرانیوں، ہندیوں، چینیوں، بابل اور نینوا کے بسنے والوں سے لیکر آج تک اگر تمام ادوار کا جائزہ لیا جائے تو ہزاروں سوال ہمارے ذہن میں آتے ہیں کہ ہماری کیا ماہیت ہے، نتیجہ حیرت کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ انسان کا وجود اپنی تخلیق کے لحاظ سے سراپا جستجو ہے۔ وہ ہدایت حق کی تلاش میں کبھی تو جنگلوں کی خاک چھانتا ہے کبھی درختوں کے نیچے جلوۂ ذات کا مشاہدہ کرتا ہے کبھی اناالحق کا نعرہ لگا کر سر دار جان دے دیتا ہے۔۱

حدیث رسول ہے۔

لایعرف الحق الامن یعرفہ، لایعرف القدسی المحدث الفانی۔

ترجمہ: حق کو وہی پہچان سکتا ہے جسے حق اپنی پہچان عطا کردے۔

محدث اور فانی ذات قدیم کو نہیں پہچان سکتا۔۲

دنیا کی ہر قوم میں تصوف کسی نہ کسی رنگ میں موجود رہا ہے۔ ہندوستان ہمیشہ تصوف اور اہل تصوف کا مرکز رہا ہے یہاں کا تصوف اور اسکے ماخذ اپنشد، ویدانت اور یوگا بہت مشہور ہیں، ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامہ میں یہاں کے رشیوں کے متعلق جو واقعات لکھے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ سلاطین اسلام تک ہندوستان کے تارک الدنیا فقراء ریاضت اور مجاہدہ میں ممتاز تھے۔۳

انسائیکلوپیڈیا برٹینکا کا ایک اقتباس ہے:

"In the east, mysticism is not so much a specific phenomenon as dominant philosophia systems and the normal expressions of religious feeling in the land in which it appears. Brotermnic pantheism alike teach the unreality of the seeming world and breach mystical absorption as a highest goal, in both the sense of the work of human personality is lost. India consequently has always been the fertile mother of practical mystics and devotees".4

(انسائیکلوپیڈیا آف برٹینکا)

اس اقتباس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہندوستان تصوف کا مرکز ہمیشہ سے رہا ہے۔۵
ابوالحسن نوریؒ سے سوال کیا گیا کہ تصوف کیا ہے فرمایا:
"تمام حظوظ نفس کا ترک کر دینا"۔۶
حضرت جنیدؒ سے تصوف کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا:

"مخلوق کی موافقت کرنے سے دل کو پاک رکھنا، طبعی اخلاق سے علیحدگی اختیار کرنا، بشری صفات کو بجھا دینا، نفسانی خواہشات سے اجتناب کرنا، روحانی نفوس سے میل جول رکھنا، علوم حقیقی طور پر رکھنا، تمام امت محمدیہ کی خیر خواہی کرنا، حقیقی طور پر اللہ سے وفا کرنا اور رسول اللہ کی شریعت کی تابعداری کرنا تصوف ہے"۔۷

کچھ محققین نے تصوف اسلام کے بارے میں تحقیق کر کے اسکو دوسری صدی ہجری کے مسیحی راھبوں کے مشابہ کر دیا کہ قدیم صوفیاء اسلام ترک دنیا کر کے مسیحی راہبوں کی طرح موٹا بد نما اونی لباس پہنا کرتے تھے۔ لیکن یہ بات حقیقت پر مبنی نہیں۔۸ مسلمان صوفیا کو مسیحی راہبوں سے لباس صوف لینے کی کوئی حاجت نہ تھی کیونکہ عہد

نبوت سے ہی ادنی کپڑے استعمال ہوتے تھے اور قرآن پاک میں بھی لفظ صوف موجود ہے۔

"واللہ جعل لکم من بیوتکم سکنا و جعل لکم میں جلود الانعام بیوتا تستخفونھا یوم ظعنکم و یوم اقامتکم و من اصوافھا و اوبارھا و اشعارھا اثاثا، متاعا الی حین"۔

سورۃ النحل ، پارہ (چودہ) آیت نمبر ۸۵

ترجمہ: اور اللہ نے تمہارے واسطے گھروں میں رہنے کی جگہ بنائی اور تمہارے واسطے تمہارے جانوروں کی کھال کے گھر بنائے جنکو تم اپنے کوچ کے دن اور مقام کے دن ہلکا پاتے ہو اور ان کے اون رووں اور بالوں سے گھر کا سامان اور فائدہ کی چیزیں ایک مدت تک کے لئے بنا ہیں۔۹

مذہب اسلام چونکہ ایک فطری مذہب ہے اس لئے اس نے دنیا اور دین کے ہر شعبے کی اصلاح کا ذمہ لیا اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اس مقصد کے پیش نظر کوئی مذہب مقصد عبارت پر اتنا زور نہیں لیکن مذہب اسلام نے خالص رہبانیت اور ترک دنیا کو عام ہونے سے روکا جیسا کہ حدیث سے ظاہر ہے "لا رہبانیۃ فی الاسلام" کہ اسلام میں رہبانیت نہیں"۔۱۰

فوائد الفواد میں سلطان المشائخ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء ترک دنیا کے متعلق فرماتے ہیں:

ترک دنیا کے یہ معنی نہیں کہ آدمی اپنے آپ کو ننگا کر کے اور لنگوٹا باندھ کر بیٹھ جائے بلکہ ترک دنیا یہ ہے کہ لباس بھی پہنے اور کھانا بھی کھائے لیکن کبھی مال و دولت جمع کرنے کی طرف رغبت نہ ہو اور دنیاوی ساز و سامان کی لذت اور محبت اسکے دل کو آلودہ نہ کرنے پائے یہاں تک کہ جب جان دینے اور دنیا کی لذتوں سے دستبردار ہونے کا وقت آئے تو وہ لبیک کہتے ہوئے اسکی طرف دوڑ پڑے اور اس طرح کہ جیسے بھوکے کو غذا اور پیاسے کو پانی کی پکار سنائی دے جسکا مطلب یہ ہے کہ اسکی زندگی کا محور صرف اللہ کی رضا ہو اور اسکے قلب کی دھڑکنوں میں محض اللہ تعالیٰ کی ذات ہو"۔۱۱

حضرت نظام الدین اولیاء کے ان خیالات کی تائید قرآن پاک کی اس آیت کریمہ سے ہوتی ہے۔

"ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین۔

تصوف کے معنی و آراء:

تصوف کے بہت سے معنی بیان کئے گئے ہیں۔ سب کا خلاصہ یہ ہے کہ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کا نام تصوف ہے اور احسان کا نام ہی تصوف ہے۔

شاہ ولی اللہ نے ازالۃ الخفاء میں تحریر فرمایا ہے:

"تصوف اس علم کا نام ہے جو آدمی کو زہد کی تعلیم دیتا ہے"۔۱۲

صوفی کس زبان کا لفظ ہے اس کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کی نسبت اصحاب صفہ کی طرف ہے اور یہ عربی لفظ ہے۔ اصحاب صفہ وہ اصحاب تھے، جو مسجد نبوی میں رات دن ایک چبوترہ پر رہتے اور ریاضت وعبادت وتعلیم میں مشغول رہتے تھے۔ یہ لوگ جہاد کے سوا اور کہیں نہ جاتے تھے۔۱۳

علامہ ابن خلدون کا کہنا ہے کہ صوفیا صوف پہنتے تھے اس لئے وہ صوفی کہلائے۔۱۴

امام الصوفیہ امام قشیری "رسالہ قشیریہ" میں لکھتے ہیں:

"پشمینہ پہننا اس فرقے کی خصوصیت نہیں"۔۱۵

کتاب اخبار مکہ میں درج ہے کہ لفظ صوفی عرب میں اسلام سے پہلے رائج تھا۔ بعض نے لکھا ہے کہ عرب میں ایک گھاس ہوتی تھی، جسکو صوفانہ کہتے تھے چونکہ زمانہ جہالت میں رھبان اور درویش جو جنگلوں میں رہتے تھے۔ اس لئے انکو صوفی کہا جاتا تھا۔۱۶

عبدالسلام ندوی نے لکھا ہے کہ اسلام میں تصوف ایک نوزائیدہ لفظ ہے اور صوفی کا لقب اہل بغداد کی ایجاد ہے۔۱۷

کتاب اللمع میں درج ہے کہ قبل از اسلام ایک صوفی مکہ مین طواف کعبہ کے لئے آیا کرتا تھا۔۱۸

بوالحسن سید علی عثمان ہجویریؒ فرماتے ہیں:

"یہ امر واضع ہے کہ اہل تصوف نے اپنے تمام معاملات اخلاقی، معاشی اور ملی مہذب کر لئے اور اپنا دل کدورت آفات دنیا سے صاف فرمالیا۔ اس لئے انہیں صوفی کہا گیا"۔۱۹

خواجہ شیخ معروف کرخی کا کہنا ہے کہ تصوف حقائق کے حصول اور خلائق کے مال ومتاع سے اخذ ہے۔
تصوف ایک ایسا اسم ہے جسکو فقر وزید کے معنی حاصل ہوں۔

خواجہ ذوالنون مصریؒ (م ۸۲۱ء) کا کہنا ہے:

"ظاہری افعال کو گناہوں سے اور باطنی حالت میں فضول کام کو اپنی ذات سے آلودہ نہ کرنا اور خداوند کریم کے احکام کے مطابق رہنے کا نام تصوف ہے"۔۲۰

بایزید بسطامیؒ (م ۲۶۱ھ/م ۸۷ء) کا کہنا ہے:

اپنے اوپر اور اسائش کا دروازہ بند کر دینا اور محنت اختیار کرنا ہی تصوف ہے"۔

خواجہ جنید بغدادی (م ۲۹۷ھ/۹۱۹ء) کا کہنا ہے:

"پاک کرنا دل کا، مراحمت خلق سے دور رکھنا ترقی کرنا علوم حقیقی کر طرف، باوقار رہنا حقیقت حال پر اور متابعت رسول ﷺ تصوف ہے"۔۲۱

ابوعلی قزوینی کا قول ہے:

"تصوف پسندیدہ اخلاق کا نام ہے"۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (م ۵۶۱ھ/۱۱۶۶ء) کا قول ہے:

"تصوف کی بنیاد آٹھ چیزوں پر ہے۔ سخاوت ابراہیمؑ، رضائے اسحاقؑ، صبر ایوبؑ، مناجات زکریاؑ، غربت یحییٰؑ، خرقہ پوشی موسیؑ، سیاحت وتجرد عیسیؑ اور فقر محمدﷺ ۔۲۲

"یہ فن دینی ہے جو بعد میں جاری کیا گیا مگر اسکی ابتداء زمانہ دین سے ہی ہے کیونکہ یہ نام ہے عبادت وذکر وشغل میں لگے رہنے کا، برائیوں سے بچنے کا اور خلوت گزینی کا، یہ باتیں صحابہ میں تھیں مگر جب دوسرے قرن میں

لوگ دنیا کی طرف مائل ہونے لگے تو جو عبادت وغیرہ میں مصروف رہتے تھے۔ان کا نام صوفی پڑ گیا۔۲۳

تصوف کے مختلف ادوار:

"تصوف "ایک نہایت جامع لفظ ہے جو مختلف عبادت گزار گروہوں پر لاگو ہوتا ہے۔ان کی ریاضت و مجاہدہ کا مقصد صرف تصفیہ قلب اور تزکیہ نفس ہے۔صحابہ کرام کے تصوف کے بارے میں اگر دیکھا جائے تو حضرت ابوبکر کا یہ قول انتہائی جامع نظر آتا ہے۔

"جس نے معرفت الٰہی کا مزا کچھ لیا وہ ماسوا اللہ سے بے پرواہو جاتا ہے اور لوگوں سے اسے وحشت ہونے لگتی ہے۔۲۴

آنحضورﷺ نے خداوند ذوالجلال کے تمام احکام جو ظاہری اور باطنی ترقی کے کفیل تھے،کھول کر سب کو سنا دیئے۔تمام صحابہ کو تعلیم دینے میں آپ نے کوئی بات نہ چھپائی۔آنحضورﷺ کے دست حق پر جن لوگوں نے بیعت کی وہ موجود اصطلاح میں صوفی تھے ان کے ہر عمل کی اساس قرآن اور سنت تھے۔اور ان کا ہر عمل تصوف ہی تھا ان کے نزدیک عقیدہ توحید اور حسن سلوک ہی تصوف کا دوسرا نام تھا۔۲۵

آنحضورﷺ کے بعد دوسرا دور خلافت راشدہ کا آتا ہے تو خلیفہء اول حضرت ابوبکر کے حالات زندگی کا جائزہ لینے کے بعد بات واضح ہوتی ہے کہ ان کی تمام جفا کشی،عبادت نہ اپنی ذات کے لئے تھی نہ اپنے اہل وعیال کے لئے بلکہ سب کچھ اصلاح خلق کے لئے تھا ان کی جدوجہد کا مقصد ترویج اخلاق حسنہ،توحید خالص اور اشاعت علم دین تھا اور یہی تصوف کی تعلیم تھی۔امت محمدیہ میں وہ صوفی اول تھے۔۲۶ حضرت ابوالحسن علی ہجویری نے کشف المحجوب میں حضرت ابوبکر صدیق کو امام الصوفیہ لکھا ہے۔۲۷

شاہ ولی اللہ نے ازالۃ الخفاء (حصہ دوم) میں لکھا ہے:

"تصوف میں زیادہ فیض حضرت ابوبکرؓ کا ہے"۲۸

خلافت راشدہ کے بعد تصوف صرف عبادت وریاضت کا نام رہ گیا۔صوفیائے کرام نے تمام ملکی اور ملی

امور سے کنارا کشی اختیار کرلی ۔ رفتہ رفتہ ان میں علم کی بھی کمی ہوتی گئی ۔لہذا کئی ایسی جماعتیں مثلاً قیشر یہ جنید یہ جنید یہ اسماعیلیہ اور قرامطہ وغیرہ وغیرہ پیدا ہوگئیں ۔جنہوں نے لوگوں کو گمراہ کرنا شروع کردیا۔ دوسری صدی کے ختم ہونے کے بعد سماع کا طریقہ رائج ہوا اس طرح تصوف میں ہر دور میں تغیر وتبدل آ تا رہا اور بعد میں تصوف مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہوا اور اسلام کے علاوہ دوسرے عناصر بھی اس میں جگہ پاتے رہے ۔لیکن اسلامی تصوف کا ایک ہی مرکز رہا۔ ۲۹

پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ کتاب "پریچنگ آف اسلام" میں دنیا کے ہر خطے کے متعلق یہ ثابت کیا ہے کہ وہ صوفیوں نے اسلام پھیلایا۔ حضرت خواجہ جنید بغدادی غوث الاعظمؒ ،حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ ،خواجہ شہاب الدین ابوحفص عمر سہروردیؒ اور بہت سے متقدمین اور متاخرین صوفیاء کے دست حق پرست پر لاکھوں انسان اور والیاں ملک ملک مشرف باسلام ہوئے ۔اور یہ صوفیاء ہمیشہ مبلغ اسلام اور مسلمانوں کی اصلاح میں مشغول رہے ۔ ۳۰

مغلوں کی تاریخ اور تصاویر میں صوفیاء کی ہسیت کچھ اس طرح واضح کی گئی ۔ کہ وہ جانوروں کی کھال کا لباس پہنتے تھے ۔کان میں بالی اور لوہے کے بازو بند ۔ انکے پاس عموماً کشکول ہوتا ۔ کچھ تصاویر میں پگڑی اور لمبا دفہ دکھایا گیا کچھ تصاویر میں جوگیوں کی طرح بیٹھا دکھایا گیا ۔ پہلے مسلمان گروہ جو ہندوستان آئے ان میں ہر قسم کے صوفیاء تھے ۔ ۹۰۰ ء کے بعد عباسیہ دور میں منصور حلاج گجرات اور سندھ سے یا ممکن ہے کہ شاہراہ ریشم (سلک روڈ) سے وسطی ایشیاء میں وارد ہوا۔ منصور اسکے والد کا نام تھا۔ برصغیر میں صوفیا کے کلام میں اکثر سنا جاتا ہے "منصور اللہ کی چاہت میں قتل" جسکو ۹۲۲ ء میں بغداد میں سزائے موت کا حکم سنایا گیا ۔

گیارہویں صدی کے وسط میں صوفیائے کرام غزنی کے راستے ہندوستان میں داخل ہوئے ۔

سب سے پہلے تصوف کی کتاب ایران میں ہجویری جلالی نے لکھی ۔ جو مشرقی ایران سے ہندوستان آیا اور لاہور میں ۔

خواجہ سعد یدالدین سید جلال الدین المعروف بہ بلبل شاہ آٹھویں صدی ہجری کی ابتداء میں کشمیر آئے

کشمیر کا راجہ رتن ان کے حالات و کرامت دیکھ کر مشرف باسلام ہوا۔ راجہ کے بعد ہزاروں ہندوؤں نے اسلام قبول کیا۔ ۳۱

امیر کبیر سید علی ہمدانی کے ہاتھ پر کشمیر میں ۳۷۰۰۰ ہزار آدمیوں نے اسلام قبول کیا۔ انکے صاحب زادے سید محمد علی ہمدانی نے تو ایسی حیرت انگیز کرامت دکھائی کہ جسکی نظیر تاریخ اسلام میں نہیں ملتی یعنی ان کے ہاتھ پر ایک دن میں دس ہزار سے زائد ہندوؤں نے اسلام قبول کیا۔ اس حقیقت کا اعتراف ہندو، مسلمان اور یورپین مورخین نے بھی کیا ہے۔ ۳۲

حضرت مجدد الف ثانیؒ کو جب شہنشاہ جہانگیر نے گوالیار کے قلعے میں نظر بند کر دیا تو انہوں نے جیل خانہ میں دو ہزار قیدیوں کو مشرف باسلام کیا۔ ۳۳

فقر و تصوف کے بارے میں حدیث رسول ہے:

ترجمہ: "اپنے شکمون کو بھوکا حرص کو چھوڑ دو اپنے جسموں کو برہنہ رکھو، آرزو کم کرو اور اپنے جگروں کو پیاسا رکھو۔ دنیا کو چھوڑ دو تاکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے دل سے دیکھ لو"۔ ۳۴

حضرت شیخ مخدوم ابوالحسن علی ہجویری کا تصوف کے بارے میں فرماتا ہے:

"صوفی وہ ہے جس نے اپنے اخلاق و معاملات کو مذہب اور اپنے نفس کو آفتوں اور بلاوں سے پاک رکھا ہو"۔

"تصوف حق تعالیٰ کی صفت ہے جس سے بندہ بقا پاتا ہے"

عشق اس آگ کا نام ہے جو اللہ کے سوا سب کچھ جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔

صوفیاء کی اولین حصوصیت یہ ہے کہ وہ اللہ پر ہی نظر رکھتے ہین۔ ان کے مطلوب و مقصود تمام تر اللہ ہوتا ہے۔ ماسوا اسکے انہیں کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ ۳۵ صوفیاء کے سواد اعظم نے حضرت جنید بغدادی کو علم تصوف کی تدوین کے متعلق "رئیس الصوفیاء" قرار دیا ہے۔ حضرت جنید بغدادی کا اصول تصوف یہ تھا:

"تصوف ایک سعی مسلسل ہے جس میں سالک ہمیشہ مستغرق رہتا ہے۔ اور اصل و جوہر کے لحاظ سے یہ

صفت اللہ کی ہے اور انعکاس کی حالت میں یہ صفت انسان کی ہو جاتی ہے۔ اس سعی پیہم کا ثمرہ توحید خاص ہے"۔۳۶

شیخ سری سقطی (م۲۵۳ھ/۸۷ء) موصوف نے شیخ معروف کرخی سے بیعت کی اور بغداد میں حقائق و توحید کا ذکر کیا۔۳۷

شیخ جنید بغدادی (۲۹۷ذ۔۹۰۹ء) شریعت وطریقت اور حقیقت و معرفت میں انتہائی درجے پر تھے۔ عشق و زہد میں بے نظیر اور طریقت میں مجہد تھے۔۳۸ ان تصانیف، امثال القرآن معانی الغھم فی الفتاوی الی اللہ تعالیٰ فی التصوف مشہور ہیں۔۳۹

بایزید بسطامی (م۲۶۱ھ/۸۷۴ء) کے بارے میں سید الطائفہ جنید بغدادی نے فرمایا:

"بایزید ہم لوگوں میں سے ایسے ہیں جیسے ملائکہ میں جبرئیل"۔۴۰

شیخ حمدون قصار (م۲۹۱ھ/۹۰۴ء):

تقوی سے متصف اور علم حدیث میں بلند درجے کے حامل تھے۔ مفتی غلام سرور لاہوری ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"شیخ حمدون بعریدان خود وصیت می کرد کہ من شمارا بدو چیز وصیت می کنم یکی صحبت علماء اختیار نمودن و دوم پرہیز کردن از صحبت جہال۔۴۱

ترجمہ: اپنے مریدوں کو کہا کرتے تھے کہ میں تمہیں دو چیزوں کی وصیت کرتا ہوں ایک علماء کرام سے فیض حاصل کرو دوسرا جاہلوں کی مجلس سے دور رہو۔ سلسلہ قصاریہ ان کے نام سے ہی منسوب ہے۔

شیخ ابوعمرو بن عثمان مکی (م۲۹۷ھ/۹۱۱ء):

موصوف بہت بڑے محدث اور صوفی تھے۔۴۲ ان کی تصانیف تصوف میں بہت مشہور ہیں۔ ان کن

نسبت ارادت حضرت جنید بغدادی سے تھی۔ابونصر سراج نے کتاب اللمع میں انکی کتاب المشاہدہ کا ذکر کیا ہے۔۴۳

ابوعلی ثقفی (م۳۲۸ھ/۹۴۱ء):

فقہ وتصوف میں یکتائے روزگار تھے۔علم ظاہر وباطن میں کامل تھے۔ان کا کہنا تھا۔

"مرد خدا کوان چار خصلتوں سے غافل اور خالی نہیں رہنا چاہیے:

صدق قول،صدق فعل،صدق مودت اور صدق امانت۔۴۴

ابونصر سراج (م۳۷۸ھ/۹۸۸ء):

ان کا اسم گرامی ابونصر عبداللہ بن علی بن یحیی السراج اور لقب طاوس الفقراء تھا۔۴۵ علم تصوف پر ان کی تصانیف بہت مستند ہیں۔ان کی کتاب "اللمع فی التصوف "تصوف کی مایہ ناز کتاب سمجھی جاتی ہے۔اس کتاب کی تالیف کا مقصد کتاب وسنت کا طریقہ،صحابہ کرام اور اولیاء اللہ کی تعلیمات کے مطابق تصوف کر بیان کرتا تھا۔۴۶

ابوبکر الکلاباذی (م۳۸۵ھ/۹۹۵ء):

ابوبکر بن ابی اسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب البخاری الکلاباذی کی تصنیف "التعرف لمذہب اہل التصوف "ایسے ماحول میں لکھی گئی جبکہ علمائے تصوف بدنام ہو چکے تھے۔انہوں نے اس کتاب میں وضاحت کی کہ اسلام اور تصوف متصادم نہیں ہیں۔اس کتاب میں لفظ "صوفی" کی تعریف اور اسکا مفہوم بیان کیا گیا ہے۔۴۷

ابوالقاسم حضرت عبدالکریم بن ہوازن قشیری (م۹۸۶ء/۳۷۶ھ/م۴۵۶ھ/۱۰۷۳ء):

متقدمین صوفیاء میں ابوالقاسم حضرت عبدالکریم بن ہوازن ہیں۔۴۸ علم شریعت اور علم تصوف میں

کامل تھے۔سلوک ومعرفت کی دشوار گزار راہوں کے طے کرنے کے بعد انہوں نے رسالہ قشیریہ تصنیف کیا۔۴۹
شہرہ آفاق متشرق پروفیسر نکلسن کتاب اللمع کے مقدمے میں اس رسالے کے بارے میں لکھتا ہے:

"تصوف کی آٹھ بنیادی کتابوں میں رسالہ قشیریہ بھی شامل ہے"۔۵۰

رسالہ قشیریہ کشف المحجوب کی تصنیف کے وقت حضرت سید علی ہجویری کے پیش نظر تھا۔یہ دونوں کتابیں جو ایک ہی موضوع سے متعلق ہیں اور ہم عصر بزرگوں کی تصانیف ہیں۔۵۱ مولانا عبدالماجد دریابادی جو رسالہ قشیریہ اور کشف المحجوب کے دیباچہ نگار ہیں ان کی رائے ہے:

"صاحب کشف المحجوب کے تقریباً ہم عمر ابوالقاسم قشیری کا عربی رسالہ القشیر یہ ہے یہ دونوں کتابیں ایک ہی زمانہ میں احاطہ تحریر میں آئیں۔دونوں کا موضوع تصوف ہے۔فرق اتنا ہے کہ امام موصوف نے زیادہ تر متقد میں کے اقوال وحکایات نقل کی ہیں۔برخلاف اسکے مخدوم ہجویری نے محققانہ، مجتہدانہ انداز سے اپنے ذاتی تجربات، مکاشفات اور مجاہدات وغیرہ قلمبند کئے ہیں۔اس لئے ان کی کتاب کی حیثیت محض ایک مجموعہ روایات و حکایات کی نہیں بلکہ مستند محققانہ تصنیف ہے"۔۵۲

ابوالحسن علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش (م ۴۶۵ھ/۱۰۷۳ء):

ابوالحسن علی ہجویری ابوالفضل محمد بن حسن ختلی کے مرید تھے۔۵۳ ان کی تصنیف کشف المحجوب علم تصوف میں فارسی کی سب سے پہلی تصنیف ہے۔بہت سے صلحاء علماء نے آپ کے دامن تربیت سے وافر حصہ پایا۔۵۴

<u>الغزالی (م ۵۰۵/۱۱۱۱ء):</u>

کنیت ابوحامد نام محمد بن الغزالی لقب حجۃ الاسلام وزین الدین ہے۔۵۵ کشف کے موضوع پر ان کی اہم کتاب احیاء العلوم ہے۔علمائے خصوصاً صوفیائے کرام اس کتاب کو الہامات ربانی کی کتاب سمجھتے ہیں۔۵۶
یورپ کے فلاسفر ہندی لوکیس نے تاریخ فلسفہ میں اسکی نسبت لکھا ہے!

"اگر ڈیکارٹ کے زمانے میں احیائے العلوم کا ترجمہ فارسی زبان میں ہوجاتا تو ہر شخص یہی کہتا کہ ڈیکارٹ نے

احیائے علوم کو چرالیا ہے"۔۵۷

شیخ عبدالقادر جیلانی (م ۵۶۱ھ/۱۱۶۶ء):

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے اپنی تعلیمات کی اشاعت کا آغاز وعظ وارشادات سے کیا۔ان کے وعظ میں تقریباً ستر ہزار آدمی موجود ہوتے تھے جو ان کی تعلیمات بصحت تمام لکھ لیتے۔۵۸

ان کی کتاب فتوح الغیب کے مقالہ اول میں تحریر ہے۔

"تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے خدا کے حکم کی تعمیل، تقدیر پر راضی جس چیز سے اس نے منع کیا اس سے باز رہے۔بہترین درجہ یہ ہے کہ ایمان داران تین چیزوں سے خالی نہ ہو۔۵۹

مقالہ دوم میں تحریر ہے:

"حضرت محمد ﷺ کی سنت کی پیروی کرو، بدعت نہ نکالو، خدا اور رسول اللہ کا کہنا مانو، خدا کو ایک مانو، مصیبتوں میں صبر کرو، اپنی جگہ ثابت قدم رہو اور خدا سے فضل مانگو۔۶۰

شیخ محی الدین ابن عربی (م ۶۳۸ھ/۱۲۴۱ء):

انہوں نے قرآن حدیث اور فقہ کی تعلیم شیخ ابو بکر بن خلف سے حاصل کی۔تصوف کے موضوع پر ان کی معرکۃ آراء تصانیف فتوحات مکیہ، فصوص الحکم، تفسیر قرآن مجید آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے۔۶۱

ان کے عقائد، نظریات اور تعلیمات پر مبنی فتوحات مکیہ ایک عظیم المرتبت کتاب ہے جو چار جلدوں اور تین ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔۶۲ معارف معاملات منازل پر آپ کی تصنیف فصوص الحکم ایک مقدمہ اور ۲۷ فصوص پر مشتمل ہے ہر فص ایک نبی کے نام سے موصوم ہے اور فص کے معنی نگینہ کے ہیں۔۶۳

شیخ احمد سرہندی حضرت مجدد الف ثانی (م ۱۰۳۴ء/۱۶۲۷ء):

صوفیا کی محفلوں میں بالا نشینی کا مرتبہ ان کو حاصل ہے۔موصوف نے اسلام کی حفاظت کا وہ تاریخ ساز

کارنامہ انجام دیا جسکو حدیث کی اصطلاح میں تجدید کہا گیا ہے ان کے مکتوبات انسانی رہنمائی اور اصلاح کے لئے ایک عظیم خدمت ہین ان مکتوبات کی تعداد ۵۲۶ ہے جو اصحاب بدر کے نام ہیں۔ان کی تصانیف رسالہ تہلیلہ، رسالہ اثبات النبوت رسالہ مبداء و معار، مکاشفات غیبیہ، رسالہ آداب المریدین، تعلیمات المعارف شیخ رباعیات خواجہ باقی باللہ مشہور ہیں۔۶۴

عبدالحق محدث دہلوی (م۱۰۵۲ھ/۱۶۴۳ء):

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے تصوف پر بے بہا ذخیرہ چھوڑا ہے۔اس میں صرف دس کتابیں موجود ہیں۔ اخبار الاخیار اور شرح فتوح الغیب تصوف پر ان کی مشہور کتب ہیں۔۶۵

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی (م۱۶۵۶ء):

مفتی غلام سرور لاہوری کا کہنا ہے کہ موصوف اکابر علماء اور فضلائے زمانہ میں سے تھے ظاہری امور میں فریدالدھر اور باطنی رموز میں وحید العصر تھے۔حدیث، فقہ اور تصوف میں یکتائے زمانہ تھے۔۶۶

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (م۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء):

دنیائے اسلام کے جید عالم کو بدعت سے پاک کرنے والے تھے تصوف پر ان کی گران قدر تصانیف القول الجمیل، انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ الطاف القدس اور تفہیمات الہیہ ہیں۔اسلامی علوم و فلسفہ پر شہرہ آفاق تصنیف حجۃ اللہ البالغہ بہت مشہور کتاب ہے۔ان کتابوں میں تصوف کے تمام پہلوؤں کو روشن کیا گیا ہے۔۶۷

تصوف کے ان تمام پہلوؤں کا جائزہ لیا جائے تو زمانے کے ساتھ ساتھ فکر و رجحان طبع و مذاق، مزاج، اسلوب انداز و اقدار میں تبدیلی آتی رہی۔اگر چہ ہر عقیدہ اپنی جگہ اٹل ہے۔اسلام پر ہر مسلمان کا آج بھی مستحکم عقیدہ ہے جتنا ۱۴۰۰ سال پہلے تھا۔بزرگان دین اور صوفیائے کرام سے لوگ آج بھی اتنی ہی عقیدت رکھتے ہین

جتنی ان کے دور میں رکھتے تھے۔ پہلے لوگوں کی نظر ان کی کرامات پر تھی پھر ان کی سیرت و کردار پر۔

تاریخ اسلام میں بے شمار مواقع ایسے آئے کہ اسلام کے کلچر کا شدت سے مقابلہ کیا گیا لیکن وہ مغلوب نہ ہو سکا۔ اسکی بڑی وجہ یہ ہے کہ تصوف یا صوفیاء کا انداز فکر فوراً آڑے آ جاتا اور اسکو اتنی قوت و توانائی دیتا کہ کوئی طاقت اسکا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ ۶۸

تصوف کی جامع تعریف اور حقیقت کے بارے میں مشائخ کرام کے اقوال ایک ہزار سے بھی زیادہ ہیں۔ شہاب الدین ابو حفص عمر سہروردی نے تصوف کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی ہے۔ ۶۹

صوفی وہ ہے جو ہمیشہ تزکیہ نفس کرتا رہے اپنے قلب کو نفسانی آرائشوں سے صاف کر کے ہمیشہ اپنے اوقات کو کدورتوں سے پاک صاف رکھے چونکہ وہ ہر وقت اپنے مولیٰ کے سامنے سر نیاز ختم کرتا ہے۔ اس لئے اسکی یہ نیاز مندی اسکا دل صاف کر کے کدورتوں کو دور کرتی ہے تاہم جب کبھی نفسانی حرکات و صفات نمودار ہوتی ہیں تو صوفی اپنی بصیرت کاملہ سے اسے بھانپ لیتا ہے اور اسی وقت وہ خدا سے اپنا قلبی تعلق قائم کرتا ہے جو اسکے قلب کو اسکے نفس پر حاوی رکھتا ہے اور یہی صوفیانہ اخلاق ہے۔ ۷۰

حضرت جنید بغدادی سے جب تصوف کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

"تصوف یہ کہ تم اللہ کے ساتھ کسی قسم کے بغیر ہو"۔

حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری نے تصوف کے بارے میں فرمایا:

"اللہ کو پہچاننے کے لئے تین باتیں ضروری ہیں اول محبت اہل اللہ، ثانی کثرت ذکر اللہ ثالث تفکر فی خلق اللہ ان تین چیزوں میں سب سے اہم اور بنیادی چیز اللہ والوں کی صحبت ہے۔

دل کی تشریح جسکا سارا خلوص صرف خدا کے لئے ہوتا ہے جو لوگوں سے ذاتی مفاد کے لئے نہیں ملتا۔ بلکہ ان کے لئے دعا کرتا ہے اس نے اپنی زبان سے کبھی نازیبا الفاظ نہیں کہے نہ اللہ کے سوا کسی کے آگے ہاتھ پھیلایا۔ ۷۱

قادریہ سلسلہ کا آغاز اور انکی تعلیمات

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی

سلسلہ قادریہ کے بانی، حنبلی عالم اور واعظ کا شمار اولیائے کبار اور صوفیائے عظام میں ہوتا ہے۔ ان کا اسم گرامی محی الدین ابومحمد بن ابی صالح (موسیٰ) جنگی دوست بن عبداللہ ہے۔۷۲ علامہ ذھبی نے انکا نام عبدالقادر بن ابی صالح عبداللہ بن جنگی دوست لکھا ہے۔ بعض مورخین کے نزدیک ان کا سلسلہ نسب حضرت امام حسن سے جا ملتا ہے۔ دیباچہ فتوح میں انہیں نہ صرف حسنی بلکہ حسینی بھی لکھا گیا ہے۔۷۳

ولادت باسعادت:

ان کی پیدائش ۴۷۰/۱۰۷۸ء ایران کے مشہور قصبہ گیلان میں ہوئی۔۷۴

تحقیق مولد:

ان کے گیلانی ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔ البتہ موضع اور قصبہ میں اختلاف ہے جہاں آپ تولد ہوئے۔ شیخ شطنونی اسکا نام نیف بتلاتے ہین۔ مگر امام یاقوت الحموی نے (بشتیر) لکھا ہے۔۷۵ ممکن ہے کہ نیف اور بشتیر ایک ہی مقام کے دو نام ہوں۔

علم و ادب کے استاد :

علم ادب موصوف نے علامہ ابو زکریا یحیی بن علی التبریزی سے حاصل کیا۔ علامہ تبریزی بڑے پایہ کے ادیب تھے، بغداد کے مدرسہ نظامیہ میں علم ادب کے مدرس اعلی تھے۔۷۶ اسکے علاوہ علم الکلام، علم لغت، علم نحو، علم عروض، علم مناظر، علم تاریخ میں خصوصیت کے ساتھ شہرت حاصل کی کے علمائے زمانہ

سے سبقت لے گے ان علوم کی سند تکمیل ۴۹۶ھ ۱۱۰۳ء میں حاصل کی ھیں۔۷۷

دنیاے اسلام کی حالت:

سیدنا عبدالقادر جیلانی کا دور ایسا تھا کے مسلمانوں کی باھمی فرقہ بندیون نے مضمحل کر کے ان کی اجتماعی قوت کوختم کر دیا تھا۔ بدعات اور غیر اسلامی نظریات کا چلن عام تھا۔ علماے فروعات پر ایک دوسرے سے باھم دست بگریباں تھے۔ اسلامی سلطنتون کا یہ سلسلہ بظاھر اندلس سے ھندوستان تک پھیلا ھوا تھا۔ لیکن اندر سے ان سلطنتون کا وھی حال تھا جو گھن کھائی ھوئی لکڑی کا ھوتا ھے۔۷۸ عالم اسلام کے مرکز بغداد میں لاقانونیت کا دوردورہ تھا۔ اندلس میں اسلامی حکومت کی مرکزیت ختم ھو چکی تھی۔ مصر میں اسلامی روایات ختم ھورھی تھیں۔ سلطنت باطنیہ الحاراوڑھے دینی کے نظریات پھیلارھی تھی۔ عراق اور ایران میں حسن بن صباح کے پیروکارون نے مسلمان کے قتل کا قبضہ ھوجانے کی وجہ سے ان کے حوصلے بلعد ھو چکے تھے، ھندوستان کا یہ حال تھا کہ اسکے شمال مغربی علاقوں میں سلطان محمود غزنوی کے جانشیوں کا زوال شروع ھو چکا تھا اور ھندو راجے اپنی گزشتہ شکستون اور زلتون کا انتظام لینے کے لیے موقع کی تاک میں تھے۔۷۹

غرضیکہ پوری ملت اسلامیہ پرنحوست کے سائے منڈلارھے تھے۔ یکایک رحمت خداوندی جوش میں آئی اور ایک ایسے مرکامل کا ظھور جسکی میسحا نفسی نے مردہ دلون کو ایک بار پھر حیات تازہ بخش دی۔ یہ مرد کامل حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی تھے۔۸۰

انہوں نے دینی تعلیم مدرسہ نظامیہ بغداد میں حاصل کی۔ طالب علمی کی آٹھ سالہ مدت میں انہون نے جو مصائب برداشت کیئے ان کا حال سن کر پتھر کا کلیجہ بھی شق ھوتا ھے۔ خود حضرت کا فرمانا ھے کہ میں نے طالب علمی کے دوران ایسی ھولناک سختیاں جھیلی ھیں کہ اگر وہ پہاڑ پر پڑتیں تو وہ بھی پھٹ جاتا مصائب وشدائد کی جب جب ھر طرف بارش ھوتی تو میں زمین پر لیٹ جاتا۔ تو اس آیت کریمہ کا ورد کرنا شروع کر دیتا۔

ان معی العسر یسراً (سورہ الم نشرح) پارہ ۳۰

ترجمہ: بے شک تنگی کے ساتھ آسانی ہے بے شک تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔

اس آیت مبارکہ کی تکرار سے ان کو تسکین حاصل ہوئی۔ بغداد میں عبدالقادر جیلانی نے تقریباً دو درجن علما و مشائخ سے استفادہ کیا۔ حافظ ذھبی ابھی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ غوث اعظم نے فقہ قاضی ابوسعید مخزومی سے پڑھا اور حدیث ابوبکر بن منظر اور ابو غالب باقلانی اور ابوالقاسم اور ابومحمد جعفر سراج، ابوطالب بن یوسف سے حاصل کی۔۸۱

شیوخ طریقت:

شیخ ابوسعید مخزومی شیخ ابوالحسن علی ھنکاری، شیخ ابوالفرح طرطوسی، شیخ حضرت الواحد ابوالفضل حضرت جنید بغدادیؒ، ابوالقاسمؒ، حضرت ابوبکر شبلی، حضرت شیخ سریؒ سقطی، شیخ معروفؒ کرخی، خواجہ حسن بصریؒ اور ان کے شیخ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہ تھے۔۸۲

خرقہ ارادت:

علوم ظاہری کی تحصیل کے بعد ان کو علوم باطنی کی فکر ہوئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب بغداد فتنہ وفساد کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ فطری طور پر موصوف ھنگاموں کے منتظر تھے۔ ان حالات کی وجہ سے انہوں نے بغداد چھوڑ دینے کا عزم کیا لیکن غیب سے انکو علم ہوا کہ خلق خدا کو ان سے فیض پہنچے گا۔ لہذا انہوں نے بغداد چھوڑ دینے کا ارادہ ترک کر دیا۔۸۳ تحصیل علوم کے بعد انہوں نے ۶۵ سال مجاہدات وریاضیات میں گزارے۔ حضرت ابو سعید مبارک مخرمی سے بیعت کی اور ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔۸۴

پچاس سال کی عمر میں انہوں نے سب سے پہلے وعظ ایک مجلس میں کیا۔ یہ ۵۲۱ھ/ ۱۱۲۷ء کا واقعہ ہے۔ ان کے وعظ اور درس کا چرچا دور دور تک پھیل گیا۔ ان کے پہلے وعظ کے چھ سال بعد ان کے استاد مخرمی کا مدرس ان کے حوالے کر دیا گیا یہاں کے اہم مشاغل فتاء، درس تفسیر، حدیث وفقہ اور بالخصوص وہ وعظ تھے جن کے لئے ان

کی شہرت دور دور تک تھی جو دنیائے اسلام سے بے شمار شاگردوں کو کھینچ لائی۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے وعظ کے باعث بہت سے عیسائی اور یہودی بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ ۸۵

وہ دنیوی ضرورت سے بے نیاز تھے اور بے خوفی سے کلمہ حق کہتے تھے جس سے دربار خلافت بھی متاثر ہوتا تھا۔ ۸۶

وعظ و نصیحت کے علاوہ انہوں نے درس و تدریس کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ لوگ دور دراز سے علم شریعت اور طریقت حاصل کرنے کے لئے آئے۔ ان کی زندگی میں ان کے تلامذہ اور مریدین مخلوق خدا کی اصلاح و ہدایت کے لئے ایران، عراق، حجاز، شام اور تمام بلاد اسلامیہ میں پھیل گئے۔

ان کی تقاریر کا بنیادی موضوع کتاب و سنت کی پیروی، تعلق باللہ، توکل علی اللہ، مخلوق سے بے نیازی اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات گرامی سے نسبت استوار کرنا تھی۔

ان کے شاگرد شیخ عبداللہ جمسبائی کا بیان کہ حضرت غوث الاعظم کے مواعظ و خطبات قلم بند کرنے کے لئے مجلس میں چار سو دواتین موجود ہوتی تھیں۔ ان کے مواعظ حسنہ سے متاثر ہو کر ایک لاکھ سے زائد فاسق اور بداعتقاد لوگوں نے آپ کے دست حق پرست پر توبہ کی۔ ان کی ان خدمات کی وجہ سے یہ مدرسہ ان کے نام پر ہی مدرسہ قادریہ مشہور ہو گیا۔

ان کی تدریسی زندگی سن ۵۲۸ھ/۱۱۳۴ء سے ۵۶۱ھ/۱۱۶۶ء تک ۳۳ سال کے عرصہ پر محیط ہے۔

ایک معاصر بزرگ شیخ علی کا کہنا ہے کہ میں نے حضرت شیخ سے زیادہ کرامت والا شخص کوئی نہیں دیکھا۔ داراشکوہ نے بھی تحریر کیا ہے کہ اگر ان کی کرامتوں کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب بھی اسکے لئے کافی نہ ہو سکے۔

<u>قصیدہ غوثیہ:</u>

یہ ورد ہے جو قادری سلسلے کے صوفیوں کے حلقوں میں پڑھا جاتا ہے۔ ۸۷

اس کے علاوہ بہت سی تصانیف ان سے منسوب ہیں۔

شیخ عبدالقادر کی تعلیمات:

وہ دور جب امام غزالی (م ۱۱۱۱ء) جیسے مسلم فلسفی نے رومیوں یونانیوں اور عیسائیوں کی فکری یلغار کو پوری جرات مندی سے پسپا کر دیا اور اہل اسلام کے ذھنوں کو غیر اسلامی فکر سے متاثر ہونے سے محفوظ کر لیا۔ ان کے بعد جناب عبدالقادر جیلانی اپنے دور میں اسلامی عقائد لوگوں کے ذہنوں میں رائج کرنے کے لئے کوشاں رہے۔۸۸

قادریہ سلسلہ:

شیخ عبدالقادر (م ۵۶۱ھ/ ۱۱۶۶ء) بغداد میں حنبلی فرقہ کے مشہور اور معروف مدرسے کے صدر مدرس اور ایک رباط کے سربراہ تھے۔ وہ کبھی مدرسے میں اور کبھی رباط میں وعظ فرمایا کرتے تھے۔ ان کے مواعظ کا مجموعہ الفتح الربانی کے نام سے مرتب ہوا۔ ابن الاثیر کے زمانے میں یہ دونوں ادارے اسلامی دنیا میں کافی مشہور تھے۔۸۹

یاقوت نے لکھا ہے کہ ایک شخص نے جو ۵۷۲ھ/ ۷۷، ۱۱۷۶ء میں فوت ہوا وصیت کی تھی کہ اسکی وفات کے بعد اسکی کتابیں اس مدرسے کو دے دی جائیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ادارے ۶۵۶ھ/ ۱۲۵۸ء میں بغداد کی تاخت و تاراج کے وقت ختم ہو گئے غالباً اس وقت تک ان دونوں اداروں کے صدر شیخ عبدالقادر کے خاندان کے لوگ ہی رہے ہوں گے۔۹۰

بہجۃ الاسرار میں جہاں ان کی اولاد کا صحیح تذکرہ ملتا ہے، بیان کیا گیا ہے کہ شیخ کے بعد ان کے بیٹے عبدالوہاب (۵۵۶ھ/ ۱۵۷اء تا ۵۹۳ھ/ ۱۱۹۶ء اور پھر ان کے بیٹے عبدالسلام قریباً (۶۱۱ھ/ ۱۲۱۴ء) مدرسے میں

ان کے جانشین ہوئے۔ان کے ایک اور فرزند عبدالرزاق ۵۲۸ھ/۱۱۳۴ء تا ۶۰۳ھ/۱۲۰۶ء) ایک مشہور زاہد تھے۔بغداد کی تباہی کے وقت اس خاندان کے متعدد افراد ہلاک ہوئے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ادارے بھی اسی وقت ختم ہوگئے۔۹۱

اس زمانے میں رباط اور زاویے میں فرق تھا۔رباط ایک قسم کی خانقاہ یا تکیہ ہوتا تھا اور اس جگہ کو کہتے تھے جہاں سالک گوشہ نشین ہوا کرتے تھے۔۹۲

ابن بطوطہ نے اپنے زمانے میں جن اشغال کا ذکر فرمایا ہے۔وہ وہی ہیں جو شیخ عبدالقادر جیلانی کے زمانے میں رباط میں مروج تھے۔۹۳

Le Chatelier نے اپنی کتاب (des Hedjaz Confreries Muslmans)
میں ذکر کیا ھے کہ اس سلسلے کی اشاعت مراکش، عربستان، ترکستان اور ھندوستان میں ھو چکی تھی لیکن بہجۃ الاسرار سے اسبات کی تصدیق نہیں ھوسکی اس طرح ان کتابوں میں ان کے بیٹے عبدالرزاق کا زکر موجود ھے لیکن اس مسجد کا کہیں ذکر نہیں جسکے سنہرے سات گنبدون کی تفصیل عرب مورخین نے کے بیان کھے۔ یہ مسجد حمداللہ المستوفی (۷۴۰ھ ۱۳۴۰ء) کے زمانے کی بعد کی معلوم ھوتی ھے۔۹۴ اس سے یہ بات ثابت ھوتی ھے کہ عبدالرزاق نیسب پہلے اشغال صوفیہ میں سماع کو رواج دیا۔

قادریہ سلسلہ بارھوین صدی عیسوی میں بربرستان کے علاقے موجود تھا اور اسکا فاطمیون (۵۶۷ھ ۱۱۷۱ء) کی حکومت سے گہرا تعلق تھا۔۹۵

مختلف مالک میں قادری سلسلوں کے اذکار و اشغال میں بڑا فرق نظر آتا ھے۔ E.G.Browne نے اپنی کتاب The Dervishes,Page,98 میں لکھا ھے کہ شمالی افریقہ میں قادریہ سلسلے میں حضرت علی کو آنحضرت سے افضل قرار دیا جاتا ھے۔

داراشکوہ کی کتاب سکینۃ الاولیاء میں اس سلسلے کے بزرگون کا تزکرہ موجود ھے۔۹۶
قادریہ جماعت کی مسند نشینی کی عظمت کا عملی اعتراف خاص طور پر عراق اور عظیم پاک وھند میں ھوتا ھے۔۹۷ مصر،

ترکیہ اور ھندوستان میں اس سلسلے کے اوراد واشغال کے مختلف مجموعے چھپے ھیں۔ جنکی بابت کہا جاتا ھے کہ یہ شیخ عبدالقادر کے مقرر کردہ اشغال ھیں۔۹۸

جنوبی ایشیاء میں صوفیائے کرام کی آمد

اولیائے کرام اور صوفیا عظام کے تذکروں کو اسلامی تاریخ اور اشاعت اسلام میں ایک مستقل باب کی حیثیت حاصل ہے۔ صوفیائے کرام نے راہ حق میں جو قربانیاں دیں وہ ہمیشہ زندہ تابندہ رہیں گی وہ مسلمانوں کی تاریخ ایک روشن باب ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جن متعلق کشف المحجوب کی تیسری فصل میں لکھا ہوا ہے:

"من سمع صوت اهل التصوف فلايومن طى دعاهم كتب عند من الغافلين"

ترجمہ: جس نے اہل تصوف کی آواز سن کران کی دعوت کو قبول نہ کیا۔ اللہ کے ہاں اس کا نام غافلوں میں رکھا گیا۔

دنیا میں جہاں آئے دن تبدیل ہوتی رہتی ہے شیطان جو انسان کا ازلی دشمن ہے طرح طرح کے فتنے برپا کرتا ہے چنانچہ گمراہی کو مٹانے کے لئے اللہ تعالیٰ اس گروہ میں سے چند کو اپنی رحمت خاص سے نواز کر رشد ص ہدایت پر مامور کرتا ہے چنانچہ اللہ کے نیک صالح برگزیدہ بندے لوگوں کو رہنمائی کرتے ہیں۔ وہ جابر اور باطل قوتوں کے سامنے سیہ سپر ہو جاتے ہیں۔ یہی وہ صوفیا ہیں جو پہلے اپنے باطن کی صفائی کرتے ہیں پھر لوگوں کو درس دیتے ہیں۔۹۹

یوں تو محمد بن قاسم اور محمود غزنوی کے ساتھ آنے والے سپاہی بھی بلند اخلاق اور اعلیٰ اسلامی اقدار کے حامل تھے اور جو لوگ یہاں مستقل طور پر قیام پذیر ہوئے ان کے اثرات یہاں کی معاشرت پر بھی بڑے۔ لیکن برعظیم پاک وہند میں آنے والے صوفیا کرام تبلیغ اور تعلیم نے یہاں کی کایا پلٹ دی۔ ایک طرف تو انہوں نے اپنی سادہ زندگی، درویشی، بے ریائی، خلوص اور انسان دوستی کے اعلیٰ نمونے پیش کر کے لوگوں کے اخلاق کو سنوارا تو

دوسری طرف مقامی زبانوں میں رشد وہدایت اور تعلیم وتبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ معین الدین دردائی کا کہنا ہے:

"دلوں کو ہاتھ میں لینے کے لئے سے پہلے ہم زبان ہونا لازمی ہے اور ہم زبانی کے بعد ہی ہم خیالی پیدا ہوتی ہے"۔۱۰۰

برعظیم پاک وہند کی سرزمین مذہبی اعتبار سے مفکروں، مذہبی رہنماؤں مصلحین اور روحانی پیشواؤں کے لئے توجہ کا باعث رہی ہے بلکہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ ہندوستان کے باشندوں کے ضعیف الاعتقادی، اوہام پرستی اور خداوند بزرگ وبرتر کی وحدانیت سے لاتعلقی یہ تمام خصوصیات ایسی ہیں جو اہل فکر ونظر کے لئے کشش کا باعث تھیں۔۱۰۱

روحانی اعتبار سے یہاں کے باشندوں کے دل ودماغ بنجر اور بے آب وگیا۔ صحراؤں کی مانند تھے۔ اس روحانی ناآسودگی کو مٹانے کے لئے صاحبان علم وفضل اور روحانی پیشوا یکے بعد دیگرے آتے رہے۔۱۰۲

سرزمین ہند چونکہ قدیم ہے اور عرصہ دراز تک اسلام کی روشنی سے محروم رہی۔ چوتھی صدی ہجری میں محبان خدا کی نظر التفات اس پر پڑی۔ رفتہ رفتہ اکثر صوفیائے کرام دور دراز کی مسافتیں طے کرتے ہوئے یہاں تشریف لائے اور آنے کے بعد انہوں نے اس خطے میں دو اہم خدمات سرانجام دیں۔ پہلی خدمت تو یہ کہ انہوں نے مخلوق خدا کی ہدایت کے لئے سلاسل تصوف جاری کئے۔ دوسری خدمت انہوں نے یہ کی کہ غیر مسلموں کو آہستہ آہستہ مسلمان کیا اور مسلمان یہاں نسل درنسل آباد ہوگئے انہی مسلمانوں میں بے شمار اولیاء اور صوفیا پیدا ہوئے۔ جنہوں نے اپنے اپنے دور میں دین خدمت کی اور پھر یہیں پیوند خاک ہوگئے۔۱۰۳

اس سرزمین پر ان شخصیتوں نے نہ صرف علمی اور روحانی خدمات سرانجام دین بلکہ ان کی تبلیغی جدوجہد نے اس وطن کی معاشرتی، تہذیبی اور تمدنی زندگی کو بھی متاثر کی جس نے منگولیا، وسط ایشیا، ترکستان اور افغانستان سے لے کر مشرق وسطیٰ اور براعظم یورپ کے اکثر ممالک کی تاریخ پر گہرے نقوش چھوڑے۔۱۰۴

مشہور فرانسیسی مورخ گستاولی بان لکھتا ہے:

"ہند بوجہ اپنی متضاد اور مختلف آب وہوا کے تمام عام کا مخلص ہے۔ یہاں تاریخ بھی نوع انسان کا ہر طبقہ

موجود ہے۔لہذا یہ سرزمین بجاطور پر مجموعہ اقوام اور گہوارہ ملل ہے۔۱۰۵

۱۵۰۰ قبل مسیح برعظیم میں ان قوتوں کا دور دورہ رہا۔اس زمانے سے وسطی ایشیا میں آریہ نقل مکانی کر کے ہندوستان میں وارد ہوئے جو مقامی لوگوں کی نسبت مہذب اور متمدن تھے۔انہوں نے تورانیوں کو شکست دے کر برعظیم میں مستقل رہائش اختیار کر لی اور ایک ہزار سال تک برعظیم کی قسمت کے مالک بنے رہے۔۱۰۶

۹۷۵ قبل مسیح سے ۱۰۱۵ قبل مسیح تک حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں مشرق وسطی کے تاجر وسطی ہند کی منڈیوں میں تجارت کیا کرتے تھے۔۱۰۷

برعظیم میں مسلمانوں کی آمد

تجارتی لین دین اور روابط کا سلسلہ تو اسلام سے پہلے بھی قائم تھا لیکن تاریخ کے اوراق اس بات کی گواہ ہیں کہ ہندوستان پر مسلمانوں کا پہلا حملہ حضرت عمرؓ کے دور میں ہوا۔۱۵ ہجری ۶۳۶ء کو حضرت عمر نے عثمان بن ابی عاص ثقفی کو بحرین اور عمان کا گورنر مقرر کیا، عثمان نے ایک بحری بیڑا تیار کر کے ہندوستان پر حملے کے لئے روانہ کیا۔یہ جہاز اتفاق سے بندرگاہ تھانہ پہنچا۔یہ مقام بمبئی کے نواح میں واقع ہے۔عرب یہاں سے بہت سامال غنیمت لے کر عمان پہنچے۔۱۰۸

ایلیٹ کی تاریخ ہندوستان میں بھی لکھا ہے:

"مسلمانوں کا پہلا بحری بیڑا ۶۳۲ء میں حضرت عمرؓ کی خلافت کے دور میں بحرین کے گورنر عثمان ثقفی نے برعظیم کے ساحل کی طرف بھیجا۔۱۰۹

سندھ پر عربوں کا پہلا حملہ

عثمان ثقفی نے اپنے بھائی مغیرہ بن ابن عاص کو بحری بیڑے کا افسر بنا کر بھیجا اس سندھ کے مشہور ساحلی بندرگاہ دیبل پر حملہ کیا اور مال غنیمت کے ساتھ واپس بحرین آ گیا۔ہندوستان پر عربوں کے حملے خشکی کی جانب سے ہوئے۔جہاں وہ ایران کو فتح کرتے ہوئے مکران، کرمان اور سیستان تک پہنچے۔اس طرح سندھ کی سرحدین

اسلامی نومفتوحہ علاقوں تک پہنچ گئیں۔اس بارے میں بلوچستان نام کا کوئی صوبہ نہ تھا۔ بلکہ مکران اور سیستان ہی سندھ سے ملے ہوئے تھے اور یہی علاقہ ہے جو مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔۱۱۰

اس تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ عربوں اور ہندستانیوں کے درمیان بہت عرصہ سے لڑائیاں جاری تھی۔ عربوں کا کوئی نہ کوئی لشکر مختلف ادوار میں ہندوستان کے کسی نہ کسی علاقے پر حملہ آور ہوتا رہا۔جس میں سندھ کا علاقہ خاص طور پر شامل ہے۔۱۱۱

تاریخی مواد سے بھی پتہ چلتا ہے کہ محمد بن قاسم کی آمد سے پہلے ہندوستان کے مغربی اور مشرقی ساحلوں پر مسلمانوں کی کئی بستیاں آباد تھیں۔آٹھویں صدی کی ابتداء میں برعظیم میں مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ باضابطہ طور پر شروع ہوا۔۱۱۲

سندھ کا علاقہ نسبتاً عراق سے نزدیک تھا اور ایرانی سرحد بھی سندھ سے ملتی تھی۔اسلامی فتوحات کی حدود ایران کی طرف تیزی سے بڑھ رہی تھیں فوری وجہ ایسی بنی جس کی بناء پر سندھ کی فتح ناگزیر ہوگئی اور یوں فاتح محمد بن قاسم کے قدم سرزمین ملتان تک پہنچے۔۱۱۳ سراندیپ کے راجہ نے خلیفہ بن عبدالملک کی خدمت میں آٹھ جہاز تحائف سے لدے ہوئی بھیجے۔ان جہازوں میں کچھ مسلمانوں بیوہ عورتوں اور یتیم بچے بھی شامل تھے جو سر اندیپ میں بے شہارا ہوئے تھے۔مخالف طوفانی ہواؤں کی وجہ سے جہازوں کا رخ دیبل کے ساحل کی طرف ہو گیا جہاں قزاقوں کے ایک گروہ نے جن کا تعلق سید قوم سے تھا انہیں لوٹ لیا۔انہوں نے مردوں اور عورتوں کو گرفتار کرلیا۔اس موقع پر بنویربوغ کی ایک بچی نے چلا کر کہا: اغثنی یا حجاج:۱۱۴ چند مسافر جو جان بچا کر حجاج تک پہنچے انہوں نے سارا حال اسے کہہ سنایا اور بچی کی فریاد کے بارے میں بھی بتایا۔ جسے سنتے ہی حجاج نے بے اختیار لبیک کہا اور راجہ داہر سے قیدیوں کی واپسی کا مطالبہ کیا۔راجہ داہر نے اس کے جواب میں بڑی لاپرواہی سے لکھا۔ یہ کام سمندری قزاقوں کا ہے جن پر ہمارا بس نہیں چلتا۔حجاج نے یہ جواب سن کر ولید بن عبدالملک کو تمام حالت لکھ کر سندھ پر حملے کی اجازت طلب کی۔لیکن اس نے انکار کر دیا لیکن حجاج کے پرزور اصرار پر خلیفہ نے اسے اجازت دے دی۔محمد بن قاسم سے پہلے یکے بعد دیگرے دو لشکر روانہ کئے پہلا لشکر عبداللہ دوسرا بدیل بن طہفہ کی سرکردگی

میں بھیجا۔ دونوں سندھ میں مارے گئے تو قرعہ فال محمد بن قاسم پر پڑا۔ اجازت حاصل کرتے ہی حجاج نے محمد بن قاسم کو اس مہم پر بھیجا۔ راجہ داہر ۷۱۱ء میں لڑا ہوا مارا گیا اور سندھ عربوں کے قبضے میں آ گیا۔ ۱۱۵

یوں ملتان محمد بن قاسم کے ہاتھوں فتح ہوتے ہی پہلی صدی ہجری میں عربوں کے قبضے میں آ گیا اور غزنوی دور تک اس پر مسلمانوں کا قبضہ رہا۔ لیکن ۳۲۳ء میں یہ سندھ سے الگ ہوگیا۔ لسانی اعتبار سے یہ سن اس لئے بھی اہم ہے کہ اس کے بعد یہاں ملتانی زبان سندھ زبان سے علیحدہ ہوکر آزادانہ طور پر ارتقاء پانے لگی۔ ۱۱۶

چچ نامہ سے روایت ہے کہ برعظیم پاک وہند میں مسلمانوں کا باقاعدہ دور محمد بن قاسم کی سرکردگی میں ہوا۔ محمد بن قاسم سندھ کو فتح کرتا ہوا آٹھویں صدی عیسوی کے اوائل میں ملتان پہنچا۔ ملتان میں مسلمانوں کو سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ چچ نامہ میں اس حملے کی جو تفصیلات درج ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ ملتان میں دولت کی ریل پیل تھی۔ ۱۱۷

مال و دولت کی بہتات کی وجہ سے ملتان کو فوج بین الذہب (سونے کی سرحد) کہا جاتا ہے۔

عرب مورخ اور جغرافیہ دان احمد بن یحییٰ بن جعفر المتوفی (۲۷۹ھ/۸۹۲ء) کی معروف کتاب فتوح البلدان ہے جو الامی فتوحات کے سلسلے کی تاریخ ہے۔ بلازری کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ ملتان میں بت پرستی کا رواج تھا۔ ابوعبداللہ ابن فقہیہ ہمدانی بھی تیسری صدی کے آخر کا انشا پرداز اور جغرافیہ دان تھا۔ اس کی تصنیف کا نام "کتاب البلدان" ہے۔

وہ لکھتا ہے کہ ملتان میں بسنے والی قوم سامہ بن لوئی کی ایک شاخ بنو امیہ سے تعلق رکھتی ہے۔ یہی قوم ہندوستان کے اس حصے کی حکمران تھی اور خلیفہ بغداد کے نام پر خطبہ پڑھتی تھی۔ ۱۱۸

ابراہیم بن محمد ابواسحاق اصطخری ۹۵۱ء میں برصغیر آیا تھا۔ اس کی دو کتابیں کتاب الاقالیم اور مسالک و السالک مشہور ہیں۔ ان میں سندھ اور ہند کا ذکر ہے۔ ۱۱۹

ابوریحان البیرونی نے کتاب تحقیق ماللہند لکھی وہ برسوں ملتان میں رہا۔ یہیں اس نے ہندی علوم پر مشتمل کئی کتابوں کو عربی میں منتقل کیا۔ یہ کتاب ۱۰۴۵ء میں مکمل ہوئی۔ ۱۲۰

البیرونی نے ملتان کے معروف مندر کے ذکر کے علاوہ محمد بن قاسم کی بنوائی ہوئی مسجد کے بارے میں بھی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ جب قرامطہ نے ملتان پر قبضہ جمایا تو انہوں نے نہ صرف بہت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے بلکہ محمد قاسم کی بنوائی ہوئی مسجد کو بھی نیلام کر دیا۔ پھر محمود غزنوی نے ۱۰۰۵ء میں قرامطہ کا قلع قمع اور محمد بن قاسم کی مسجد کو دوبارہ تعمیر کیا۔۱۲۱

۱۰۰۰ سے ۱۰۲۶ء تک محمود غزنوی نے ہندو راجاوں کے خلاف برعظیم پر کئی حملے کئے، لیکن کبھی بھی یہاں مستقل حکومت کے قیام کی طرف توجہ نہ دی۔ ۱۱۷۵ء سے ۱۲۰۲ء تک محمد غوری نے برعظیم پر متواتر حملے کر کے پنجاب سے بنگال تک کا علاقہ فتح کرلیا۔۔اس کے بعد اس کی حکومت اس کے غلاموں نے چلائی۔۱۲۲
یہ حکومت مختلف خاندانوں کے ہاتھوں میں منتقل ہوتی رہی اور بالآخر ۱۵۲۶ء میں بابر نے ہندوستان کے سلطان ابراہیم لودھی کو شکست دے کر یہاں مغلیہ حکومت کی بنیاد رکھ دی۔ یہ دور تقریباً ساڑھے تین سو سال کا تھا۔ ۱۷۳۹ء سے ۱۷۶۱ء تک نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کے حملوں نے خلیفہ حکومت کا تار و پود بکھیر دیا۔ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں نے مغلیہ خاندان کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کو تخت و تاج سے معزول کر کے برعظیم پر قبضہ کر لیا۔۱۲۳

ہندوستان کی تاریخ کے طویل سیاسی مدوجذر اور جغرافیائی حقائق پر نظر ڈالی جائے تو مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہندوستان کی مذہبی تاریخ میں کسی مذہب کے تفصیلی حقائق کا ذکر نہیں ملتا۔ صدہا سال برعظیم میں ہندومت رائج رہا۔ برعظیم کی کروڑہا مخلوق اپنے مالک حقیقی کی عظمت اور کبریائی کے تصور سے نابلد تھی۔۱۲۴
ڈاکٹر گستاولی بان لکھتے ہیں کہ دنیا کی تمام قوموں میں ہندووں کے لئے پرستش میں ظاہری صورت کا ہونا لازمی ہے۔ برہمنوں اور فلسفیوں کی تعلیمات میں ہندووں کے بھگوان تعداد میں زیادہ ہوتے گئے اور ہر چیز اور ہر رنگ و بو میں ان کے اوتار نظر آنے لگے۔۱۲۵

جنوبی ہند میں مذاہب کے باہمی تصادم سے سخت ہیجان پیدا ہوگیا۔ ایسے موقع پر اسلام ایک سیدھے سادھے ضابطہ حیات واضح عقائد اور عبادات کے ساتھ جلوہ گر ہوا۔ وہ تمام ممالک جن پر مسلمانوں کے مذہب،

تمدن اور معاشرت کا اثر ورسوخ تھا وہاں ایسے متقی اور نیک افراد بھی پیدا ہوئے جو توحید خاص اور معرفت الٰہی کے علمبردار تھے۔ جن کی خدمت میں ہزار ہا لوگ مذہبی طبی اور روحانی استفادہ کرنے کے لئے حاضر ہوتے اور ان کی صحبت میں رہ کر مکارم اخلاق سے آشنا ہو کر انسان کامل بن جاتے۔ ایسے ماحول میں ان بابرکت شخصیات کی درسگاہیں اور خانقاہیں ہی علم وفضل کا مرکز تھیں۔ جنہوں نے نہایت عزم واستقلال کے ساتھ احیائے معرفت الٰہیہ کے علوم کو فروغ دیا اور لوگوں کو روحانی دنیا کی وسعت سے روشناس کرایا۔ ۱۲۶

اس مذہبی اور روحانی تشنگی کو سیراب کرنے کے لئے چودھویں صدی میں ایران اور عراق سے صوفیاء کے مشہور سلسلے چشتیہ، سہروردیہ، قادریہ اور نقشبندیہ وغیرہ برعظیم آئے۔ ۱۲۷

علامہ سید ابوالحسن علی الندوی فرماتے ہیں:

"ہزاروں لوگوں اشخاص دین کی طلب اور مردان حدا کی تلاش میں دنیا کی ایک گوشے سے دوسرے گوشے میں پہنچتے تھے۔ دنیاداری اور مادیت کے پھیل جانے کے بعد دینی رجحان اور خدا طلبی کا مرکز ان حضرات کی ذات تھی جہاں وہ لوگوں کو مادیت کے بھنورے سے نکال کر دینی تربیت دیتے تھے انہی لوگوں کو صوفیاء کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ ۱۲۸

برعظیم جو اسلامی دنیا کے ایک سرے پر واقع ہے دینی ذوق وشوق اور خدا طلبی کا ایک بڑا مرکز رہا ہے۔ یہاں ہر دور میں مسلمان سلطنت کے پہلو بہ پہلو دینی اور روحانی حکومت کے آزاد مرکز قائم رہے۔ جہاں سینکڑوں اشخاص زمانے کی مادی ترغیبات سے آزاد حکومت اور سیاست کے انقلابات سے بے نیاز ہو کر اپنا کام کرتے تھے۔ ۱۲۹

برصغیر میں علماء کرام کی آمد کے زمانے کا تعین حتمی طور پر تو نہیں کیا جاسکا لیکن تاریخ شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ اس سلسلے میں جناب قاضی عبدالکریم سمسانی (متوفی ۵۶۲ھ/ ۱۱۶۶ء) کتاب الاسباب میں جس بزرگ کا ذکر کرتے ہیں وہ الربیع بن صبیح الندی البصری تھی۔ ۱۳۰ طبقات ابن سعد کے مطبق ان کی وفات (۱۶۰ھ/ ۷۷۴ء) میں ہوئی اور سندھ میں مدفون ہوئے۔

ایمان ویقین کا ایک سیل دور تھا جس کی روشنی اہل ہند کے قلب کو گرما رہی تھی جن صاحب طریقت اور شریعت لوگوں نے سرزمین ہند کو کفر وشرک کی تاریکیوں میں توحید الٰہی کی شمع سے فروزاں کیا اور ان گنت لوگوں کو مسلمان کیا۔ ان کی فہرست بہت طویل ہے یہ بزرگان دین کسی نہ کسی سلسلے سے ضرور منسلک تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا اور اہل ہند میں ایمان کی روشنی پیدا ہوئی اسی منشائے خداوندی کی تکمیل کے لئے مختلف زمانوں میں مختلف سلاسل سے تعلق رکھنے والے مشائخ عظام اور علمائے کرام مطلع ہند پر جلوہ افروز ہوئے۔ ۱۳۱

ان تفاصیل سے پتہ چلتا ہے کہ محمد بن قاسم کے حملے کے بعد ملتان میں باقاعدہ طور پر اسلام کی روشنی پھیلی۔ اس حملے کے بعد یہاں اسلامی اقتدار کو فروغ حاصل ہونا شروع ہوا۔ تہذیب وثقافت اور علم وادب کے چراغ روشن ہوئے۔ محمود غزنوی کی فتح ملتان تک عرب مسلمانوں کی حکومت یہاں کسی نہ کسی صورت میں قائم رہی۔ محمود غزنوی کے حملے کے ساتھ ہی بے شمار صوفی بزرگ ہستیاں مذہبی شخصیات اور علم وفضل کے حامل برعظیم میں آنا شروع ہوئے اور ان میں کشف المحجوب کے مصنف مشہور صوفی بزرگ علی بن عثمان ہجویری غزنی سے لاہور پہنچے اور یہاں مستقل قیام فرمایا۔ ۱۳۲

شیخ اسماعیل بخاری (۴۴۸ھ/۱۰۵۶ء) اور شیخ فریدالدین عطار بھی برعظیم میں آئے۔ ۱۳۳ حضرت شہاب سہروردی کے مرید شیخ جلال الدین تبریزی بنگال پہنچے۔ اور وہیں کے ہو رہے۔ اسی طرح پیر صدرالدین اور سید یوسف الدین برعظیم میں سکونت پذیر ہوئے۔ بہت سے بزرگان دین نے لاہور میں خانقائیں قائم کیں۔ سرزمین ملتان بزرگوں اور صوفیوں کے لئے ایک عظیم مرکز بنی رہی۔ اس لئے اسے مدینۃ الاولیاء کہا گیا ہے۔ ۱۳۴

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری نے ملتان کئی برس قیام کیا اور مقامی زبان میں مہارت حاصل کرنے کے بعد اشاعت اسلام کی خاطر اجمیر جا کر مستقل قیام کیا۔ ۱۳۵

حضرت قطب الدین بختیار کاکی اوشی ملتان تشریف لائے اور کچھ عرصہ وہاں قیام فرمایا اور بالآخر دہلی کوچ کر گئے۔ جلال الدین سرخ پوش بخاری نے اُچ میں اور حضرت ابو محمد بہاء الدین زکریا نے ملتان میں سکونت اختیار کر لی۔ اسی شہر میں حضرت امیر خسرو، حسن علاء سجری اور صوفی شعر عراقی کی آمد بھی ہوئی۔ ان کے شعر ونغمہ سے

ملتان کی فضا گونج اٹھی ۔حضرت بابا فرید کی روح پرور شاعری نے اس سرزمین میں معرفت کے بیج بوئے ۔۱۳۶ ان بزرگوں نے لوگوں کو مساوات، اخوت، امن اور آشتی، عشق الٰہی کا پیغام دیا۔البیرونی جیسے محقق اور مورخ نے ملتان میں قیام کر کے نہ صرف کتاب تحقیق ماللہند جیسی اہم کتاب تصنیف کی بلکہ ہندی علوم کی بہت سی کتابوں کے تراجم بھی عربی میں کیئے ۔ان تمام بزرگان دین، علماء مفکرین اور صوفی کی بدولت اسلامی فلسفے کے علاوہ تصوف میں بھی پورے برعظیم پاک و ہند میں پھیل گیا۔ان بزرگوں کی خدمات نے لوگوں میں نئی مذہبی حس پیدا کر دی اور ان میں ایمان اجاگر کیا اور ان کے فکر کو نئی زندگی اور نئی جلا بخشی، جس نے ذہنی ترقی اور فلاح عموی کا ایک نیا باب شمالی ہند میں کھول دیا۔ ۱۳۷

تصوف کے مختلف مراکز و سلاسل

جنوبی ایشیاء میں مسلمانوں کی آمد

تمام ارباب تصوف متفق ہیں کہ خرقہ درویشی، درگاہ رب العالمین سے بہ شب معراج حضرت رسالت مآب ﷺ کو مرحمت ہوا۔ جب آنحضور معراج سے واپس آئے صبح کو محفل اصحاب میں بموجب فرمان الٰہی کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو علم معرفت کی تعلیم فرمائی ۔وہ خرقہ گلیم سیاہ تھا۔حضرت علی نے چاروں صاحبین کو اپنا خلیفہ مقرر کیا۔وہ چار پیر کہلاتے ہیں ۔اول حضرت امام حسن دوسرے امام حسین تیسرے خواجہ کمیل بن زیاد قدس سرہ چوتھے حضرت خواجہ حسن بصری ان حضرات کو امیر المومنین نے وہ خرقہ درویشی عنایت فرما کر مقتدائے مشائخ فرمایا جب وہ خرقہ خواجگان چشت میں منتقل ہوا۔خرقہ خواجگان چشت کہلایا۔ ۱۳۸ چنانچہ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دلی تک سلسلہ وار پہنچا۔ چنانچہ جب فقر بڑھا۔تو سات گروہ مشہور ہوئے ۔اول گروہ کمیلیہ خواجہ کمیل بن زیاد سے دوسرا گروہ اویسہ خواجہ اویس قرنی سے چوتھا گروہ قلندریہ خواجہ ابولی قلندریہ سے پانچواں گروہ سلمانیہ خواجہ سلمان فارسی سے چھٹا گروہ یمنیہ خواجہ یمین الدین شامی سے جاری ہوا۔ساتواں گروہ نقشبندیہ حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق سے جاری ہوا۔اور چودہ خانوادوں کیفیت یہ ہے کہ خواجہ حسن بصری سے دو خلیفہ اکمل ہوئے یعنی خواجہ

حبیب عجمی کہ ان سے خانوادہ ہیں۔ وہ عموماً قادریہ کہلاتے ہیں اوراس طرح خانوادوں کا یہ سلسلہ چلتا رہا۔۱۳۹

یہ ایک نظام فطرت ہے کہ اللہ جس علاقے کے خطے میں ہدایت اور اپنا قانون چاہتا ہے، تو وہاں اپنے بندے پیدا کرتا ہے یا کسی اور علاقے سے حکم ربی کے تحت اللہ کے بندے آباد ہو جاتے ہیں۔ جنوبی ایشیا میں جب سے اسلام پھیلا اس وقت سے لیکر آج تک یہ خطہ خالی نہیں رہا کہ اس جگہ اللہ کا کوئی برگزیدہ انسان نہ ہو۔ خاتم النبین کے بعد رشد و ہدایت کے سلسلے کو جاری رکھنے کا کام شمع رسالت کے پروانوں کے ذمہ ہے گزشتہ صدیوں میں دیگر ممالک اسلامیہ میں اللہ کے بڑے بڑے ولی گزرے ہین۔ لیکن اب زیادہ حصہ جنوبی ایشیا میں ہے۔۱۴۰

صوفیائے کرام کے کئی س سلسلے ہین۔ ان میں سلسلہ چشتیہ زیادہ مشہور اور قدیم ہے۔ اسکی بنیاد خواجہ معین الدین حسن اجمیری نے رکھی تھی۔۱۴۱ خواجہ معین الدین حسن اجمیری ان نامور اکابر اولیاء میں سے ہیں۔ جن پر زمانہ ہمیشہ فخر کرتا رہے گا۔ اور اس اعتبار سے کہ کفر کدۂ ہند میں اسلام کی روشنی آپ کی مساعی جمیلہ سے پھیلی۔ یہاں اسلامی حکومت کا سنگ بنیاد بھی آپ کے ہاتھوں نصب کیا گیا، خواجہ صاحب نے دولت مند گھرانے میں بڑے ناز و نعم سے پرورش پائی تھی۔ آپ نجیب الطرفین سید تھے۔ سلسلہ نسب بارہ واسطوں سے حضرت علی بن ابی طالب تک جا پہنچتا ہے۔۱۴۲

خواجہ معین الدین حس اجمیری کا سلسلہ ءاردات ساتویں درجہ میں اسحاق شامی چشتی تک جا پہنچتا ہے۔ جو گویا خاندان چشتیہ کے بانی اور اس لقب کے موجد تھے۔

جنوبی ایشیاء میں مسلمانوں کی آمد:

سرزمین میں مسلمانوں نے ۷۱۲ء میں قدم رکھا۔ مگر محمد بن قاسم کے ساتھ مسلمانوں کی جو جماعت آئی وہ سندھ ہی میں ٹھہر گئی۔ چنانچہ اس حملے کا اثر باقی سرزمین ہند پر نہ پڑسکا۔ سلطان محمود غزنوی کے بعد جب غوریوں نے ہندوستان پر حملے کئے اور غوریوں سے ہی ہندوستان میں مستقل اسلامی سلطنت کی بنیاد

رکھی۔۱۴۳

محمد بن قاسم کے ساتھ جو مسلمان یہاں آئے تھے انہوں نے دین حق کی اشاعت کا کام ضرور کیا۔ اس زمانہ میں سرزمین ہند میں بعض کابر اور صوفیاء کا پتہ چلتا ہے۔ جنہوں نے سندھ پنجاب اور کشمیر میں اسلام کو پھیلانے کے لئے جدوجہد کی۔ مگر یہ کام صرف انہی علاقوں تک محدود رہا۔ اندرون ہند اسکے کوئی اثرات نظر نہ آتے تھے۔ جنوبی ایشیا میں ہر طرف پرانے ہندو مذہب کے پیروکار آباد تھے۔ ان لوگوں میں جو پرانی توحید تھی وہ بھی بت پرستی کے دامن میں بالکل چھپ گئی تھی۔ خالق مطلق سے کسی کو کوئی تعلق نہ رہا تھا۔ غرضیکہ ہندوستان کا علاقہ ایسا تھا جہاں خالق کے دھوکے میں کھلم کھلا مخلوق پرستی ہو رہی ہو۔ اس وقت ایک وحدت میں ڈوبے ہوئے ولی اللہ کے دل میں یہ احساس پیدا ہوا کہ اس سے زیادہ کوئی ملک ہدایت کا محتاج نہیں۔ چنانچہ وہ بلا تامل ہندوستان میں ٹھہرے ایک جگہ جم کر بیٹھنے اور خدا کے بندوں کو راہ راست کی طرف متوجہ کرنے پر آمادہ ہو گئے۔۱۴۴ انہوں نے لاہور کو توجہ کا مرکز نہ بنایا۔ نہ پنجاب کے کسی اور شہر کو کیونکہ یہاں پہلے ہی صدہا ولی اللہ اور علماء موجود تھے۔

ممکن ہے کہ خواجہ معین الدین حسن اجمیری اپنی خانقاہ دہلی میں قائم کرتے۔ جس میں ابھی تک مسلمانوں کی سلطنت قائم نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ خواجہ صاحب نے اپنا مرکز اجمیر کا شہر قرار دیا۔ جسکے چاروں طرف راجپوتانہ کی سلطنتیں تھیں جو ترقی دین اور توحید اسلام کی تعلیم سے مانع تھیں۔ اس لئے اجمیر اپنے موقع اور اپنی حالت کے لحاظ سے تبلیغ کا عمدہ مرکز بنایا جا سکتا تھا۔۱۴۵

جب خواجہ معین الدین حسن اجمیری خدا پرست درویشوں کے معیت میں دھلی پہنچے تو اس وقت دھلی کا ہندو راجہ اپنے پورے عروج پر تھا۔ محمد غوری جیسا حکمران بھی اجمیر سے شکست کھا کر واپس جا چکا تھا۔ اس وقت دہلی اور اجمیر حملوں کا مرکز بنے ہوئے تھے۔

دہلی میں اشاعت حق:

خواجہ معین الدین حسن اجمیری نے دہلی پہنچ کر تبلیغ اسلام کا کام شروع کر دیا۔ اگر چہ ہندو دین اسلام کی تبلیغ کو کسی طور برداشت نہ کرتے تھے۔ مگر خواجہ حسن بصری کی روحانیت خلوص کی کشش ان کی نرمی اور خوش خلقی کے طفیل ہندو آپ کو قدر و منزلت کی نظر سے دیکھنے لگے۔ خلقت کا ہجوم جس میں مسلم امور غیر مسلم سب شریک تھے آپ کی طرف کھنچا چلا آ رہا تھا۔ مگر آپ نے دہلی کو اپنا مستقر بنانا پسند نہ فرمایا اور جلد ہی اجمیر کا قصد کیا۔ دہلی چھوڑنے سے قبل آپ نے اپنے مشہور اور نامور خلیفہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی کو ۱۲۳۵ء میں دہلی میں اپنا خلیفہ مقرر کیا اور پھر خود اجمیر پہنچے۔ ۱۴۶ اجمیر میں آپ کی نظر کیمیا اثر اور آپ کی زبان معجز بیان اپنا غیر معمولی اثر دکھا رہی تھی جو کوئی آپ کے پاس آتا فوراً معتقد ہو جاتا۔ ہزار ہا خلقت آپ کے ہاتھ پر ایمان لائی اور وہ سرزمین جہاں ایک مسلمان بھی نہ تھا۔ ہزاروں آدمی محض آپ کے تصوف باطنی کی برکت سے مسلمان ہو گئے۔ ادھر مسلمانوں کی تعداد بڑھ رہی تھی۔ دوسری طرف راجہ رائے پتھورا کے غضب میں اضافہ ہو رہا تھا انہی دنوں ہندوستان کے سرحدی علاقوں پر غوریوں نے قبضہ جمالیا۔ ۱۴۷ شہاب الدین محمد غوری ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ ۱۴۸ لیکن شروع میں اس سے شکست کھائی لیکن محمد غوری نے ہمت نہ ہاری۔ ترائن کے دوسرے معرکہ میں ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ غوریوں کے حق میں ہو گیا۔ فتح کے بعد سلطان شہاب الدین محمد غوری اجمیر آیا۔ اس نے رائے پتھورا کے بیٹے کو اپنا جاگیردار بنایا اور قطب الدین ایبک کو اپنا والی مقرر کر دیا۔ قطب الدین ایبک کے خلیفہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی نے دہلی میں انوار ہدایت کی ایک شمع روشن کی تھی۔ جب سلطان شمس الدین التمش ۶۰۷ھ (۱۲۱۰ء) میں تخت پر بیٹھا تھا اور ۲۶ سال حکومت کرنے کے بعد جادۂ پیمائے آخرت ہوا۔ ۶۳۳ھ/۱۲۳۶ء میں خواجہ معین الدین حسن اجمیری بھی دنیا سے رخصت ہوئے۔ اجمیر شریف میں آپ کا مزار اقدس مرجع خلائق ہے۔ ۱۴۹

خواجہ معین الدین حسن اجمیری نے سارے ہندوستان میں زبردست تبلیغی مہم جاری رکھی۔ آپ نے اپنے قابل اور لائق خلفاء کو ہندوستان کے مختلف اطراف میں اس کام کے لئے مقرر کیا۔ جو ہندوستان کے دور دراز

خواجہ معین الدین حسن اجمیری نے سارے ہندوستا میں زبردست تبلیغی مہم جاری رکھی۔آپ نے اپنے قابل اور لائق خلفاء کو ہندوستان کے مختلف اطراف میں اس کام کے لئے مقرر کیا۔جو ہندوستان کے دور دراز گوشوں میں پھیل گئے۔ یہ لوگ مبلغ بن کر نکلے اور ہندوستان کے مختلف حصوں میں خلق خدا کی رہنمائی میں لگ گئے۔آج ہندوستان میں جو بھی مسلمان نظر آتے ہیں وہ اجمیر کے چشتی اور ملتان کے سہروردی خاندان کی برکات ہیں۔۱۵۰

خواجہ صاحب نے اپنے خاص خلیفہ حضرت قطب الاقطاب کو دہلی جیسے مرکزی مقام میں متعین فرمایا۔ ان تمام بزرگان کرام کی نظر صرف تبلیغ دین اور اصلاح مسلمین تھی۔ان بزرگان کرام کی یہ شان رہی کہ وقت کے فرمانروا بھی ان کی غلامی پر فخر کرتے تھے۔

صاحب سیر الاولیاء نے خواجہ اجمیری کے اس کارنامے کو سب سے بڑی کرامت قرار دے دیا ہے وہ لکھتے ہیں:

"اس سے بڑی کرامت اور کیا ہوگئی کہ جو لوگ اس بزرگ کے ساتھ وابستہ ہوئے وہ خود دین کے ایسے بادشاہ ہوئے کہ انہوں نے بزرگان خدا کی مدد کی اور انہیں دنیا کے فریب سے نکالا۔۱۵۱ ان بادشاہان دین کی عظمت کا نقارہ قیامت تک بجتا رہے گا"۔

دوسری کرامت یہ کہ پورا ہندوستان جہاں کے لوگ پتھر، درخت، گھوڑا، سانپ، گائے اور گوبر تک کو سجدہ کرتے تھے اور ان کے دل پر تاریکی کے مضبوط قفل پڑے ہوئے تھے۔ان بزرگوں کی بدولت ملک کی تاریکی کفر اسلام کی روشنی میں بدل گئی۔۱۵۲

سلسلہ چشتیہ سے بڑے بڑے نامی بزرگ وابستہ رہے۔ مثلاً خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ۱۲۳۵ء بابا فرید گنج شکر ۱۲۴۶ء اور جمال ہانسی ۱۲۴۶ء وغیرہ۔

قت گزرنے پر اس سلسلے کی مزید دوشاخیں ہوگئیں۔ حضرت بابا فرید گنج شکر کے داماد اور بھانجے حضرت مخدوم علی احمد صابر ۱۲۷۱ء سے سلسلہ صابریہ شروع ہوا۔اس طرح بابا فرید کے ایک مرید جناب سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء دہلوی سے چشتیہ نظامیہ کی ابتداء ہوئی اور اس سلسلہ کی اشاعت میں سلطان المشائخ

کے مریدوں نے نمایاں کا کیا۔ حضرت بابا فرید گنج شکر نے خواجہ نظام الدین کو جو پند نصائح ہدایت فرمائیں وہ پوری تفصیل سے "راحت القلوب" بابا فرید گنج شکر کے ملفوظات میں درج ہین۔ جن کو خواجہ صاحب نے مرتب کیا تھا۔ خلافت کا شرف ۱۲۹۰ء یا دو ربیع الاول ۱۲۷۳ کو حاصل ہوا [۱۵۳] (بقول سیر الاولیاء) (بقول راحت القلوب) بابا صاحب نے فرمایا "نظام الدین کو ہم نے ہندوستان کی ولایت دی اور خلافت عطاء کی"۔۱۵۴

خواجہ نظام الدین فرماتے ہیں کہ آخری مرتبہ بابا صاحب سے ملاقات اجودھن میں ہوئی تو واپسی پر بابا فرید گنج شکر نے دعا دیتے ہوئے فرمایا۔ اللہ تجھے نیک بخت کرے۔ پھر فرمایا۔

"تم ایسے درخت ہو گے جس کے سایہ میں مخلوق آرام پائے گی۔ پھر نصیحت فرمائی کہ حصول استعداد کے لئے برابر مجاہدہ کرتے دہنا۔۱۵۵

یہ خلجیوں کا دور تھا۔ علاوالدین خلجی نے دو بیٹوں خضر خان اور شادی خان کو دولاکھ ٹنکے دے کر خواجہ نظام الدین کی خدمت میں بھیجا۔ انہوں نے دونوں کو مرید کر لیا۔ خواجہ نظام الدین اولیاء کی خانقاہ کی عمارت خضر خان سے ہی بنوائی تھی۔۱۵۶

خواجہ صاحب کے فیوض و برکات کے طفیل ملک میں ایک ہمہ گیر اخلاقی اور معاشرتی انقلاب پیدا ہو گیا۔ ضیاء الدین برنی نے اپنی کتاب تاریخ فیروز شاہی میں اس عہد کی جو تصویر کھینچی ہے کہ سلطان علاوالدین کے زمانہ میں خواجہ نظام الدین اولیاء شیخ علاوالدین اجودھی جیسے صوفیاء کرام موجود تھے جن کے انفاس متبرکہ سے ایک دنیا روشن ہوئی۔ ان مشائخ کرام کے اوصاف حمیدہ سے لاکھوں انسانوں نے فیض حاصل کیا۔ اس وقت کا سب سے بڑا فتنہ جنوبی ایشیاء پر تاتاریوں کی یورشیں تھیں۔ وہ ختم ہو گئیں۔ ان بزرگوں کی وجہ سے شعائر اسلام کو بلندی نصیب ہوئی۔ خواجہ نظام الدین اولیاء نے بیعت کا دروازہ کھول دیا تھا۔ تصوف اور احکام شریعت کی کتابوں سے لوگوں کو رغبت ہو گئی تھی۔۱۵۷

حضرت نظام الدین اولیاء سے جو تصنیفات یا ملفوظات منسوب ہیں۔ وہ چار ہیں۔

فوائد الفواد:

خواجہ علاء حسن سجزی نے ۷۰۸ھ میں مرتب کی جو حضرت نظام الدین اولیاء کے نامدار مرید

تھے۔ مراۃ الاسرار کے مصنف عبدالرحمٰن چشتی اور مشہور مورخ فرشتہ نے بھی اس کتاب کی بہت تعریف کی ہے۔

ا۔ راحت المجتبین:

ملفوظات شیخ نظام الدین اولیاء منسوب بہ حضرت امیر خسرو۔

۲۔ راحت القلوب:

ملفوظات شیخ فریدالدین منسوب بہ شیخ نظام الدین اولیاء

سیر الاولیاء:

سلسلہ چشتیہ کی تاریخ کی بنیادی کتاب جسکے مصنف سید مبارک علوی کرمانی المدعو بہ امیر خورد۔

حضرت نظام الدین اولیاء کے خلفاء:

حضرت نظام الدین اولیاء کے خلفاء کی فہرست بہت طویل ہے۔ مشہور خلفاء یہ ہیں۔
شیخ شمس الدین یحیٰی، شیخ نصیر الدین محمود چراغ دلی، شیخ قطب الدین منور ہانسی، شیخ حسام الدین ملتانی، شیخ فخر الدین نداری، شیخ وجیہہ الدین پائلی یوسف کلاکھڑی، مولانا سراج الدین اور مولانا شہاب الدین امام خواجہ نصیر الدین چراغ دلی نے دہلی پنجاب گجرات اور اودھ میں رشد وہدایت کی شمع جلائی۔ شیخ اخی سراج الدین نے بہار بنگال اور آسام کے اطراف واکفار شمع ہدایت روشن کی برہان الدین غریب نے دکن کو اپنے فیوض وبرکات سے روشن کیا۔ غرضیکہ ان سب حضرات نے ہندوستان کے مختلف گوشوں کو ضیائے اسلام سے منور کیا۔ ۱۵۸

سیر الاولیاء جیسی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاء کو اپنے مریدوں میں سے پانچ بہت عزیز تھے۔ خواجہ حسن کرمانی، خواجہ سید امام خواجہ سید رفیع الدین ہارون، امیر خسرو، اور امیر حسن

ہجری۔۱۵۹

قادریہ سلسلہ کی تبلیغی روحانی اور علمی سرگرمیوں کو تاریخ پاک و ہند میں بڑی نمایاں شہرت ہوئی۔زمانہ وسطی میں ہندوستان میں مرکزی حکومت کی کمزوری کے علاوہ مذہبی انتشار کا بھی زمانہ تھا لیکن سیاسی استحکام اور علوم اسلامی اشاعت کے ساتھ حالات سدھر گئے اس اصلاح حالت میں ایک نئے صوفیانہ سلسلے سے بھی مدد ملی۔جس

نے شمالی ہندوستان بالخصوص پنجاب اور سندھ میں بڑا اقتدار حاصل کیا اور جسکا اثر آج بھی کسی دوسرے خانودہ کے اثر کم نہیں۔۱۶۰ یہ سلسلہ حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی سے شروع ہوا اس سلسلہ کو ابتداء میں حضرت جنید بغدادی کی نسبت جنیدیہ بھی کہا جاتا تھا۔لیکن بعد میں یہ سلسلہ حضرت غوث محی الدین عبدالقادر جیلانی کے نام پر قادریہ مشہور رہا۔اس ملک میں سلسلہ قادریہ کی ابتدا اچ کے مقام پر ایک خانقاہ سے ہوئی۔ جسکی بنیاد ۱۴۸۲ء میں رکی گئی۔چنانچہ سندھ میں یہ خانقاہ مدت تک مسلمانوں کی علمی اور ثقافتی سرگرمیوں کا مرکز نبی رہی۔۱۶۲ اس وقت ہندوستان میں چشتیہ اور سروردیہ سلسلوں کا زور کم ہو گیا تھا۔اس خانقاہ کی بنیاد سید محمد غوث نے رکھی۔ جنکا تعلق مشاہیر اکابر سادات حسنی سے ہے۔حضرت غوث الاعظم سے نسبت آبائی ہے۔ عبادت وریاضت میں یکتائے روزگار تھے۔۱۶۲ سید اصغر علی گیلانی صاحب شجرۃ الانوار رقم طراز ہین۔

"سید محمد غوث کے بزرگوں میں اول سید ابوالعباس احمد بن سید صفی الدین المعروف بہ سید صوفی بن سید سیف الدین عبدالوہاب بن حضرت محی الدین سید عبدالقادر جیلانی اپنے چھوٹے بھائی سید ابوسلیمان کے ساتھ ۱۲۷۸ء/ ۶۵۶ھ میں ہلاکو خان تاتاری کے حملہ بغداد اور قتل وغارت کے وقت بغداد سے نکل کر روم میں

آ گئے۔پھر جب کچھ امن وامان ہوا تو حلب میں آ کر اقامت گزین ہو گئے۔سید محمد غوث یہیں پیدا ہوئے۔ تعلیم وتربیت اپنے والد سے حاصل کی۔۱۶۳ عنفوان شباب میں پدر بزرگوار کی اجازت سے مختلف مالک اسلامیہ کی سیر وسیاحت کو نکلے۔حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔عراق عرب ایران خراسان ترکستان اور سندھ کی طویل سیاحت کی۔یہاں کے اکابر علماء سے بھی ملاقات کی لاہور بھی تشریف لائے۔چند سال یہاں قیام کیا۔پھر ناگور چلے گئے۔یہاں ایک مسجد تعمیر کی۔غرض اسی طرح سیر وسیاحت کرتے ہوئے

حلب پہنچے اپنے والد گرامی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کی کہ فقیر کا دل یہ چاہتا ہے کہ اقلیم ہند میں کسی جگہ سکونت اختیار کرلوں انہوں نے جواب دیا کہ میری وفات کے بعد تمہیں اختیار ہے۔ پس اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد براستہ خراسان ملتان آئے اور وقت شاہ حسین لنگاہی حاکم ملتان و سندھ اور سلطان سکندر لودھی بادشاہ ہند تھا۔ دونوں آپ کے حلقہ ارادت میں داخل تھے۔ آپ کے وجود سے سلسلہ قادریہ ہندوستان میں پھیلا۔ آپ شاعر بھی تھے اور قادری تخلص بھی کرتے تھے۔ ۱۶۴

قصبہ اوچ کی آبادی کا حال حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب اخبار الاخیار میں اس طرح تحریر کرتے ہیں کہ جب سید ابواسحاق لاہوری نے اپنے ہمشیرزادہ صفی الدین کو خرقہ خلافت عطا کر کے رخصت فرمایا تو

حکم دیا کہ اونٹ پر سوار ہو جائے اور جس جگہ اونٹ بیٹھ جائے اسی جگہ سکونت اختیار کیجئے۔
چنانچہ سید صفی الدین نے اسی طرح عمل کیا جب اونٹ اوچ کی آبادی کے متصل پہنچا تو بیٹھ گیا۔ پس شیخ صفی نے وہیں اقامت اختیار کرلی اور ایک الگ آبادی بنا ڈالی۔ حضرت سید محمد غوث کی وفات بقول صاحب شجرہ الانوار ۱۵۱۷ء/۹۲۳ھ میں واقع ہوئی۔ مزار اوچ میں زیارت گاہ خلق ہے۔ ۱۶۵

قادریہ سلسلے کو دوسرے قدیمی سلسلوں پر امتیاز حاصل تھا۔ اس کی وجہ سے بڑے بڑے پرہیزگار علماء مثلاً شیخ علی متقی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس سلسلے میں بیعت کی اور اسے خواص وعوام میں بڑا فروغ حاصل ہوا۔ ۱۶۶

پنجاب کے زیادہ تر سنی علماء اسی سلسلے کے ساتھ تعلق رکھتے تھے۔ اس سرزمین پر اسلام پھیلانے کے لئے ان کی خدمات بہت اہم ہیں۔ ۱۶۷ انکے علاوہ حضرت شاہ چراغ اور حضرت شاہ ابوالمعالی قادری اس سلسلے کے مشہور بزرگون میں سے ہیں۔

اس دور میں جبکہ ملتان بہاولپور اور سندھ کے علاقوں کے باشندے اسماعیلی عقائد سے متاثر ہو چکے تھے۔ صوفیائے کرام کی کوششوں کے باعث ان علاقوں سے اسماعیلی نظریات کا اثر کم ہو گیا۔ ۱۶۸

تصوف کے ان اکابرین کے علاوہ کچھ بزرگ ایسے بھی تھے جو سرکاری سرپرستی میں تھے لیکن سرکاری مصروفیات کے باوجود یہ لوگ دین حق کی اشاعت کے سلسلہ میں بڑے سرگرم رہے۔ حضرت امیر خسرو دہلوی

کا نام مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے جو حضرت نظام الدین اولیاء کے مدید تھے۔۱۶۹

مغلوں کے دور میں اگر چہ صورت حال کچھ اور تھی اکبر کی مذہبی پالیسی نے نئے مسائل پیدا کر دیئے تھے۔مذہبی معاملات میں اگر چہ ہندوؤں نے اکبر کے ساتھ تعاون نہ کیا۔ایسے نازک موقع پر ایک بار پھر صوفیائے کرام نے میدان عمل میں قدم رکھا۔اس سلسلہ میں انہوں نے کافی قربانیاں دیں۔لیکن اسلام کو ہندو مذہب میں جذب ہونے سے بچالیا۔۱۷۰

شیر شاہ سوری کا دور ایسا تھا کہ کچھ بزرگ دربار کی زینت بنے ان چند بزرگوں میں مولانا سید رفیع الدین صفوی، ملا نظام الدین، حضرت شیخ خلیل جو حضرت بابا فرید گنج شکر کے اختیار میں سے تھے۔ان کے علاوہ مولانا

عبداللہ سلطان پوری کا دربار میں بڑا تھا۔ان کو شیر شاہ سوری نے شیخ الاسلام کا خطاب دے رکھا تھا۔اس بزرگ نے کبر کے ابتدائی دور میں بڑا نام پیدا کیا۔بعد میں مغل بادشاہ اس سے ناراض ہو گیا اور وہ زیر عقاب آ گئے۔۱۷۱

مغلیہ دور کے صوفیاء:

مغلیہ دور میں لاہور میں بہت سے اولیاء اللہ گزرے ہیں۔زیادہ اولیائے کرام باہر سے آ کر قیام پذیر ہوئے۔پھر اسی سرزمین میں بہ اسود خاک ہو گئے۔۱۷۲

مغلوں کے تقریباً اڑھائی سو سالہ دور حکومت میں جتنے زیادہ صوفیاء لاہور میں رشد و ہدایت کے سلسلے میں مصروف رہے اتنی تعداد میں نہ اس سے پہلے ہونگے اور نہ اسکے بعد ہوئے ہونگے۔۱۷۳ اسکی وجہ یہ ہے کہ کئی سو سال لاہور مسلمان حکومت کے زیر نگین رہا اور یہاں مسلمان صوفیاء نے تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیا وہ ہندو نسل جو پہلے مسلمان ہوئے ان میں مختلف سلسلوں کے بزرگ اٹھے جنہوں نے چہار سلسلہ تصوف کو خوب فروغ دیا۔۱۷۴

وہ سلسلے جو اس دور میں فروغ پائے۔وہ یہ ہیں:

سلسلہ سہروردیہ:

مغلوں کے دور حکومت میں سلسلہ سہرور دیہ نے کافی فروغ پایا انہوں نے لاہور میں علم و عرفان کی حامل قدر خادمات انجام دیں۔ ۱۷۵

جشتی اور سہروردی سلاسل کے جن بزرگوں نے برصغیر پاک و ہند میں تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دیا ان کا تعلق حضرت شہاب الدین سہروردی کے ساتھ رہ چکا ہے۔ قرائن یہ بتا رہے ہیں کہ کفرستان ہند میں تبلیغ اسلام کے لئے حضرت ہی کی خانقاہ میں پروگرام بنایا گیا اور پھر یہ بزرگ برصغیر پاک و ہند کی طرف چل پڑے۔ ۱۷۶

سلطان التارکین حمید اللہ حاکم نے منومبارک (نزد رحیم یار خان) کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز قرار دیا اور اسی نواح میں سہروردی سلسلے کی اشاعت کی۔

حضرت بہاء الدین زکریا، بابا فرید الدین مسعود گنج شکر، حضرت حمید الدین حاکم اور سید جلال الدین سرخپوش بخاری سال میں ایک بار جنوب مغربی پنجاب اور سندھ کے تبلیغی دورے پر نکلا کرتے تھے۔ ان کی کوششوں سے بہت سے غیر مسلم شرف باسلام ہوئے۔ ۱۷۷

حضرت شہاب الدین سہروردی کے خلفاء میں حضرت بہاوالدین ابو محمد ذکریا ملتانی قدس سرہ کا اسم گرامی سرفہرست ہے۔ انہوں نے حصول خلافت کے بعد ملتان میں ایک عظیم الشان خانقاہ کی بنیاد رکھی جسکوان کے فرزند ارجمند حضرت صدرالدین عارف (۱۳۸۵م) اور پوتے حضرت شاہ رکن عالم نے بام روج تک پہنچا دیا۔ حضرت بہاوالدین زکریا کی خانقاہ روحانیت کے علاوہ علم وادب اہمی بہت بڑا مرکز تھی۔ ۱۷۸ مورخین ملتان علامہ عتیق فکری اور مولانا نوراحمد فریدی لکھتے ہیں کہ حضرت کی خانقاہ سے ملحق ایک دینی مدرسہ بھی تھا جہاں دور دور سے تشنگان علم اپنی پیاس بجھانے آیا کرتے تھے۔ ۱۷۹

حضرت رکن الدین کی وفات کے بعد ملتان میں تصوف کا بازار سرد پڑ گیا۔ اور ملتان کی بجائے اوچ کی سہروردی خانقاہ چار وانگ عالم میں مشہور ہوگئی۔ ۱۸۰ حضرت زکریا کے خلیفہ سید جلال الدین سرخپوش بخاری نے اوچ کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز قرار دا۔ سید جلال الدین سرخپوش بخاری اپنے وقت میں مقتدائے زمانہ ہوئے حسب الحکم اکبر اعظم عبن معرکہ چتوڑ میں بادشاہ کی فتح کی دعا فرمائیں اور چتوڑ فتح ہوا۔ ان کی وفات ۱۲۹۱ء کے بعد ان کے فرزند ارجمند حضرت سید احمد کبیر سند ارشاد پر تشریف فرما ہوئے۔ ۱۸۱ ان کے دو

فرزند تھے۔ حسین اور صدرالدین راجو۔ یہی حسین تاریخ میں مخدوم جہانیاں سید جلال الدین جہانگشت کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ۱۸۲

موصوف حضرت رکن الدین کے خلیفہ تھے۔ مخدوم جہانیاں سلطان محمد بن تغلق کی افتاد طبع دیکھ کر سیاحت کے بہانے اوچ سے حجاز مقدس تشریف لے گئے سیاحت کے دوران آپ کو بار بار حج کی سعادت نصیب ہوئی۔

"سلطان فیروز تغلق کے ساتھ حضرت مخدوم جہانیاں کے بڑے اچھے مراسم تھے۔ مخدوم صحب ہر سال اوچ شریف سے دہلی تشریف لے جاتے۔ سلطان فیروز تغلق نے "فتوحات فیروزشاہی کے عنوان سے اپنے کارنامے قلمبند کیے تھے وہ لکھتا ہے کہ اسے خدا نے توفیق بخشی۔ اس نے چھبیس نیک کام کیے اور بائیس ناجائز ٹیکس منسوخ کردیئے۔ ہوسکتا ہے اس نے کام حضرت مخدوم جہانیاں کے زیر اثر کیا تھا۔ ۱۸۳

حضرت مخدوم جہانیاں نے ۱۳۸۴ء میں انتقال فرمایا۔ ان کے ایک خلیفہ سید سکندر ولی ترمذی منگرولی نے کاٹھیاواڑ کے ساحلی علاقے میں تبلیغ اسلام میں بڑی سرگرمی دکھائی۔

شیخ جمالی سہروردی بڑے اعلی پایہ کے شاعر تھے۔ موصوف سلطان سکندر لودھی کے استاد تھے۔

مغل بادشاہ اکبر کے عہد میں سندھ میں صدیق اکبر سیدنا ابوبکرؓ کے خانوادہ میں سے ایک بزرگ حضرت مخدوم نوح بالائی نے اپنے انفاس طیبہ سے پورے علاقے کو منور فرمادیا۔ انہوں نے سندھ کو اکبر جیسے ملحد حکمران

کے تسلط سے بچایا ہوا تھا۔ ۱۵۹۰ء میں مخدوم صاحب نے انتقال فرمایا۔ اور اگلے سال اکبر کے حکم پر ملتان کے گورنر عبدالرحیم خان خانان نے سندھ پر چڑہائی کردی۔ حاکم سندھ نے شکست کھائی۔ ۱۸۴

ایک خلیفہ خاص دیوان نعمت اللہ سہروردی نے خانقاہ ڈوگراں ضلع شیخوپورہ میں مسند ارشاد کو رونق بخشی۔

اکبر بے دینی اور بے راہ روی کے خلاف سب سے پہلے حضرت خواجہ باقی باللہ دھلویؒ نے محاذ قائم کیا اور اکبر کے درباری امراء کے ساتھ تعلقات قائم کر کے انہیں جادۂ حق پر رہنے کی تلقین فرمائی۔ خواجہ صاحب کے وصال کے بعد شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی نے ان کے کام کو آگے

بڑھایا۔۱۸۵

مغلوں کے دورِ حکومت میں سلسلہ سہروردیہ نے کافی فروغ پایا۔ انہوں نے لاہور میں علم وعرفان کی قابل قدر خدمات انجام دیں۔ سلسلہ سہروردیہ کے اکابر صوفیاء میں سے حضرت میران محمد شاہ موج دریا بخاری شاہ عبدالرزاق مکی، حضرت محمد اسمٰعیل عرف میاں وڈا، حضرت بابا شاہ جمال، شاہ محمد سہروردی اوران کی اولاد کے نام قابل ذکر ہیں۔۱۸۶

مصنف تذکرہ اولیائے ہند میں رقمطراز ہے کہ شاہ عبدالرزاق مکی تارک الدنیا، جامع الکمالات ظاہری وباطنی، غزنی سے آ کر پشاور میں قیام پذیر رہے۔ ان کا نیلا گنبد مشہور ہے۔

حضرت شاہ جمال قادری سہروردی قدس سرہ شیخ گکرا بیگ کے مرید تھے۔ یہ حضرت سادات حسینی سے تھے۔ انہوں نے لاہور میں آ کر سات منزلہ خانقاہ بنوائی نواب [۱۸۷] سلطان بیگم دختر اکبر اعظم کا باغ اور تالاب جو خانقاہ کے قریب تھا ان کو ناگوار گزرا۔ انہوں نے پیغام بھیجا کہ تمہارا مکان ہمارے مکان سے بلند ہو، اگر بطور خود اس دمدمہ کو نیچا کر لو تو بہتر ہے ورنہ منہدم کرا دیا جائیگا۔ یہ سن کر آپ نے ہنس کر فرمایا کہ بہتر ہے کہ ایسا ہو جائیگا اور گھر فقیر کا قیامت تک رہے گا۔ جب رات ہوئی آپ نے سماع کرایا۔ حالت وجد میں رہے اور زمین پر ایک لات ماری تمام منزلیں زمین میں غرق ہو گئیں۔۱۸۸ تین بالائے زمین ابھی بھی موجود ہیں۔ مشہور ہے کہ دمدمہ کی تعمیر کے واسطے معمار نہ ملتے تھے کیونکہ شاہجہانی عمارتیں تیار ہو رہی تھیں۔ انہوں نے چند معماروں کو بلا کر فرمایا کہ ہمارا کام بھی کرو۔ انہوں نے کہا دن کو فرصت نہیں آپ نے فرمایا رات کو ہمارا کام کر دو اور دن کے برابر مزدوری لو۔ پس بہت سے معمار مشعل کی روشنی میں رات کو کام کرتے تھے۔ ایک روز تیل نہ تھا آپ نے فرمایا کہ چراغوں میں پانی ڈال کر روشنی کرو۔ کہا جاتا ہے کہ تمام رات وہ پانی تیل کی طرح جلا۔۱۸۹

سلسلہ نقشبندیہ:

عہد مغلیہ میں سلسلہ نقشبندیہ لاہور میں زیادہ فروغ نہ پا سکا۔ لیکن حضرت ایشان اور حضرت طاہر بندگی کی خدمات قابل ذکر وستائش ہیں۔ ان دو جلیل القدر بزرگوں کے علاوہ سعدی بخاری، پیر زھدی، عبدالواحد

نقشبندی، ابومحمد نقشبندی جیسے بزرگ بھی اسی دور سے گزرے ہیں۔عہد عالمگیری میں کئی اہل اللہ ہونگے اور رقعات عالمگیری میں دوتین ایسے بزرگوں مثلاً شیخ عبدالطیف برھانپوری کے نام آتے ہیں۔ جنکا اورنگ زیب بڑامداح تھا۔۱۹۰ زوال حکومت کے دور میں تصوف کو پھر فروغ ہوااور خانقاہ نشین بزرگوں میں سے نہ صرف سربرآوردہ ہستیاں پیدا ہوئیں بلکہ کئی نقشبندی بزرگوں مثلاً عبدالاحد وحدت شاہ گلشن، میرزامظہر جانجاناں نے فارسی ادب میں نام حاصل کرنے کے علاوہ مقامی زبان کی بھی سرپرستی کی اوراس عمل کوتقویت دی جسکی بدولت انکے شاگردوں مثلاً ولی دکنی، خواجہ میر درد، یقین، عبدالحئ تابان نے دکنی اور بھاشا کی کایاپلٹ کرجدید اردو کی بنیاد رکھی۔۱۹۱

نقشبندیہ سلسلے نے نصف صدی میں خوب رونق پائی اوراس سلسلے کے کئی بزرگون نے اردو زبان اور شاعری کی تشکیل اورنشوونما میں مدد دی جب بندہ بیراگی نے سرہند کوتباہ وبرباد کردیا تو جوحضرت یہاں سے نقل مکان کرکے دہلی چلے گئے۔ان میں ایک بزرگ عبدالاحد وحدت سرہندی المعروف بہ شاہ گل، حضرت مجدد الف ثانی کے پوتے تھے۔وہ دہلی میں علماءاورمشائخ کےس حلقے میں داخل ہوئے جس مین حکیم الامت شاہ ولی اللہ کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم اور چچا شیخ ابوالرضا محمد کا آنا جانا تھا۔انفاس العارفین میں کئی جگہ ان کا ذکر آتاہےاورشاہ ولی اللہ نے ان کے بعض مکاتیب بھی درج کتاب کئے ہیں۔

ملفوظات شاہ غلام علی (قلمی) انڈیا آفس لائبریری (مطبوعہ دہلی) کی غیر مطبوعہ فہرست سے پتہ چلا کہ وہاں شاہ گلشن دہلوی ایک اوربھی بزرگ تھے۔جوشاہ ولی اللہ کے ہم عصر تھےشاہ ولی اللہ نے انفاس العارفین میں آپ کی زبانی بعض روایتیں نقل کی ہیں۔۱۹۲

ایک اورنقشبندی بزرگ مرزامظہر جان جانان نے ترک دنیا کر کےتصوف اورشعروادب کے لئے زندگی وقف کردی اورشیخ عبدالاحد سرہندی المعروف بہ شاہ گل کے کئی خلفاء سےفیض حاصل کیا۔۱۹۳

<u>سلسلہ چشتیہ:</u>

اس دور میں سلسلہ چشتیہ کے بزرگوں نے بھی اشاعت دین میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔وہ چشتی

آبادی جوشاہجہاں آباد میں پیدا ہوئے۔ سفر حج کے دوران شیخ یحییٰ مدنی سے بھی بیعت ہوئے انہوں نے واپس آ کر وطن میں اس سلسلہ کی کافی اشاعت کی۔ برعظیم پاک وہند میں یہ سلسلہ آکاس بیل کی طرح پھیلا۔۱۹۵ اس سلسلے کے بزرگوں کے ملفوظات ہماری سیاسی دینی اور سماجی تاریخ کا ایک اہم ماخذ ہیں۔ اس سلسلے کے بزرگوں میں جذبہ عشق کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ ان بزرگوں میں خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری، خواجہ قطب الدین بختیار کا کی، بابا فرید الدین مسعود گنج شکر حضرت نظام الدین اولیا، حضرت علاؤالدین علی احمد صابر، حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلی، حضرت بندہ نواز گیسودراز، سید محمد حسینی، حضرت برہان الدین غریب، حضرت احمد عبدالحق رودلی، حضرت عبدالقدوس گنگوہی، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، مولانا فخر الدین دہلوی، حضرت نور محمد مہاروی، حضرت سلیمان تونسوی اور شاہ نیاز احمد بریلوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ روہیل کھنڈ میں مشہور صوفی شاعر مولینا شاہ نیاز احمد بریلوی نے چشتیہ نظامیہ سلسلے کو چمکایا۔ بادشاہ وقت اکبر شاہ ثانی بھی آپ کا مرید تھا۔ اور آپ کے حالات نظام الملک کے پوتے نواب غازی الدین وزیر سلطنت نے "مناقب فخریہ" کے نام سے جمع کئے۔ میاں کالے صاحب جنکا مرید بہادر شاہ ظفر تھا وہ مولینا فخر الدین کے پوتے تھے۔۱۹۶

اکبر اعظم کے دور میں شیخ عبدالعزیز چشتی کو بڑا قبول عام ہوا۔ بیرم خان انکا معتقد تھا۔ دوسرے امرائے اکبری بھی ان کے خدمت میں حاضر ہو کر اخذ فیض کرتے تھے۔۱۹۷

ایک اور چشتی بزرگ جنہوں نے مغل دور میں شہرت پائی وہ شیخ سلیم چشتی تھے۔ جن کے نام پر اکبر کے بیٹے جہانگیر کا نام سلیم ہوا۔ اور جنکی کشش سے اکبر نے ایک عرصہ تک فتح پور سیکری کو اپنا دارالسلطنت بنائے رکھا۔ بادشاہ اور امراء کے اعتقاد کی وجہ سے آپ کی ظاہری حالت بہت بڑھ گئی۔ شیخ عبدالحق لکھتے ہیں کہ آپ کی مجلس امراء کی محفلوں سے مشابہ تھی۔ ۱۵۶۴ء میں آپ عرب چلے گئے۔ ۱۵۶۸ء میں واپس آئے۔ آپ کا روضہ بالخصوص اسکا بلند دروازہ ہندوستان کی مشہور عمارات میں سے ہے۔۱۹۸

سلسلہ جنیدیہ:

برصغیر پاک و ہند کے سب سے پہلے اور عظیم و جلیل عالم، صوفی، حضرت سید علی ہجویری ہیں۔ آپ نے ہندوستان میں رشد و ہدایت کا چراغ روشنی کیا اور اپنے ظاہری اور باطنی فیضان سے اس برصغیر میں اسلام کا نور ہر جگہ پھیلا دیا۔ آپ نے صوفیاء خام کے خلاف آواز اٹھائی اور تصوف کو خالص اسلامی صورت میں پیش کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ جب تصوف کے سرچشمے قرآن وحدیث سے ہٹ کر صوفیاء خام کے ہاتھوں گدلے ہو رہے تھے بعض صوفیاء نے اسلام تصوف کے اصل خدوخال کو بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔ آپ تصوف میں خاص دینی اصولوں پر عمل پیرا تھے۔ تصوف کی تاریخ میں حضرت سید علی ہجویری کا نام خاص اہمیت کا حامل ہے۔۱۹۹

داراشکوہ اپنی کتاب سفینۃ الاولیاء میں لکھا ہے "حضرت سید علی ہجویری لاہور میں دن کے وقت تعلیم دیتے تھے اور رات کو طالبان حق کو ہدایت کیا کرتے تھ۔ ان کی رہنمائی سے اور رہبری کی بدولت ہزاروں جاہل عالم بن گئے۔۲۰۰ ان دنوں لاہور علماء کا مرکز تھا۔ جنہوں نے حضرت سید علی ہجویری کی تعلیم سے فیض پایا تھا۔ بہت سے لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ ان میں ایک رائے راجو سلطان مسعود بن محمود غزنوی کی طرف سے لاہور کا نائب تھا۔ اسلام لانے کے بعد آپ نے اسکا نام شیخ ہندی رکھا۔ آپ کے مزار کے مجاوران کی اولاد میں سے ہیں۔ حضرت سید علی ہجویری ذات بابرکت سے برعظیم پاک و ہند میں لوگوں کی کثیر تعداد نے اسلام قبول کرلیا۔۲۰۱

تصوف کی تاریخ میں انکا نام بہت اہمیت کا حامل ہے انکی کتاب کشف المحجوب فارسی زبان میں تصوف کی پہلی کتاب ہے، یہ کتاب ہر دور میں اپنی غیر معمولی مقبولیت کے باعث بے نظیر مانی گئی ہے۔

پروفیسر نکلسن نے کشف المحجوب کا انگریزی میں ترجمہ کر کے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا

"یہ وہ کتاب ہے کہ جس سے پہلی مرتبہ برعظیم پاک و ہند اسلامی تصوف سے روشناس ہوا۔ بزرگان چشت ہندوستان میں جن دو کتابوں کو نصاب تعلیم و تربیت کے طور پر پڑھاتے تھے۔ وہ عوارف المعارف اور کشف المحجوب ہیں۔ ان میں تصوف کے مختلف سلاسل کا ذکر ہے۔۲۰۲

حضرت سید علی ہجویری کو معلومات دین اور خیالات تصوف اس قدر بلند پایہ ہیں کہ کہا جاتا ہے جب آپ نے لاہور میں اقامت اختیار کی تو محمود غزنوی کی طرف سے ظاہری حاکمان لاہور اور ملتان کو ہدایت کی گئی کہ وہ اہم معاملات سلطنت میں آپ کو ہدایت کے مطابق عمل پیرا ہوں۔۲۰۳

آپ مشرب کے لحاظ سے حضرت امام اعظمؒ کے طریق حنفیہ پر تھے۔اور تصوف میں آپ کا طریقہ جنیدیہ تھا۔۲۰۴

سلسلہ قادریہ:

یہ سلسلہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی طرف سے منسوب ہے۔ یہ راسخ العقیدہ صوفیاء کا سلسلہ ہے۔شرک و بدعت کے قلع قمع کے لئے اس سلسلے کے بزرگوں کی خدمات نا قابل فراموش ہیں۔ زمانہ وسطیٰ کے ہندوستان میں مرکزی حکومت میں جہاں سیاسی انتشار پھیلا ہوا تھا وہاں مذہبی استحکام بھی مفقود ہو رہا تھا۔لیکن بعد میں اصلاح حالت کے لئے ایک نئے صوفیانہ سلسلے سے بھی مدد ملی۔جس نے شمالی ہند بالخصوص پنجاب اور سندھ میں بڑا اقتدار حاصل کیا۔جسکا اثر آج بھی کسی دوسرے خانوارے سے کم نہیں۔ یہ سلسلہ حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ سے شروع ہوا۔ جو ۱۱۶۵ء میں بغداد میں فوت ہوئے اور جن کے نام پر یہ سلسلہ قادریہ کہلاتا ہے۔ اس وقت ہندوستان میں سہروردیہ اور چشتیہ سلسلوں کا زور کم ہو چکا تھا۔ان خانوادوں میں آپ بھی کئی پاک سیرت اور نیک نفس بزرگ پیدا ہو رہے تھے لیکن ان میں سلطان المشائخ جیسی شخصیتیں نہ تھیں۔اسکے علاوہ مغلیہ حکومت کے استحکام اور بالخصوص حرمین کے لئے بحری راستہ کھل جانے کی وجہ سے ملک میں اسلامی علوم اور فقہ کی اشاعت بڑھ گئی۔۲۰۵ اس لئے ایک ایسے صوفیانہ نظام کی تلاش تھی۔جسکی کوئی بات شرع کی نظروں میں مشتبہ نہ ہو۔بالاخر نقشبندیہ سلسلہ نے اس رجحان کو پورا کیا لیکن اسکے فروغ سے پہلے اس بارے میں قادریہ سلسلے کو دوسرے قدیم سلسلوں پر امتیاز حاصل تھا۔اس کی وجہ بڑے پرہیز گار علماء مثلاً شیخ علی متقی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس سلسلے میں بیعت کر کے اور اسے خواص و عوام میں بڑا فروغ حاصل ہوا۔۲۰۶

سب سے پہلے طریقہ قادریہ کے بزرگ کا نام ملتا ہے وہ دکن کے شاہ نعمت اللہ قادری (۱۴۳۰م) تھے لیکن ان سے سلسلہ بہت نہیں پھیلا اور صحیح طور پر جس بزرگ نے ہندوستان میں اس سلسلے کا آغاز کیا وہ حضرت محمد گیلانی قدس سرہ تھے۔ آپ حضرت غوث اعظم کی اولاد سے تھے۔ لیکن جب ہلاکو خان نے بغداد کو تباہ کیا تو آپ کے بزرگ حلب چلے گئے۔ آپ وہیں پیدا ہوئے۔ آپ کو ظاہری جاہ وجلال بھی حاصل تھا اور علوم معقولی ومنقولی بھی آپ نے پوری طرح حاصل کئے۔ یک عرصہ ایران خراسان اور دوسرے ملکوں کی سیر کی۔ پھر اپنے والد کی وفات کے بعد ہندوستان تشریف لائے اور مغربی پنجاب کے مشہور مقام اوچ میں قیام کیا۔ آپ شعر کہتے تھے اور قادری تخلص کرتے تھے۔ سلطان سکندر لودھی آپ کا بڑا معتقد تھا۔ ان کی شاعری کا تذکرہ شیخ عبدالحق محدث کے اخبار الاخیار میں کیا ہے۔ ۲۰۷

ان کی وفات کے بعد ان کی اولاد میں جو مقام شیخ عبدالقادر ثانی کو ملا وہ دوسروں کو حاصل نہیں ہوا۔ ان کے بھائی بادشاہ کے دربار میں تھے۔ انہوں نے جاگیر اور املاک کے تمام کاغذات بادشاہ کو بھجوا دیئے کہ وہ ان کے خواہش مند نہیں۔ آپ کو شیخ عبدالقادر ثانی اس لئے کہتے ہیں کہ آپ کے کمالات حضرت غوث اعظم کے تابع تھے ان کی وفات ۱۵۳۳ء میں ہوئی۔ اسکے بعد قادریہ سلسلہ کے کئی مشائخ وکبار گزرے ہیں۔ آپ کے پوتے سید حامد جو حامد گنج بخش کے نام سے مشہور ہیں اپنے زمانہ میں شیخ زمانہ سمجھے جاتے تھے۔ ان کے ایک صاحبزادے شیخ موسی پاک شہید تھے۔ جو ملتان میں پاک دروازہ میں مدفون ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے پہلے انہی سے قادریہ سلسلہ میں بیعت کی تھی۔

شیخ موسی پاک کے بارے میں بدایونی لکھتا ہے اگر شیخ موسی پاک اکبر کے دربار میں ہوتے اور نماز کا وقت آجاتا تو عین دیوان خانے میں خود باجماعت نماز شروع کر دیتے اور کوئی ان کو نہ روک سکتا تھا۔ ۲۰۸

شیخ حامد کے فرزندان گرامی کے علاوہ ان کے خلیفہ شیخ داود کرمانی جو ضلع اوکاڑہ کے قصبہ شیر گڑھ میں آرام فرما ہیں۔ روحانیت آپ نے حضرت غوث اعظم سے اویسی طریقے سے حاصل کی۔ ۲۰۹ آپکی شہرت بہت جلد پھیل گئی۔ ایک دفعہ اکبر بادشاہ جب وہ پنجاب میں تھا شہباز خان کو بھیج کر چاہا کہ شیخ اسکے پاس آئیں لیکن انہوں

نے عذر کیا اور کہلا بھیجا کہ میں یہاں غائبانہ دعا دیتا ہوں مجھ سے یہی کچھ ہو سکتا ہے۔ ۲۱۰

آپ کے جانشین شیخ ابوالمعالی قادری جو لاہور میں مدفون ہیں۔ آپ نے قادریہ سلسلے کا فیض لاہور اور وسطی پنجاب میں عام کیا اور ۱۶۱۵ء میں وفات پائی۔ ۲۱۱ قادریہ سلسلے کے بڑے بڑے جلیلی القدر صوفی لاہور میں اشاعت اسلام میں سرگرم رہے اس دور کے سلسلہ قادریہ کے اکابر بزرگوں میں حضرت میاں میر اور ان کے خلفاء شاہ حسین لاہوری اور شیخ ملو، حضرت شاہ بلاول قادری، شاہ محمد غوث، سید شاہ چراغ، شاہ عنایت قادری، حضرت بلھے شاہ، سید اسمعیل گیلانی، حضرت جان محمد حضوری، سید ابوتراب المعروف بہ شاہ گدا اور رضا شاہ قادری کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ ان بزرگوں نے لاہور میں سلسلہ قادریہ میں کو خوب پھیلایا۔ حتیٰ کہ اکثر مغل بادشاہ ان بزرگوں کے پاس خود چل کر آئے اور ان کی بزرگی کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔

حوالہ جات

۱۔ آقائے رازی، تصوف اسلام، ص،۱۳۔ بار سوم اعظم گڑھ 1943

۲۔ سید علی بن عثمان ہجویری، کشف المحجوب، ص،۲۶۰، مولانا ابوالحسنات قادری، فیروز سنز، انیسویں

۳۔ ابن بطوطہ، سفر نامہ ابن بطوطہ حصہ دوم، ص،۴۰۰، نفیس اکیڈمی طبع چہارم 1947

۴۔ Encyclopaedia Britannica. Vol. 8, p. 816.

۵۔ مصطفائی بیگم، تذکرہ خاصان خدا، ص،۵۔ الکتاب گنج بخش روڈ 1977

۶۔ امام ابوبکر بن اسحاق، تعرف، ص،۴۴

۷۔ امام ابوبکر بن ابواسحاق، تعرف، ص،۴۴

۸۔ مصطفائی بیگم، تذکرہ خاصان خدا، ص،۷

۹۔ سید علی عثمان ہجویری، کشف المحجوب، ص،۱۲۰

۱۰۔ مارٹن لنگو، تصوف کیا ہے؟ ص،۴۴

۱۱۔ حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص،۷۸

۱۲۔ انتظام اللہ شہابی، اسوۃ الصالحین وتذکرۃ الکاملین، ص ۲۶۵،۲۶۶

۱۳۔ عبدالماجد دریابادی، تصوف اسلام، بار سوم، ص،۴۸

۱۴۔ علامہ ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون۔ ص،۱۳

۱۵۔ امام قشیری، رسالہ قشیریہ، ص،۴، تصوف کی آٹھ بنیادی کتابوں میں رسالہ قشیریہ بھی ہے۔ مطبوعہ مصر 1959

۱۶۔ امام ازرقی، اخبار مکہ، ص۱۳، طبع 1858 Wustenfeld

۱۷۔ عبدالسلام ندوی، ماہنامہ معارف اعظم گڑھ بابت اپریل ۱۹۳۵ء۔

۱۸۔ ابونصر سراج، کتاب اللمع ترجمہ ڈاکٹر نکلسن مطبوعہ گب میموریل سیرز لندن 1947، ص۴۹۔

۱۹۔ ابوالحسن سید علی بن عثمان ہجویری، کشف المحجوب، ص۱۲۰

۲۰۔ Browne, E.G., Literary History of Persia. Vol.I, Page No. 192

پروفیسر براؤن لکھتے ہیں متقدمین نے تسلیم کیا ہے کہ سب سے پہلے ذوالنون مصری ولادت ۱۲۶ھ/ ۷۸۷ء جو حضرت امام مالک کے شاگرد تھے نے اصول تصوف بیان کیا پھر حضرت جنید بغدادی نے اسے ترقی اور اسے مدون و منضبط کیا۔

۲۱۔ شہزادہ عالم ناگپوری، رسالہ فی السماع والرقص، ص۲۹۵۔

۲۲۔ سید عبدالقادر جیلانی، فتوح الغیب، ص۲۳

۲۳۔ امام ازرقی، اخبار مکہ، ص۱۲

۲۴۔ علامہ اقبال، تاریخ تصوف، ص۴۲

۲۵۔ شہزادہ عالم ناگپوری، فوز المرام فی تصنیفات اولیائے کرام، دکن پریس، ص۴۹۔

۲۶۔ ابوالحسن سید علی بن عثمان ہجویری، کشف المحجوب، ص۳۶۰۔

۲۷۔ ایضاً

۲۸۔ شاہ ولی اللہ، ازالۃ الخفاء حصہ دوم، ص۳۵

۲۹۔ Prof. Arnold, T.W. Preaching of Islam. p.40

۳۰ Prof. Arnold T.W., Preaching of Islam. p.57.

۳۱۔ علامہ اقبال، تاریخ تصوف، ص۵۸۔۶۱

۳۲۔ ڈاکٹر اشرف بخاری، سید علی ہمدانی، ص۳۲

۳۳۔ محمد منظور نعمانی، مکتوبات امام ربانی (مقدمہ) ص۔۱
۳۴۔ ابوالحسن علی ہجویری، کشف المحجوب، ص،۳۶۷
۳۵۔ ابوالنصر سراج، کتاب اللمع فی التصوف ترجمہ ڈاکٹر نکلسن، ص،۶۔۷
۳۶۔ ابوالفرح السید محمد فاضل الدین قادری، بیان الاسرار/ دربار قادریہ فاضلیہ۔ص،۴۔
۳۷۔ شیخ فریدالدین عطار، تذکرہ الاولیاء، ص،۳۳۵۔
۳۸۔ ایضاً۔ص،۴۲۶
۳۹۔ عبدالصمد صارم، تاریخ تصوف، ص،۲۰۹۔
۴۰۔ شیخ فریدالدین عطار، تذکرہ الاولیاء، ص،۴۲۵۔
۴۱۔ مفتی غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، جلد دوم، ص۱۶۰
۴۲۔ ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری، کشف المحجوب، ص،۲۸۳
۴۳۔ ابونصر سراج، کتاب اللمع، ص۔۱۱۷۔
۴۴۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی، نفحات الانس، ص۴۱۹
۴۵۔ ایضاً، ص،۵۱۴
۴۶۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی، تاریخ تصوف، ص۳۲۵
۴۷۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی، تاریخ تصوف، ص۳۳۷

یہ حوالہ حاجی خلیفہ چلپی، کشف الظنون، ج ۱ ص،۴۱۹، ابونصر سراج کتاب اللمع ص،۵ میں درج ہے۔

۴۸۔ ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری، کشف المحجوب، ص۳۲۶
۴۹۔ ایضاً
۵۰۔ ابونصر سراج، ترجمہ کتاب اللمع، ص،۱۲
۵۱۔ ڈاکٹر پیر محمد حسن (مترجم)، مقدمہ رسالہ قشیریہ، ص،۳۹۔

۵۲۔ عبدالماجد دریابادی، تصوف اسلام، طبع سوم، ص ۵۳۔۵۴

۵۳۔ حاجی خلیفہ چلپی، کشف الظنون، ج ۲، ص ۱۴۹۴،

۵۴۔ ایضاً، رحمٰن علی، تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۵۱، خلیق احمد نظامی، تاریخ مشائخ چشت، ص ۹۶۔

۵۵۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان، ج ۳، ص ۳۵۳۔

۵۶۔ مولانا محمد احسن نانوتوی، دیباچہ (ترجمہ احیائے علوم دین)، ص ۱۷،

۵۷۔ George Henry Lociuis, History of Philosophy. 4th Edition. Vol 2, Page. 9

۵۸۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، ص ۱۲

۵۹۔ شیخ عبدالقادر جیلانی، فتوح الغیب، ص ۱۰

۶۰۔ ایضاً، ص ۱۱

۶۱۔ ڈاکٹر محمد عطااللہ، تحقیق الامم فی شرح فصوص الحکم۔ ص ۵،

۶۲۔ شیخ محی الدین ابن عربی، فتوحات مکیہ، دیباچہ، ص ۴،

۶۳۔ حضرت شاہ محمد غوث، شرح فصوص الحکم (قلمی)۔ ورق ۹،

۶۴۔ Encyclopaedia of Islam. Vol. 4, Page No. 431.

عبدالحئ حسنی، نزھۃ الخواطر، ج ۵، ص ۳۱۶

اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد دوم، ص ۱۲۶۔۱۳۰

اسماعیل پاشا، ھدیۃ العارفین، جلد ۵، ص ۱۵۶،

۶۵۔ خلیق احمد نظامی، حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۱۵۰،

بدایونی، منتخب التواریخ جلد سوم، ص ۴۴۸۔۴۴۹

شیخ محمد اکرام، رود کوثر، ص ۲۹۴۔۳۳۱

۶۶۔ مفتی غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، جلد دوم، ص ۳۵۱

٦٧۔ مولوی رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۸۱

محمد منظور نعمانی (مدیر) ماہنامہ الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر۔ص، ۴۰۳

مولانا محمد میاں، علمائے ہند کا شاندار ماضی، ص ۴۳

شیخ محمد اکرام، رود کوثر، ۴۸۷۔۵۷۷

مفتی غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، ج ا،ص ۶۸۹۔۶۹۰

٦٨۔ Brown, E.G. Islamic Culture. pp. 265

٦٩۔ شہاب الدین ابوحفص عمر سہروردی، عوارف المعارف، ص، ۹۶

۷۰۔ ایضاً، ص، ۹۶

۷۱۔ ابوالقاسم قشیری، رسالہ قیشریہ عربی، اردو ترجمہ پیر محمد حسن ڈاکٹر، ص، ۵۹

۷۲۔ سید قاسم محمود، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، ص۔۱۰۴۱، بک فاونڈیشن 1951

۷۳۔ سید عبدالقادر جیلانی، فتوح الغیب دیباچہ، ص، ۳، مرتبہ الکتاب، گنج بخش روڈ لاہور (س۔ن)

۷۴۔ پروفیسر محمد یوسف کوکن عمری، امام ابن تیمیہ، ص، ۲۷۷، مطبوعہ مدراس 1959

۷۵۔ نورالدین ابوالحسن، بہجۃ الاسرار۔ص۔۸۸۔سال تصنیف 1322ء مصر

۷۶۔ نورالدین ابوالحسن، بہجۃ الاسرار، ص، ۱۰۴۔

۷۷۔ شیخ عبدالخالق محدث، اخبار الاخیار، ص، ۱۰۔

۷۸۔ ایضاً۔ص، ۱۰۔

۷۹۔ ابوریحان البیرونی، کتاب ماللہند، ص، ۲۷۔

۸۰۔ شیخ محمد بن یحیی الحنبلی، قلائد الجوائر، ص ۱۲۔

۸۱۔ رئیس احمد جعفری، انوار اولیاء کامل۔ص، ۲۵۵۔

۸۲۔ علامہ غوثی، اذکار، ص۔۳

۸۳۔ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، ص،۴۰۔

۸۴۔ شیخ محمد بن یحیی الحنبلی، قلائد الجواہر، ص ۲۱۔

۸۵۔ سید قاسم محمود، اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص، ۱۰۴۱۔

۸۶۔ نورالدین ابوالحسن، بہجۃ الاسرار۔ ص، ۱۳۔

۸۷۔ سیدنا عبدالقادر جیلانی، فیوض یزدانی، ص،۵۔

۸۸۔ مجلہ خاتون پاکستان، غوث الاعظم نمبر ۱۹۶۷ء۔

۸۹۔ یاقوت الحموی، ارشاد الاریب، جلد۵، ص، ۲۷۴۔

۹۰۔ امام نورالدین الحسن، بہجۃ الاسرار، ص، ۱۱۳۔ ۱۱۷۔

۹۱۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور، اردو دائرہ معارف علوم اسلامیہ، جلد ۶، ص، ۱۱۔

۹۲۔ السہروردی، عوارف المعارف، جلد ۱، ص، ۲۱۷۔

۹۳۔ ابن بطوطہ، عجائب الاسفار، ج ۱، ص، ۶۱۔

۹۴۔ ترجمہ (Le Strange) نزہۃ القلوب۔ ص، ۴۲۔

۹۵۔ السہروردی، عوارف المعارف، ص، ۱۸۳۔

۹۶۔ داراشکوہ، سکینۃ الاولیاء۔ ص

۹۷۔ P. Kahle, Der Islam. Page No. 139.

۹۸۔ اردو دائرہ معارف علوم اسلامیہ، جلد ششم، ص، ۱۷۔

۹۹۔ مولانا عبدالماجد دریابادی، تصوف اسلام، (طبع سوم) ص ۱۰

۱۰۰۔ معین الدین دردائی، صوفیائے بہار اور اردو۔ ص ۲۱، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی 1976

۱۰۱۔ ابوالقاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ جلد اول، ص ۴۱، ۴۲

۱۰۲۔ شیخ محمد اکرم، آب کوثر۔ ص ۳۱۔ ۵۰

۱۰۳۔ غلام دستگیر نام، بزرگان لاہور، ص ۳

۱۰۴۔ Dr. Tara Chand Influence of Islam on Indian Culture. pp 52-53

۱۰۵۔ گستاؤلی بان، تمدن ہند (ترجمہ شمس العلماء سید علی بلگرامی) ص ۱۱۷

۱۰۶۔ گستاولی بان، تمدن ہند (ترجمہ شمس العلماء سید علی بلگرامی) ص ۱۲۰۔۱۲۱

۱۰۷۔ Dr. Tara Chand, Influence of Islam on Indian Culture. pp. 54-55

۱۰۸۔ اعجاز الحق قدوسی، تاریخ ہند، حصہ الول، باراول، جون ۱۹۷۱، ص ۶۰

۱۰۹۔ Eliot H.M. Sir. The History of India Vol.I.p.115

۱۱۰۔ علی بن احمد بن ابوبکر کوفی، چچ نامہ، ص ۴۲،

۱۱۱۔ میر علی فاتح ٹھٹھوی، تحفتہ الکرام، ص ۲۷

۱۱۲۔ Smith V.A. The Oxford History of India. pp 84-88

۱۱۳۔ قاضی اطہر مبارکپوری، ہندوستان عربوں کی نظر میں، ص ۱۰۷

۱۱۴۔ میر شیر علی فاتح ٹھٹھوی، تحفتہ الکرام۔ ص ۲۷

۱۱۵۔ علی بن احمد ابوبکر کوفی، چچ نامہ، ص ۳۴۶۔۳۴۷

۱۱۶۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق۔ ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق، ص ۹۶۔۹۷

۱۱۷۔ ابن خردازتبیہ (المتوفی ۹۱۲ھ) المسالک والسالک، ص ۱۱

۱۱۸۔ ڈاکٹر روبینہ ترین، ملتان کی تہذیبی زندگی میں اولیائے کرام کا حصہ، ص ۵۲۔۵۳

۱۱۹۔ قاضی اطہر مبارکپوری، ہندوستان عربوں کی نظر میں۔ ص ۳۶۸۔۳۷۸

۱۲۰۔ ابوریحان البیرونی۔ کتاب تحقیق ماللہند۔ ص ۱۰۱

۱۲۱۔ ایضاً۔ ص ۱۲۲

۱۲۲۔ ابوالقاسم فرشتہ۔ تاریخ فرشتہ (ترجمہ) جلداول۔ ص ۳۰۔۳۱

۱۲۳۔ ڈاکٹر گستاوولی بان، تمدن ہند۔ص ۴۴۰۔۴۴۱

۱۲۴۔ ڈاکٹر گستاوولی بان، تمدن ہند۔ص ۴۴۰۔۴۴۱

۱۲۵۔ ڈاکٹر گستاولی بان، تمدن ہند۔ص ۴۴۰۔۴۴۱

۱۲۶۔ Dr. Tara Chand, Influence of Islam on Indian Culture. pp. 147

۱۲۷۔ پروفیسر محمد اسلم، تصوف کا ارتقاء، مقالہ مشولہ مجلّہ "گلافتاب"

۱۲۸۔ سید ابوالحسن علی الندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر۔ص ۳۲۲

۱۲۹۔ اسماعیل پاشا بغداری۔ ہدیۃ العارفین۔ ص ۵۲

۱۳۰۔ ایضاً۔قاضی اطہر مبارک پوری۔ہندوستان کا شاندار ماضی۔ ص ۴۰۳

۱۳۱۔ غلام دستگیر نام۔بزرگان لاہور۔ ص ۳

۱۳۲۔ ضیاءالدین برنی، تاریخ فرشتہ (اردو) جلد اول،ص ۳۰۔۳۳

۱۳۳۔ ضیاءالدین برنی، تاریخ فرشتہ (اردو) جلد اول،ص ۳۰۔۳۳

۱۳۴۔ مولوی ذکاءاللہ، تاریخ ہندوستان، جلد ۹،ص ۳۰

۱۳۵۔ خلیق احمد نظامی۔ تاریخ مشائخ چشت، ص ۷۲۔۷۹

۱۳۶۔ محمد غوث گوالیاری۔ جواہر خمسہ،ص ۷۹

۱۳۷۔ قاضی جاوید۔ برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء،ص ۱۶

۱۳۸۔ خلیق احمد نظامی، مشائخ چشت،ص،۹۶۔

۱۳۹۔ مولوی احمد علی چشتی،فقر عارفان۔ص،۲۴۔

۱۴۰۔ ڈاکٹر تاراچند،تمدن ہند پر اسلامی اثرات،ص،۴

۱۴۱۔ خلیق احمد نظامی،تاریخ مشائخ چشت،ص،۵۳۔۵۲

۱۴۲۔ رئیس احمد جعفری،انوار اولیاء کامل۔ص،۲۸۵

۱۴۳۔ قاضی اطہر مبارکپوری، عرب و ہند عہد رسالت میں۔ ص، ۲۴۸

۱۴۴۔ ڈاکٹر تارا چند، تمدن ہند پر اسلامی اثرات۔ ص، ۵۴

۱۴۵۔ محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ جلد اول، ص، ۲۱۷

۱۴۶۔ شیخ محمد اکرام، آب کوثر، ص، ۲۰۷

۱۴۷۔ صباح الدین عبدالرحمٰن، تذکرہ اولیائے کرام۔ ص، ۱۲۰

۱۴۸۔ قاضی اطہر مبارکپوری، ہندوستان کا شاندار ماضی۔ ص، ۵۴

۱۴۹۔ ڈاکٹر شارب ظہور الحسن، دلی کے بائیس خواجہ، ص، ۲۹

۱۵۰۔ محمد دین کلیم، اولیائے سہرود، ص، ۱۲۲

۱۵۱۔ محمد مبارک العلوی المعروف بہ میر خورد کرمانی، سیر الاولیاء، ص، ۱۴۳تا۱۴۴

۱۵۲۔ پروفیسر محمد اسلم، مقالہ دو قومی نظریہ اور تحریک پاکستان بشمولہ حریم ادب۔

۱۵۳۔ ندوۃ المصنفین، ملفوظات خواجگان چشت، ص، ۸۲

۱۵۴۔ انوار اصفیاء، ص، ۳۲۹، پیر غلام دستگیر نامی، بزرگان لاہور، ص، ۶۰

۱۵۵۔ شیخ جمالی، سیر العارفین، ص۔ ۳۶

۱۵۶۔ محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ جلد ۲ ص، ۱۰۳

۱۵۷۔ ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی، ص، ۱۰۳

خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، ص، ۲۴

۱۵۸۔ پروفیسر محمد حبیب، حضرت نظام الدین اولیاء کی حیات و تعلیمات، ص، ۳۰

۱۵۹۔ حسن علا سجزی، فوائد الفواد، ص، ۱۳۵

۱۶۰۔ شیخ محمد اکرام، رود کوثر، ص، ۶۳

۱۶۱۔ سید ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت، ص، ۵۹۔۶۰

۱۶۲۔ محمد دین کلیم، تذکرہ مشائخ قادریہ۔ص،۱۲۰

۱۶۳۔ سید اصغر علی گیلانی، شجرۃ الانوار۔ص،۲۲۔

۱۶۴۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، ص،۴۳۔

۱۶۵۔ مفتی، غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء۔ص،۱۹۱

۱۶۶۔ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار۔ص،۷۱

۱۶۷۔ ابوالحسن علی ہجویری، کشف المحجوب۔ص،۵۸

۱۶۸۔ نوراحمد فریدی، تذکرہ بہاوالدین زکریا ملتانی۔ص،۳۹

۱۶۹۔ بدایونی، منتخب التواریخ، جلد سوم، ص،۳۲۷

۱۷۰۔ داراشکوہ، سفینۃ الاولیاء، ص،۱۵۶

۱۷۱۔ مولوی رحمان علی، تذکرہ اولیائے ہند، ص،۱۲۳

۱۷۲۔ شیخ محمد اکرام، رودکوثر، ص،۲۰۴

۱۷۳۔ غلام دستگیر نامی، بزرگان لاہور، ص،۱۰۶

۱۷۴۔ ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی، ص،۵۲۲

۱۷۵۔ فرشتہ محمد قاسم، تاریخ فرشتہ، جلد اول، ص،۲۵۶

۱۷۶۔ ایضاً ص،۲۵۷

۱۷۷۔ فرحت ملتانی، اولیائے ملتان۔ص،۱۵۸

۱۷۸۔ مولانا علاوالدین حسین، الدر المنظوم، ص،۳۶۰

۱۷۹۔ عتیق فکری علامہ، نقش ملتان، جلد اول، ص،۳

۱۸۰۔ مسعود حسن شہاب، خط پاک اوچ، ص،۲۳۸

۱۸۱۔ نوراحمد فریدی، شاہ رکن عالم ملتانی، ص،۲۰۶

۱۸۲۔ ایضاً

۱۸۳۔ پروفیسر محمد اسلم، تصوف کا ارتقاء، بشمولہ شمارہ گلافتاب، ۱۹۹۰۔۹۱

۱۸۴۔ شیخ محمد اکرام، رود کوثر، ص، ص، ۴۵

۱۸۵۔ غلام دستگیر نام، بزرگان لاہور، ص، ۶۳

۱۸۶۔ قاضی جاوید، پنجاب کے صوفی دانشور، ص، ۶۴

نور احمد چشتی، تحقیقات چشتی، ص، ۱۰۳

۱۸۷۔ اکبر دی گریٹ مغل مصنف وی اے سمتھ۔ ص، ۶۳

اکبر کی تین بیٹیاں تھیں۔ شکر النساء بیگم آرام بیگم اور سلطان بیگم

۱۸۸۔ محمد دین کلیم، تذکرہ بابا شاہ جمال۔ ص، ۵۳

۱۸۹۔ مرزا محمد اختر دہلوی، تذکرہ اولیائے برصغیر۔ ص، ۵۸۶

۱۹۰۔ شیخ محمد اکرام، رود کوثر، ص، ۶۶۵

۱۹۱۔ ڈاکٹر عبدالحق، اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا حصہ، ص، ۱۰

۱۹۲۔ شاہ ولی اللہ، انفاس العارفین، ص، ۴۲

۱۹۳۔ شیخ محمد اکرام، رود کوثر، ص ۶۵۸

۱۹۴۔ بشیر حسین ناظم، اولیائے ملتان، ص، ۷۰

۱۹۵۔ غلام دستگیر نامی، بزرگان لاہور۔ ص، ۱۰۷

۱۹۶۔ خلیق احمد نظامی، تاریخ مشائخ چشت، ص، ۱۴۵

۱۹۷۔ بدایونی، منتخب التواریخ، جلد سوم، ص، ۲۰۳

۱۹۸۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، ص، ۳۷۳

۱۹۹۔ دارا شکوہ، سفینۃ الاولیاء، ص ۱۶۴

۲۰۰۔ ابوالحسن علی ہجویری، کشف المحجوب ،ص،۳

۲۰۱۔ محمد بن عبدالواہاب قزوینی، مقدمہ تذکرہ الاولیاء،ص،۸

۲۰۲۔ ابوالحسن علی ہجویری، کشف المحجوب،ص،۱۳

۲۰۳۔ ایضاً،ص،۶۲

۲۰۴۔ سیداشرف، جہانگیر سمنائی لطائف اشرفی،جلداول،ص،۱۶۲

۲۰۵۔ قاضی اطہر مبارکپوری، ہندوستان کا شاندار ماضی ۔ص،۱۷۹

۲۰۶۔ مفتی،غلام سرور لاہوری، خزینہ الاصفیاء،جلد دوم،ص،۲۳۴

۲۰۷۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار،ص،۱۸۹

۲۰۸۔ بدایونی، منتخب التواریخ،جلد سوم،ص،۳۰

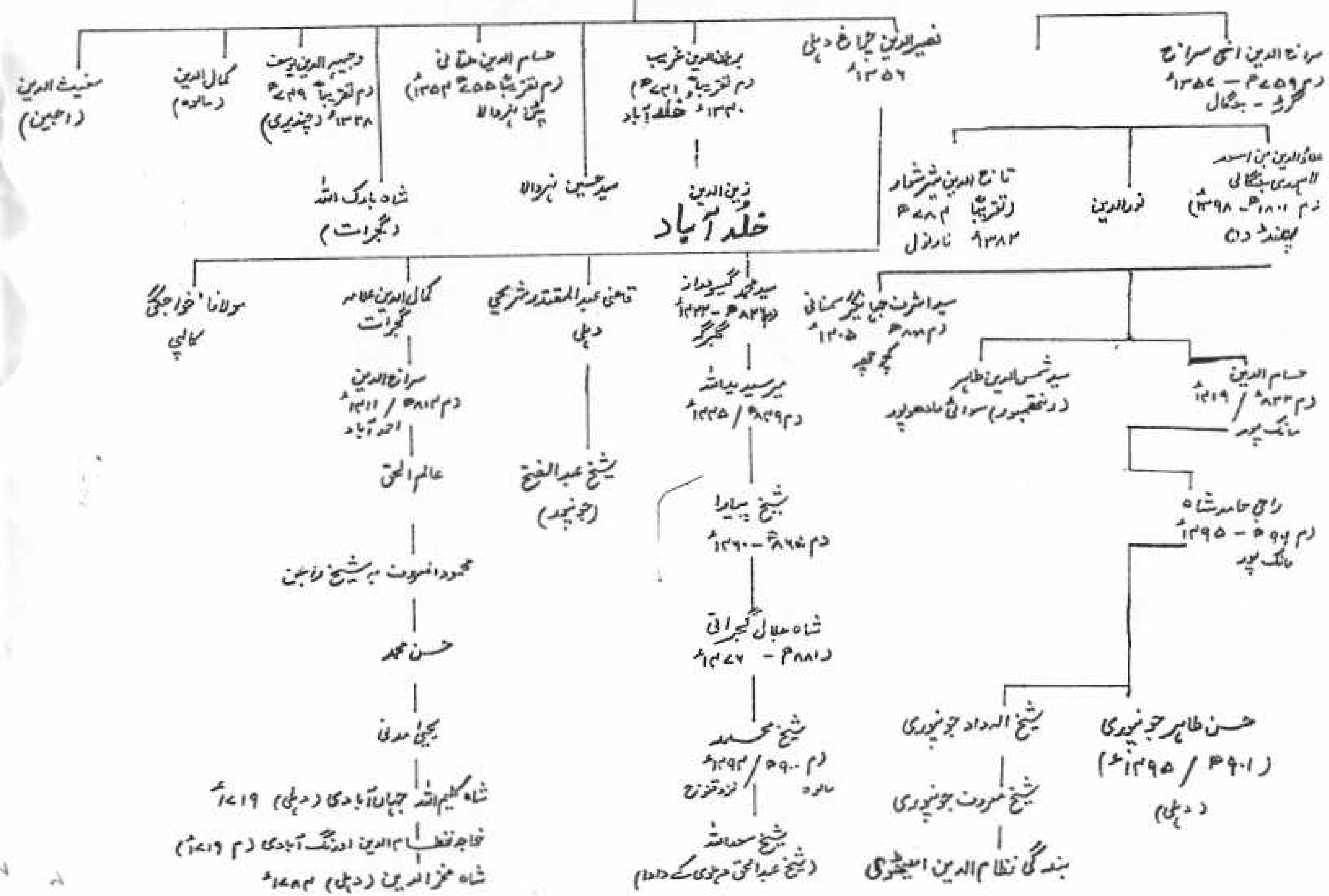
۲۰۹۔ نسیم عباسی، کتابچہ داؤد کرمانی شیر گڑھی، (محکمہ اوقاف)ص،۷

۲۱۰۔ بدایونی، منتخب التواریخ،جلد سوم،ص،۳۶

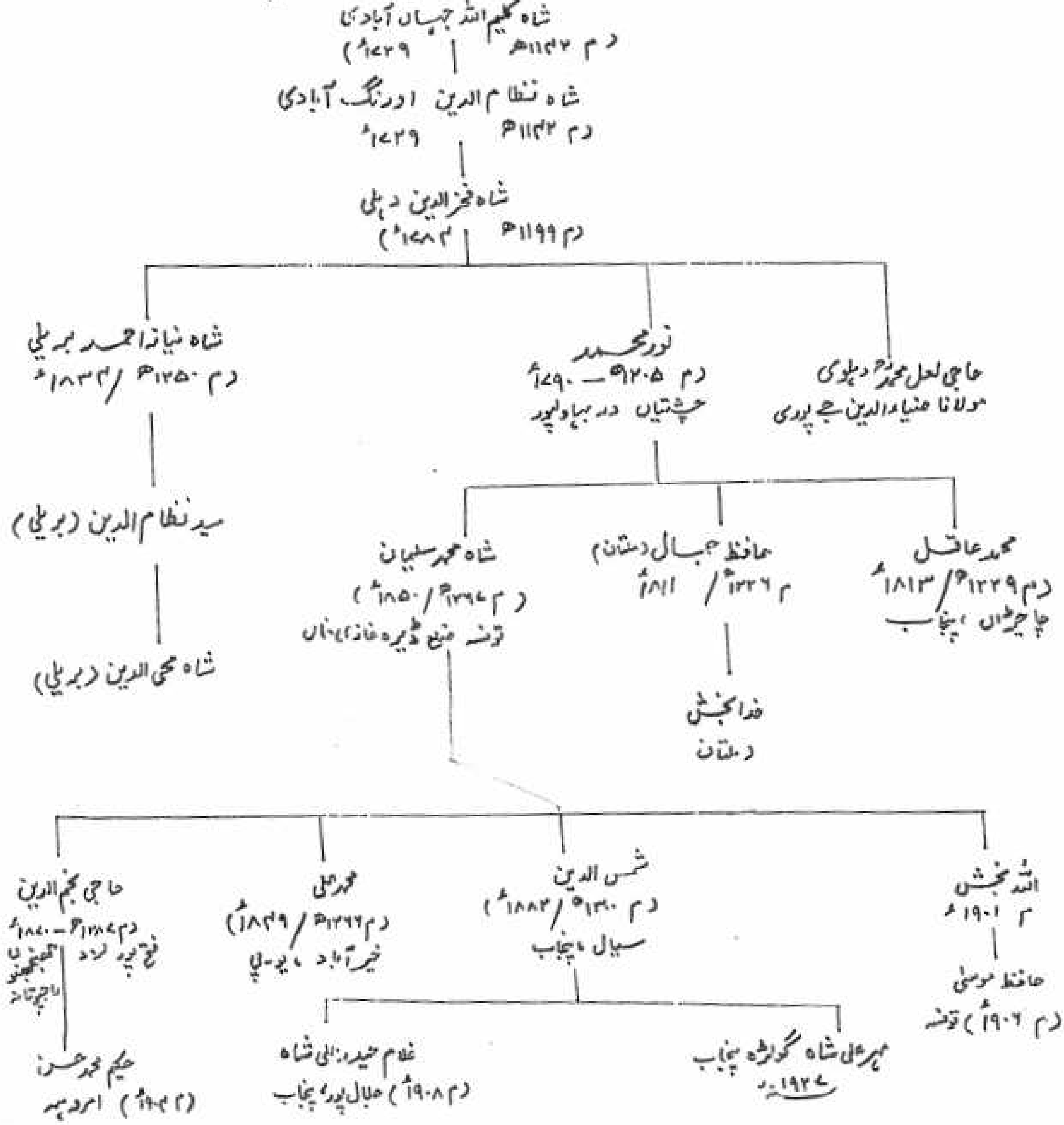
۲۱۱۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانشگاہ پنجاب لاہور، جلد نمبر ۷،ص،۱۳

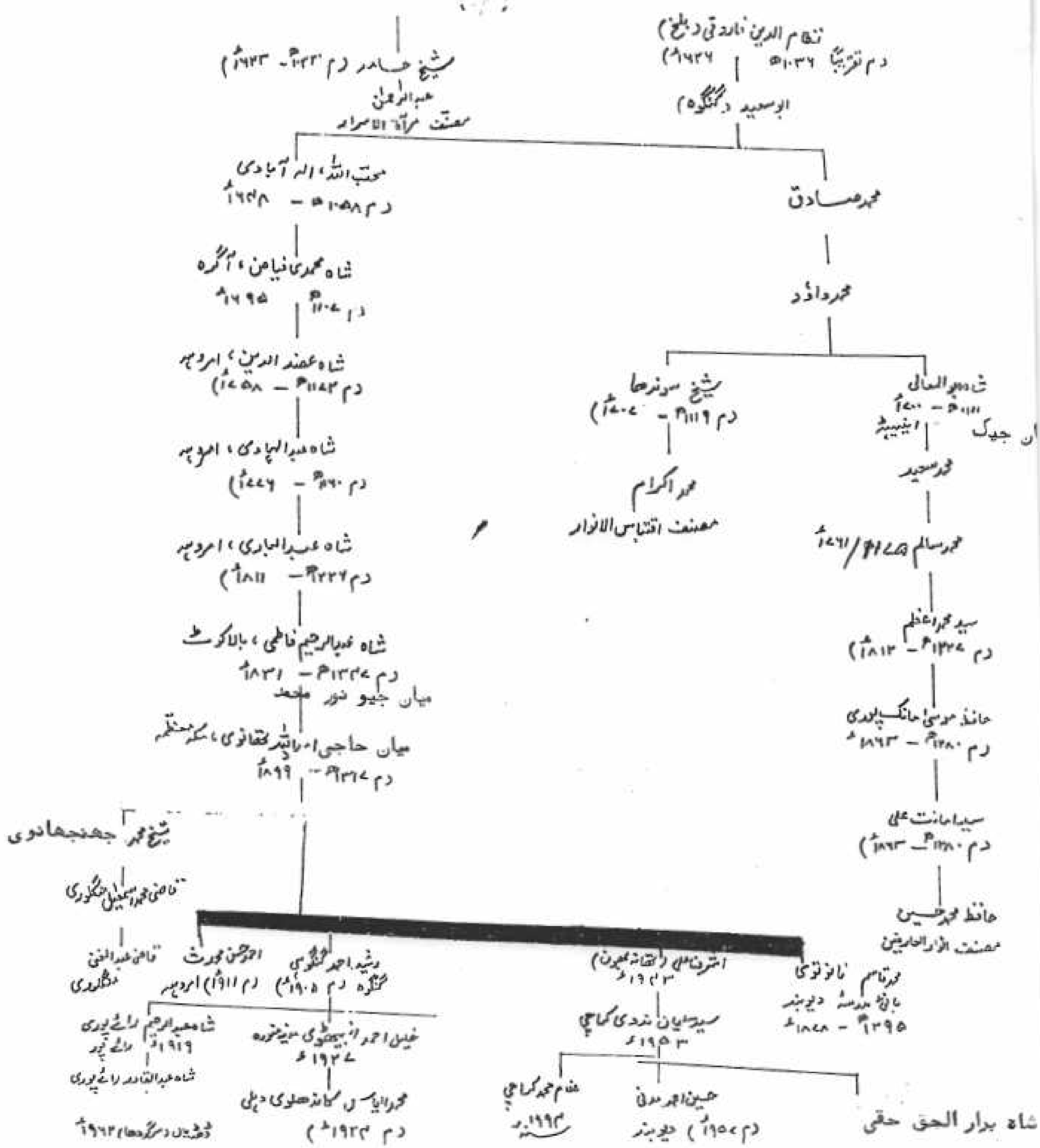
صوبائی خانقاہوں کا دور

صوبائی خانقاہوں کا دور



سلسلۂ نظامیہ کا احیا





مولانا عبد العزیز
رائے پوری

سید انور حسین
نفیس رقم

مشائخ عظام کا عہد

- معین الدین حسن اجمیر (م ۱۲۳۶ء)
  - قطب الدین بختیار، دہلی (م ۶۳۳ھ - ۱۲۳۵ء)
    - فرید الدین گنج شکر، پاک پٹن (م ۶۶۴ھ - ۱۲۶۶ء)
      - نظام الدین اولیاء دہلی (م ۷۲۶ھ - ۱۳۲۵ء)
        - نصیر الدین چراغ، دہلی (م ۷۵۷ھ - ۱۳۵۶ء)
        - مولانا مؤید الدین (م تقریباً ۷۲۶ھ - ۱۳۲۵ء)
        - شمس الدین یحییٰ (م تقریباً ۷۴۷ھ - ۱۳۴۶ء)
        - قاضی محی الدین کاشانی (م تقریباً ۷۱۹ھ - ۱۳۱۹ء)
        - علاؤ الدین نیلی
        - فخر الدین زرادی
        - شہاب الدین امام
          - رکن الدین
      - جمال الدین، ہانسی (م قبل از ۶۶۴ھ - ۱۲۶۶ء)
      - نجیب الدین متوکل، دہلی (م ۶۷۰ھ - ۱۲۷۱ء)
      - علاؤ الدین علی بن احمد صابر کلیر
  - حمید الدین صوفی دہلی (م ۶۷۲ھ - ۱۲۷۴ء)
    - بدر الدین غزنوی، دہلی
      - امام الدین ابدال
        - شہاب الدین عاشق دہلی

مشائخ و خلفاء عظام

- سید حامد شاہ گیلانی
  - سید داؤد شاہ کرمانی شیر گڑھی
    م ۹۹۲ھ
    شیر گڑھ ۔ پنجاب
    - شاہ ابو المعالی لاہوری
      م ۱۰۲۴ ۱۶۱۲ء
      لاہور
    - شاہ ابو اسحاق قادری
      م ۱۵۸۸ء (فرنگ)
      - شیخ شمس الدین صوفی قادری
        م ۱۶۱۴ء
        - شاہ بلاول قادری
          م ۱۰۴۶ ۱۶۳۷ء لاہور
        - حضرت میاں میرؒ
          و ۱۵۳۲ء م ۱۶۳۵ء
          - شیخ ابو الخیر قادری
            م ۱۶۳۱
            - شاہ ابو المعالی دہلوی
              م ۱۰۸۰
          - ملا شاہ بدخشی
            م ۱۶۷۲
          - خواجہ بہاری
            م ۱۶۳۱ء
          - حضرت شیخ ابو المکارم قادری
            م ۱۶۳۰ء دعہد شاہجہانی
        - شاہ محمد خضر ابدال
          م ۱۲۳۹ھ ۱۸۲۳ء

جدولیہ

مشائخِ عظام و صُوفیائے کرام سلسلہ عالیہ قادریہ

و

ہمعصر مُغلیہ حُکمران

"برِّعظیم پاک و ہند میں تبلیغِ اسلام کا فریضہ جن صُوفیائے کرام نے انجام دیا اُن کو تاریخی ادوار میں ان کے ہمعصر مُغلیہ بادشاہوں کے ساتھ ترتیب وار پیش کیا گیا ہے۔ اِس سے ظاھر ہوتا ہے کہ ہندوستان کی سرزمین میں شمال سے لیکر مغربی سرحد تک قریہ قریہ سلسلہ قادریہ کے اِن صوفیائے کرام نے نہ صرف لوگوں کو دولتِ ایمان سے مشرف فرمایا بلکہ مسلمان حکمرانوں کے کردار اور گفتار کا بھی محاسبہ کیا۔"

جدولیہ بزرگانِ قادریہ

نمبر شمار	اسمائے اولیاء	تاریخ پیدائش / تاریخ وصال	جائے پیدائش / سکونت	حلقۂ ارادت	ہم عصر بادشاہ	ماخذ
۱	حضرت شاہ کمال قادری کیتھلی ز سکندر کیتھلی	۸۹۵ھ / ۹۸۱ھ / ۱۵۱۲ ۱۴۸۹ء / ۱۵۷۳ء	بغداد / کیتھل	–	سکندر لودھی تا اکبر	تذکرہ مشائخ قادریہ ص ۱۳۱
۲	حضرت شیخ محمود حاجی حمید	۸۳۵ھ / ۹۳۰ھ ۱۴۳۰ء / ۱۵۲۳ء	۔/ بہار پسادن	برعظیم پاک وہند کا شمالی وسطی علاقہ	لودھی خاندان بہلول لودھی بابر، سید خاندان	اذکار ابرار ص ۲۲۰
۳	حضرت سید عبدالاول	–	حیدرآباد / دکن	وسطی ہند	لودھی خاندان، بابر، ہمایوں	اذکار وابرار ص 275
۴	حضرت ابو اسحاق قادری	- / ۹۸۵ھ - / ۱۵۷۷ء	اوچ / لاہور	پنجاب	بابر، ہمایوں، اکبر	بزرگانِ لاہور، ص - ۷
۵	حضرت حاجی ابراہیم محدث قادری	- ۱۰۰۱ھ ۱۵۹۲ء	مانکسپور / اوچ	آگرہ / لاہور	بابر تا اکبر	بزرگانِ لاہور ص - ۷
۶	حضرت اخوند درویزہ ننگرہاری	۹۵۶ھ / ۱۰۳۸ھ ۱۵۴۹ء / ۱۶۳۱ء	افغانستان مہمند	افغانستان بنگال بہار	اکبر، جہانگیر شاہ جہان	تذکرہ علماء مشائخ سرحد جلد اول، ص ۲۵
۷	حضرت سید اسماعیل شامی	۹۹۲ھ / - ۱۵۸۴ء / -	شام کشمیر	کشمیر شمالی ہند	بابر، ہمایوں، اکبر	تاریخ کشمیر اعظمی ص - ۱۰۶
۸	حضرت شیخ جلال محمد قادری، دہلوی	- / ۹۲۸ھ - / ۱۵۲۱ء	دہلی / برہانپور	شمالی وسطی ہند	لودھی خاندان بہلول لودھی سکندر لودھی ابراہیم لودھی	اذکار وابرار ترجمہ اردو گلزار ابرار ص ۲۲۶

نمبر شمار	اسماء اولیاء	تاریخ پیدائش/وصال	تاریخ جائے پیدائش/سکونت	حلقہ ارادت	ہمعصر بادشاہ	ماخذ
۹	سلطان العارفین شیخ حمزہ مخدوم صاحب قادری	- / ۹۸۴ھ - / ۱۵۷۵ء	کامراج پرگنہ	کشمیر و شمالی ہند	بابر، ہمایوں، اکبر	تاریخ کشمیر اعظمی ص ۱۰۴
۱۰	شیخ خضر قادری	- / ۹۹۴ھ - / ۱۵۰۵ء	سیوستان	سندھ - پنجاب	بابر، اکبر	صوفیاء سندھ ص - ۹۶
۱۱	حضرت شیخ جمال بہتری	۹۰۲ھ / ۱۰۰۸ھ ۱۴۹۴ء / ۱۶۰۱ء	بہتری داخدگی / دکن	ہندوستان	سکندر لودھی ابراہیم لودھی بابر - اکبر	اذکار وابرار ترجمہ اردو گلزار ابرار ص ۲۳
۱۲	حضرت شیخ راجی محمد عیسیٰ	- / ۹۸۲ھ - / ۱۵۷۴ء	اُجین	وسطی جنوبی ہند	لودھی خاندان بابر، ہمایوں، سوری اکبر	اذکار وابرار ص - ۳۱۸
۱۳	حضرت شیخ حمزہ بن سدا قریشی	- / ۱۰۰۵ھ - / ۱۵۶۶ء	دبال پور	ہندوستان	بابر، اکبر	اذکار ابرار ص ۴۲۰
۱۴	حضرت شیخ شمس الدین شیرازی	- / ۹۹۰ھ - / ۱۵۸۱ء	شیراز بیجاپور / دکن	ہندوستان	بابر، ہمایوں اکبر	اذکار وابرار ص ۲۸۴
۱۵	شاہ خیر الدین محمد مشہور بہ شاہ ابوالمعالی قادری	۹۶۰ھ / ۱۵۵۲ء / 1615ء	شاہ پور / / لاہور	شمالی ہند	ہمایوں، اکبر، جہانگیر	رود کوثر ص - ۳۷۹ بزرگان لاہور ص - ۲۲
۱۶	حضرت شیخ داؤد کرمانی	- ۱۵۷۴ء	-/ شیر گڑھ	پنجاب	بابر تا اکبر	رود کوثر ص - ۷۰

نمبر شمار	اسمائے اولیاء	تاریخ پیدائش / تاریخ وصال	جائے پیدائش / سکونت	حلقہ ارادت	ہمعصر بادشاہ	ماخذ
۱۷	شیخ صدر الدین ذاکر	۹۲۷ھ / ۹۸۹ھ ۱۵۲۰ء / ۱۵۸۰ء	چاپانیر بڑودہ	ہندوستان	ابراہیم لودھی بابر تا اکبر	اذکار و ابرار ص - ۳۴۹
۱۸	حضرت شیخ بابا داؤد خاکی قادری	- / ۹۹۴ھ - / ۱۵۸۵ء	-	کشمیر و شمالی ہند	بابر تا اکبر	تاریخ کشمیر اعظمی ص - ۱۰۸
۱۹	حضرت شیخ طاہر بن یوسف	- / ۱۰۰۴ھ - / ۱۵۹۵ء	برہان پور برار	ہندوستان	بابر تا اکبر	اذکار و ابرار ص - ۴۲۶
۲۰	حضرت مخدوم عبدالقادر ثانی بن حضرت مخدوم محمد گیلانی	- / - / ۱۵۳۳ء	لاہور	شمالی ہند	لودھی تا ہمایوں	رود کوثر ص - ۹
۲۱	حضرت سید غیاث الدین گیلانی	- / ۹۹۰ھ - / ۱۵۸۱ء	- / لاہور	کشمیر و شمالی وسطی ہند	بابر تا اکبر	خزینۃ الاصفیاء ص - ۳۲۰
۲۲	حضرت سید علی ترمذی بن سید قنبر علی شاہ المعروف بہ پیر بابا (قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ)	۹۰۸ھ / ۹۹۱ ۱۵۰۲ء / ۱۵۱۸ء	ترمذ / بنیر سرحد	افغانستان شمالی مغربی سرحدی قبائل	سکندر لودھی ابراہیم لودھی بابر، ہمایوں، سوری اکبر	تذکرہ علماء و مشائخ سرحد ص - ۱
۲۳	حضرت سید عطا محمد	- / ۹۸۶ھ / ۱۵۷۸ء	گجرات	شمالی و وسطی ہند	لودھی خاندان بابر، ہمایوں، سوری اکبر	اذکار ابرار ص ۵۰۴
۲۴	حضرت شیخ لشکر محمد عارف	۹۹۳ھ ۱۵۸۴ء	گجرات / برہانپور	ہندوستان	بابر تا اکبر	اذکار ابرار ص ۳۶۱

نمبر شمار	اسماء اولیاء	تاریخ پیدائش / تاریخ وصال	جائے پیدائش / سکونت	حلقہ ارادت	ہمعصر بادشاہ	ماخذ
۲۵	شاہ بری لطیف قادری	۹۶۴ھ ۱۵۵۶ء	جہلم / اسلام آباد	ہندوستان	بہلول لودھی تا ہمایوں	تذکرہ مشائخ قادریہ ص ۱۲۹
۲۶	حضرت شیخ محمد حسن جونپوری	۹۴۳ھ / ۱۵۳۷ء /	جونپور / آگرہ	ہندوستان	لودھی خاندان بابر، ہمایوں	تذکرہ علمائے ہند ص ۴۴۳
۲۷	حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری	۹۰۷ھ / ۹۷۰ھ ۱۵۰۰ء / ۱۵۶۱ء	غازی پور / گوالیار	دہلی اور شمالی ہند	بابر، ہمایوں، اکبر	شاہ محمد غوث گوالیاری ص - ۲
۲۸	حضرت سید محمود حضوری	۹۴۳ھ ۱۵۳۴ء /	ولایت غور	پنجاب	لودھی خاندان، بابر ہمایوں	بزرگان لاہور
۲۹	حضرت شیخ عیسیٰ بن قاسم	۹۶۲ھ / ۱۰۱۲ھ ۱۵۵۴ء / ۱۶۰۴ء	لاہور / ابرج برار	ہندوستان	ہمایوں اکبر	اذکار ابرار ص - ۵۰۸
۳۰	حضرت شیخ موسیٰ پاک شہید	۱۰۰۱ھ / ۱۵۹۲ء /	ملتان	ملتان	اکبر	سلسلہ قادریہ ص ۳۲
۳۱	حضرت سید میر میراں بن سید مبارک حقانی	۹۸۴ھ ۱۵۷۷ء	اوچ / لاہور	پنجاب	بابر، ہمایوں، اکبر	بزرگان لاہور ص - ۸
۳۲	حضرت شیخ نورالدین ضیاء اللہ	۱۰۰۶ھ ۱۵۹۷ء	گوالیار / لاہور	ہندوستان	بابر تا اکبر	اذکار ابرار ص ۴۲۱
۳۳	حضرت شیخ حبیب لاہوری	۹۴۵ھ /	چنیوٹ / لاہور	ہندوستان	اکبر	خزینۃ الاصفیا اذکار ابرار ص ۳۵

نمبر شمار	اسماء اولیاءؒ	تاریخ پیدائش / تاریخ وصال	جائے پیدائش / سکونت	حلقہ ارادت	ہمعصر بادشاہ	ماخذ
۳۴	حضرت حاجی ابراہیم محدث قادری	/ ۱۰۰۱ھ / ۱۵۹۲ء	مانک پور / آگرہ	ہندوستان	بابر تا اکبر	خزینۃ الاصفیاء ص ۴۲۳
۳۵	حضرت سید ابو تراب معروف بہ شاہ گدا	/ ۱۰۹۲ھ / ۱۶۸۰ء	شیراز / لاہور	ہندوستان	جہانگیر تا اورنگزیب	خزینۃ الاصفیاء ص ۳۴۱
۳۶	حضرت شاہ حسین بلاول قادری	/ ۱۰۶۴ھ ۱۶۳۶/۱۵۴۴ء	شیخوپورہ / لاہور	پنجاب	اکبر، جہانگیر، شاہجہان	بزرگانِ لاہور ص ۴۲
۳۷	حضرت سید جان محمد حضوری	/ ۱۰۶۴ھ / ۱۶۵۴ء	کوہستان نور / اوچ	پنجاب	اکبر تا شاہجہان	بزرگان لاہور ص ۱۶۱ حدیقۃ الاولیاء ص ۲۱
۳۸	حضرت سید شاہ جمال قادری	۱۶۳۹ء/بعد ۱۰۸۰	/ لاہور	پنجاب	ہمایوں تا شاہجہان	بزرگان لاہور ص ۱۴۲
۳۹	حضرت شیخ جنید بغدادی قادری	۱۰۶۹ھ/۱۱۹۲ھ ۱۶۵۸ء/۱۷۸۱ء	حیدرآباد / پشاور	صوبہ سرحد افغانستان	اورنگزیب تا عالم ثانی	تذکرہ علماء و مشائخ سرحد ج-۱ ص ۲۸۵
۴۰	حضرت حاجی محمد عرف بابائے قادری	/ ۱۰۶۶ھ / ۱۶۵۵ء	-	کشمیر / شمالی ہند	اکبر، جہانگیر، شاہجہان	تاریخ کشمیر اعظمی ص ۱۴۳
۴۱	حضرت خواجہ حبیب اللہ قادری	/ ۱۰۸۲ھ / ۱۶۲۲ء	-	کشمیر / شمالی ہند	جہانگیر تا اورنگ زیب	تاریخ کشمیر اعظمی ص ۱۶۹
۴۲	حضرت ابو البرکات سید حسن شاہ صاحب قادری	۱۰۲۳ھ/۱۱۱۵ھ ۱۶۱۲ء/۱۷۰۳ء	ٹھٹھہ / پشاور	پشاور / کشمیر پنجاب / قبائلی علاقہ	جہانگیر، شاہجہان اورنگ زیب	تذکرہ علماء و مشائخ سرحد ج-۱ ص ۴۹

نمبر شمار	اسماء اولیاء	تاریخ پیدائش / تاریخ وصال	جائے پیدائش / سکونت	حلقہ ارادت	ہم عصر بادشاہ	ماخذ
۴۳	حضرت شاہ محمد المعروف ملا شاہ قادری	/ ۱۰۷۲ھ / ۱۶۶۱ء	بدخشاں / کشمیر	کشمیر / پنجاب	اکبر تا شاہ جہان	رود کوثر، ص ۴۲۹ خفتگان خاک لاہور
۴۴	حضرت شاہ دولہ صاحب	/ ۱۰۸۳ھ / ۱۶۷۲ء	گجرات	پنجاب	اکبر تا اورنگ زیب	بزرگان لاہور ص ۳۸ سلسلہ قادریہ ص ۳۲
۴۵	حضرت محب علی سید محمد حیدری السندی ابن ...	982ھ / 1575ء /	سندھ / برہان پور	وسطی اور جنوبی ہند	شاہ جہان تا دارا شکوہ، اورنگ زیب	برہان پور کے سندھی اذکار و ابرار اولیاء ص ۲۷۵
۴۶	حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۹۸۵ھ / ۱۰۵۲ھ ۱۵۵۱ء / ۱۶۴۲ء	دہلی / دہلی	برصغیر ہند و پاک	ہمایوں تا شاہ جہان	تذکرہ علمائے ہند ص ۲۷۶
۴۷	حضرت مخدوم عبدالرحمن شہید	/ ۱۱۲۵ھ / ۱۷۴۲ء	- / کھوڑا	صوبہ سندھ	اورنگ زیب	صوفیائے سندھ ص ۱۶۵
۴۸	حضرت شیخ عبدالرحیم قادری	/ ۱۱۱۵ھ / ۱۷۰۳ء		کشمیر و شمالی ہند	اورنگ زیب	تاریخ کشمیر اعظمی، ص ۲۰۱
۴۹	حضرت سید عبدالرزاق المعروف بہ شاہ چراغ	/ ۱۰۶۸ھ / ۱۶۵۷ء	/ لاہور	پنجاب	اکبر، جہانگیر، شاہ جہان	بزرگان لاہور، ص ۵۹
۵۰	حضرت ابی الفرج شاہ محمد فاضل الدین قادری	/ ۱۱۱۶ھ / ۱۷۰۵ء	/ بٹالہ	کشمیر و شمالی ہند	جہانگیر تا اورنگ زیب	تاریخ کشمیر اعظمی ص ۲۰۱
۵۱	حضرت شیخ عبداللہ مجذوب قادری	/ ۱۰۱۵ھ / ۱۶۰۶ء	بغداد / دسوہ	ہندوستان	بابر، ہمایوں، اکبر جہانگیر	اذکار و ابرار ص ۵۶۶
۵۲	حضرت سید عطا محمد	/ ۹۸۶ھ / ۱۵۷۸ء	- / احمد آباد گجرات	شمالی و وسطی ہند	بابر تا اکبر	اذکار و ابرار ص ۵۰۴
۵۳	حضرت شاہ قاسم حقانی	/ ۱۰۳۳ھ / ۱۶۲۳ء	- / کشمیر	کشمیر اور شمالی و وسطی ہند	اکبر تا جہانگیر	خزینۃ الاصفیاء ص ۳۳۲

نمبر شمار	اسماء اولیاء	تاریخ پیدائش / تاریخ وصال	جائے پیدائش / سکونت	حلقہ ارادت	ہم عصر بادشاہ	ماخذ
۵۴	حضرت میر محمد علی قادری	/۱۰۷۲ھ /۱۶۶۱ء		کشمیر و شمالی ہند	اکبر تا اورنگ زیب	تاریخ کشمیر اعظمی ص ۱۶۳
۵۵	حضرت سید شاہ محمد غوث گوالیاری	۹۰۷ھ / ۹۷۰ھ ۱۵۰۰ء / ۱۵۶۱ء	غازی پور / گوالیار	وسطی و شمالی ہند	بابر تا اکبر	شاہ محمد غوث گوالیاری
۵۶	حضرت شاہ محمد غوث لاہوری	۱۰۸۲ھ / ۱۱۵۲ھ ۱۶۷۳ء / ۱۷۳۹ء	/ لاہور	سرحد پنجاب قبائلی علاقہ جات	اورنگ زیب	تذکرہ علماء و مشائخ سرحد ج ۱ ص ۴۲
۵۷	حضرت شیخ محمد مراد قادری	۱۰۵۴ھ / ۱۱۳۱ھ ۱۶۴۵ء / ۱۷۱۸ء	-/-	کشمیر و شمالی ہند	شاہ جہان / اورنگ زیب	تاریخ کشمیر اعظمی ص ۱ / ۲۲۲
۵۸	حضرت شیخ محمد میر المعروف بہ میاں میر قادری	۹۵۷ھ / 1045ھ ۱۵۴۹ء / ۱۶۳۵ء	سیوستان / لاہور	سندھ اور پنجاب	جہانگیر شاہ جہان	خزینۃ الاصفیا ص 241 بزرگان لاہور ص ۱۸
۵۹	حضرت میر نازک قادری نقشبندی	/۱۰۲۲ھ /۱۶۱۲ء	اوچ / لاہور	پنجاب	بابر، ہمایوں، اکبر	تاریخ کشمیر اعظمی ص ۱۲۶
۶۰	حضرت شیخ ناظر قدس سرہٗ	/۱۰۵۷ھ ۱۶۴۶ء	اکبرآباد / اکبرآباد	ہندوستان	اکبر، جہانگیر، شاہ جہان	خزینۃ الاصفیاء ص ۳۴۴
۶۱	حضرت ابوالفقراء بابا نصیب قادری	/۱۰۴۷ھ /۱۶۳۷ء	کشمیر /	شمالی ہند	اکبر، جہانگیر، شاہ جہان	تاریخ کشمیر اعظمی ص ۱۴۲
۶۲	حضرت شیخ نورالدین ضیاء اللہ	/۱۰۰۶ھ /۱۵۹۷ء	گوالیار / لاہور	ہندوستان	بابر تا اکبر	اذکار ابرار ص ۱۴۱
۶۳	حضرت حاجی محمد نوشہ گنج بخش قادری	۹۵۹ھ / ۱۰۶۴ھ ۱۵۵۱ء / ۱۶۵۷ء	ساہن پال / گجرات	وسطی پنجاب	ہمایوں تا شاہ جہان	سلسلہ قادریہ ص ۳۲ خفتگان خاک لاہور ص ۹۳

نمبر شمار	اسماء اولیاء	تاریخ پیدائش / تاریخ وصال	جائے پیدائش / سکونت	حلقہ ارادت	ہم عصر بادشاہ	ماخذ
۶۴	حضرت شیخ وجیہ الدین احمد گجراتی	- / ۹۹۷ھ / ۱۵۸۸ء	احمد آباد / گجرات	ہندوستان	بابر تا اکبر	اذکار ابرار ص ۳۵ ملفوظات شیخ وجیہ الدین گجراتی
۶۵	حضرت میر یوسف قادری	۱۰۲۶ھ / ۱۶۱۷ء /	- / -	شمالی ہند	ہمایوں، اکبر شاہ جہان	خزینۃ الاصفیاء

باب دوم

مغلیہ حکمران اور قادری بزرگ

بابر سے لیکر اکبر تک

کیتھل کے قادری بزرگ، حضرت موسیٰ پاک شہید

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی

باب دوم

مغل حکمران اور قادری بزرگ

مقام سلطنت درویش دارد

زھد سلطان فراغت بیش دارد

ہر آن ملکے کہ واپس می گزارد

دوصد ملکے در گرد ربیش دارد

ارباب تصوف سے ہی فیوض کے دروازے کھلے اور برکات کی فیاضیان جاری ہیں حضورؐ کی نبوت کے انوار انہی حضرات کی بدولت نمایاں ہیں دنیاوالوں کے مسائل کا حل وعقدا نہی سالکان، عارفان اور کاملان ولایت کے تصرفات سے حل ہوتے ہیں۔ یہ غواصان بحر توحید، سیاحان وادی تقرید، مشتاقان وصال بھی ہیں اور مجوران جمال بھی۔ بعض حریم خلوت کے جلوس ہیں اور بعض بحر الحقائق کے کنز الدقائق۔ بعض حضرات محلات میں رہ کر بھی تصرفات سے کام لیتے ہیں بعض فقر کے لباس میں مخلوقات کی رہنمائی میں مصروف رہتے ہیں۔ یہ حضرات ارباب تصوف بھی ہیں اور ارباب تحقیق بھی ان میں اکثر نے اپنی تالیفات سے لوگوں کی رہنمائی فرمائی ہے۔ فتوحات مکیہ، کشف المحجوب، عوارف المعارف، صواعق حقائق، فصل الخطاب، عروہ الوثقی، بحر المعانی، لطائف اشرفی، نفحات الانس، مراۃ الاسرار جیسی گران مایہ کتابین اسرار الہیہ کی ترجمانی کرتی ھیں۔ ان تحریروں کے علاوہ بہت سے حضرات نے اپنی تعلیمات کو عام کرنیکے لئے اھم کام کئے ھیں۔

صوفیا اور بزرگوں کا ورود سرزمین پاک وھند پر:

زمانہ وسطی کے ھند میں مرکزی حکومت کی کمزوری کا آخری زمانہ مذہبی انتشار کا زمانہ بھی تھا لیکن سیاسی استحکام اور علوم اسلامی کی اشاعت سے حالات کافی سدھر گئے۔ مختلف قومیں مختلف اوقات میں

ھندوستان پر حملہ اور ھوتی رھیں ۔ دوسری قوموں کے ساتھ اور بالخصوص عربوں کے ساتھ ایسے روابط اور تعلقت ھیشہ قائم رھے ۔ قبل از اسلام یہ روابط تجارتی تھے اور مزھبی بھی تھے ۔ محمد بن قاسم کے حملے کے بعد سندھ اور ملتان مین با قاعدہ طور پر اسلام کی روشنی پھیلی ۔ اس حملے کے بعد یہاں اسلامی اقدار کو فروغ ھوا ۔۲

تہذیب وثقافت اور علم وادب کے چراغ روشن ہوئے محمود غزنوی کی فتوحات تک عرب مسلمانوں کی حکومت کسی نہ مسی طرح قائم رھی ۔ محمود غزنوی کے حملے کے ساتھ بیشمار صفیے بزرگ ہستیاں اور علم وفضل کے حامل لوگ ھندوستان آنا شروع ھو گئے ۔

ان میں دکشف المجوب کے مصنف مشہور صوفی بزرگ علی بن عثمان ھجویری المعروف بہ داتا گنج بخش غزنی سے روانہ ھو کر مختلف ممالک کا سفر کرتے ھوئے آخر لاھور پہنچے اور یہاں مستقل قیام فرمایا ۔ شیخ اسماعیل بخاری اور شیخ فریدالدین عطار بھی برعظیم آئے ۔ حضرت شہاب الدی سہروردی کے مرید شیخ جلال الدین تبریزی بنال پہنچے، عبد الکریم الجلیلی ، پیر صدرالدین سید یوسف الدین برعظیم میں سکونت پذیر ھوئے ۔۳

قادریہ سلسلہ

اصلاح حالت میں ایک نیا صوفیانہ سلسلہ شروع ھوا ۔ جس نے شمالی ھند بالخصوص پنجاب اور سندھ میں بڑا اقتدار حاصل کیا اور جسکا اثر آج بھی کی دوسرے خانوادے کے اجر سے کم نہیں یہ سلسلہ قادریہ کہلاتا ھے ۔۴

اس وقت ھندوستان میں چشتیہ اور سہروردیہ سلسلوں کا زور کم ہو چکا تھا ان خانوادوں میں پاک سیرت ھستیاں تھیں ۔ جنکی زندگیاں عوام کیلئے چراغ ھدایت تھیں ۔ اسکے علاوہ مغلیہ حکومت کے استحکام اور بالخصوص حرمین کے لئے بحری راستہ کھل جانے سے ملک میں اسلامی علوم اور فقہ کی اشاعت بڑھ گئی ۔۵

جہانگیر کے عہد کے آغاز سے ہی مسلم برعظیم میں احیائے دین کی تحریک زور پکڑ رہی تھی ۔ خاص طور پر مسلم اشراف اپنے مخصوص مفادات کی حفاظت کے لیے شیخ احمد سرھندی کے فلسفے اور تحریک سے متاثر نظر آتے تھے ۔ دنیائے تصوف میں نقشبندی مکتبہ فکر کو فروغ مل رہا تھا جو طریقت کو شریعت کے تابع رکھنے کے لئے اپنے

بنیادی عقیدہ کی بنا پر راسخ العقیدہ قوتوں کو مضبوط کر رہا تھا۔۶ اگر چہ شیخ احمد سرہندی نے یہ خدشہ ظاہر کیا تھا کہ اس مکتبہ فکر میں اعتقادات کی جانب بھی رجحان پیدا ہو رہا ہے۔۷

اسی زمانے میں تصوف کا دوسرا امتیاز مکتبہ فکر قادریہ تھا۔ اسکی وجہ سے بڑے بڑے پرہیز گار علماء مثلاً شیخ علی متقی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس سلسلے میں بیعت کی اور اس سلسلے کو خواص وعوام میں فروغ حاصل ہوا۔۸

مخدوم محمد گیلانی حلبی:

سب سے پہلے طریقہ قادریہ کے جس بزرگ کا نام ملتا ہے وہ دکن کے شاہ نعمت اللہ قادری (م ۱۴۳۰ء) تھے لیکن ان سے سلسلہ بہت زیادہ نہیں پھیلا اور صحیح طور پر جس بزرگ نے ہندوستان میں اس سلسلے کا آغاز کیا۔ وہ حضرت مخدوم محمد گیلانی قدس سرہ تھے۔ آپ حضرت غوث اعظم کی اولاد میں سے تھے۔ شعر بھی کہتے اور قادری تخلص کرتے تھے۔ ان کے اکثر اشعار غوث اعظم کی منقبت میں ہیں۔ ان کی غزلوں کا ایک دیوان بھی ہے۔ شیخ عبدالحق محدث (م ۱۶۴۲ء) نے ایک بند اخبار الاخیار میں درج کیا ہے۔ مخدوم محمد گیلانی کی وفات ۱۵۱۷ء میں ہوئی۔۹ برعظیم میں قادریہ سلسلے کا زیادہ فروغ شاہ نعمت اللہ اور مخدوم محمد گیلانی کی کاوشوں سے ہوا۔۱۰ یہ مکتبہ فکر ایشائی سنیوں کا مقبول ترین صوفیانہ سلسلہ ہے۔۱۱ آئین اکبری کے ایک اندراج سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبری عہد میں اس سلسلے کا بہت احترام کیا جاتا تھا کیونکہ اسی دور میں قادریہ سلسلہ پنجاب میں رواج پا چکا تھا۔۱۲

عبدالقادر ثانی:

مخدوم محمد گیلانی کے چار بیٹے تھے سب سے زیادہ مرتبہ مخدوم عبدالقادر ثانی کو ملا کہا جاتا ہے کہ عنفوان شباب میں بہت زیادہ عیش و آرام کی زندگی بسر کرتے تھے لیکن جب آپ پر دوسرا رنگ غالب آیا تو سب باتوں سے منہ پھیر لیا۔ آپ کو شیخ عبدالقادر ثانی اس لئے بھی کہتے ہیں کہ آپ کے کمالات حضرت غوث اعظم قدس سرہ کے تابع تھے۔ شیخ عبدالقادر ثانی کی وفات ۱۵۳۳ء میں ہوئی۔ یہ ہمایوں کا دور تھا۔

حضرت شاہ کمال قادری کیتھلی (۸۹۵ء/۱۵۱۲ء)

حسب ونسب شجرہ طریقت:

حضرت شاہ کمال قادری کیتھلی سادات عظام اور اولاد امجاد حضرت سید عبدالقادر جیلانی سے ہیں۔ موصوف کا شجرہ نسب بارہویں پشت میں سید عبدالقادر جیلانی سے جاملتا ہے۔۱۳

موصوف حضرت شہ فضیل قادری عرف زندہ پیر سے بیعت تھے اور انہیں سے خرقہ خلافت حاصل کیا ان کا شجرہ طریقت بھی نو واسطوں سے حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ سے جاملتا ہے۔۱۴

ولادت:

حاجی حافظ سید عمر کے گھر متولد ہوئے موصوف کا پورا نام شاہ کمال الدین حسن ہے۔ان کی ولادت کے تھوڑے عرصہ بعد حضرت شاہ فضیل قادری تشریف لائے اور ان کے والد ماجد سے یوں مخاطب ہوئے۔

"خدا کا شکر ہے کہ غوث الاعظم کی پشین گوئی پوری ہوئی اور ولی کامل ودیعت ہوا ہے۔اسکی تربیت صحیح خطوط پر استوار کریں کیونکہ یہ بچہ اولیاء کے زمرے میں مراتب عالیہ پر فائز ہوگا۔اسکا نام کمال ہے۔اسکا علم وسیع اور عمر دراز ہوگی"۔۱۵

حضرت شاہ کمال کیتھلی نے علوم ظاہری وباطنی کی تکمیل حضرت شاہ فضیل قادری سے حاصل کی انہوں سے سلوک وتصوف کی ساری منزلیں طے کیں، ریاضت ومجاہدہ میں وہ نام پیدا کیا کہ تاریخ تصوف کبھی نہ بھلا سکے گی۔ایک عالم انکا گرویدہ ہوگیا۔کچھ عرصہ بعد شہ فضیل قادری سے بیعت ہوگئے اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔۱۶

جواھر مجددیہ میں مرقوم ہے کہ سید عبدالقادر جیلانی نے اپنا خرقہ خاص اپنے صاحبزادے عبدالرزاق کو

سونپا تھا۔ پھر یہ خرقہ سلسلہ بسلسلہ اس خاندان میں حضرت شہ کمال کیتھلی تک جا پہنچا پھر یہی خرقہ حضرت شہ سکندر کیتھلی کو ملا اور انہوں نے حضرت مجددؒ الف ثانی کو اس سے سرفراز فرمایا۔ ۱۷

مرشد کامل:

حضرت شاہ کمال نے حضرت شہ فضیل قادری کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور انہی سے خرقہ خلافت حاصل کیا تھا۔ حضرت شہ فضیل اپنے دور کے ولی کامل اور عالم باعمل ہو گزرے ہیں۔ رشتہ اور رتبے کے لحاظ سے وہ حضرت شاہ کمال کے چچا بھی تھے۔ تاریخ آئینہ تصوف کے مصنف نے طبہرت نام کا حوالے سے لکھا ہے کہ موصوف بغداد میں پیدا ہوئے۔ سولہ سال بعد شاہ گدا رحمٰن ثانی سے خرقہ خلافت حاصل کیا اور سندھ کے علاقے میں تشریف لائے ان کی شہرت ملک کے اندرونی حصوں کے علاوہ بیرونی دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل چکی تھی اسی وجہ سے ان کے مریدوں کی تعداد لاکھوں سے تجاوز کر گئی تھی۔ ۱۸

ولایت ہند:

حضرت شہ فضیل قادری نے جب حضرت شاہ کمال کیتھلی کو خرقہ خلافت عطا کیا اور ولایت ہند تفویض کی انہوں نے ہندوستان پہنچ کر نہ صرف سلسلہ قادریہ کو ترویج بخشی بلکہ ہندووں کی ایک کثیر تعداد کو بھی مشرف بہ اسلام کیا۔ ۱۹

ان دنوں ہندوستان میں ظہیر الدین بابر کی حکومت تھی۔ مغلوں کا زور بڑھ رہا تھا اور فرقہ پرستی جنم لے رہی تھی۔ بھگتی تحریک جو برسوں پہلے شروع ہوئی تھی اپنا زور دکھا رہی تھی اسلام میں ہندووانہ رسومات کثرت سے شمولیت کر گئی تھیں لازم تھا کہ ان حالات میں ایک ہادی اکمل آتا اس لیے پیر روشن ضمیر نے یہ ولایت ودیعت فرمائی تھی۔ ۲۰

موصوف عراق سے ایران کے راستے مشہد نجف اشرف تبریز اور اصفہان سے ہوتے ہوئے ہندوستان

میں درہ گومل کی راہ سے داخل ہوئے اور ظہیر الدین بابر کے آخری ایام میں ہندوستان تشریف لائے۔ شروع میں ٹھٹھہ میں قیام کیا یہ مقام کراچی اور حیدرآباد کے درمیان واقع ہے۔ اس قدیم شہر نے زمانے کے بہت سے نشیب و فراز دیکھے ہیں۔۲۱ جب حضرت شہ کمال کیتھلی یہاں تشریف لائے تو ہر طرف محدثین اور فقہا کا زور تھا اور یہاں سادات عظام کے پابند شریعت بزرگ خاندان قیام پذیر تھے۔۲۲ موصوف نے تقریباً دو سال تک قیام فرمایا اور اپنی ریاضت و مجاہدہ سے ایک عالم کے دل کو مسخر کر لیا۔۲۳

جب ٹھٹھہ کی سیاسی فضا درست ہوگئی تو موصوف نے ملتان کا رخ کیا۔ یہاں شیر شاہ کے نائب حمید خان نے بہت آو بھگت کی اور ہر قسم کی مراعات مہیا کیں لیکن انہوں نے تمام مراعات قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اسکے بعد لدھیانہ تشریف لے گئے۔ تقسیم ہند سے قبل یہاں ان کی یاد میں میلہ منعقد ہوتا تھا جسے مقامی زبان میں "بڑے پیر کی روشنی" کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔۲۴

کچھ عرصہ بعد لدھیانہ کو خدا حافظ کہہ کر سرھند کا رخ کیا وہاں پایل کے علاقہ میں حضرت مجدد الف ثانی کے والد بزرگوار قیام پذیر تھے لیکن یہاں کی فضا بھی ان کو اپنے مشن کے لئے خوشگوار نظر نہ آئی اور آخر وہ مقام مل گیا جسکی تلاش میں موصوف سرگرداں تھے۔ یہ علاقہ کیتھل شریف تھا۔۲۵

حضرت شہ کمال کیتھلی ہندوستان میں ۹۲۷ھ کے اواخر میں وارد ہوئے۔ اس سفر میں ان کے ہمراہ حضرت شکر اللہ شیرازی، حضرت سید شاہ عبداللہ اور حضرت شاہ میں تھے۔۲۶

شہر کیتھل:

کیتھل شریف ھریانہ ضلع کرنال کی ایک تحصیل اور قدیم شہر ہے جو دھلی سے ۱۲۴ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اسکے نزدیک مشہور تاریخی مقام اور ہندوؤں کا مذہبی گڑھ تھا، تھانیسر اور پانی پت واقع ہیں۔ جہاں تین مشہور تاریخی جنگیں لڑی گئیں جنہوں نے بالائی ہندوستان کی قسمت کا پانسہ پلٹ دیا اسی جگہ رضیہ سلطانہ دختر سلطان شمس الدین التمش کا مزار بھی ہے۔۲۷

یہ شہر حوادث روزگار کی وجہ سے بہت دفعہ بسا اور بہت دفعہ اجڑا آخر جلال الدین اکبر کے دور میں اسے جدید صورت ملی اور یہاں پہلی دفعہ قلعہ تعمیر ہوا۔ محمد شاہ کے عہد میں کرنال کا علاقہ پرگنے کی حیثیت رکھتا تھا اور تیرہ پٹہ پر مشتمل تھا۔ ۱۷۳۳ء میں حکومت دھلی نے یہ علاقہ ایک بلوچ قمرالدین خان کی جاگیر میں دے دیا۔ یہ شخص ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ کے دھلی کے قتل عام میں مارا گیا۔ اسکے مرنے کے بعد عظیم اللہ خان نامی شخص نے اس جاگیر پر قبضہ کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ ایک اور افغان عنایت خان نے قبضہ کرلیا۔ اسے سید برادران نے باہر نکال دیا۔ ۱۷۶۷ء تک کیتھل پر سید برادران کی حکومت رہی۔ ۱۷۶۷ء میں سکھوں نے اس پر قبضہ کرلیا۔ اودھے سنگھ کے زمانے میں کیتھل کو بہت وسعت اور خوبصورتی نصیب ہوئی۔ سکھوں کی حکومت کمزور ہونے کے بعد ۱۸۴۹ء میں انگریزوں نے پنجاب فتح کر کے اسے اپنی عملداری میں شامل کرلیا۔ ۲۸

حضرت شہ کمال قادری کا ورود:

حضرت شہ کمال کیتھل کے آنے تک یہاں کفر والحاد کا چرچا تھا۔ ہندوؤں کا زور تھا۔ اس سرزمین پر موصوف کی آمد کے بعد نور و عرفان کے وہ سوتے پھوٹے جس سے سرزمین ہند میں اسلام کی وہ ترویج ہوئی کہ اس شمع معرفت ورشد وہدایت پر ایمان وعرفان کے متلاشی پروانوں کا جمگھٹا رہنے لگا اور قادری سلسلے اور اس قدر ترویج ہوئی کہ یہ نرم ونازک پودا ایک تناور درخت بن گیا۔

حضرت شاہ کمال علمی ادبی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ شہ فضیل قادری جیسے عالم فاضل موصوف کے اتالیق تھے۔ خواجہ فتح علی خان، شیخ عبدالاحد، شہ ہاشم بنوری، شہ یوسف بھکری، ملا محمد مدرس سندھی اور قاضی عبدالرحمٰن دیپالپوری ان کے خاص مرید تھے۔ ۲۹

شہ سکندر کیتھلی۔ ولادت ۱۵۵۶ء/م ۱۶۱۴ء

شہ سکندر کیتھلی موصوف کے پوتے ہیں، جنھوں نے اپنے دادا سے خرقہ خلافت حاصل کیا اور مسند ارشاد کو

رونق بخشی، ۳۰ حضرت مجدد الف ثانی شہ سکندر سے اس قدر متاثر تھے کہ ان کی طرف نگاہ کرنا موصوف کے لئے ممکن نہیں تھا۔ ۳۱ حضرت مجدد الف ثانی نے حضرت شاہ سکندر کیتھلی سے سلسلہ قادریہ میں خرقہ خلافت حاصل کیا۔ ۳۲ تذکرہ علمائے ہند کے مصنف نے یہ بھی لکھا ہے:

"خلافت سلسلہ چشتیہ از والد خود داشت واجازت بیعت قادریہ از شیخ سکندر کیتھلی یافتہ بہوائے حجاز محمل شوق بستہ بدہلی رسید درانجا با حضرت خواجہ باقی باللہ ملاقات سر دادہ بطریق علیہ نقشبندیہ بخدمت شان بیعت کردند۔ ۳۳

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی سلوک کی منازل حضرت شاہ سکندر کیتھلی کے سایہ عاطفت میں طے کیں اور پھر نہایت قلیل عرصے میں نہ صرف سلسلہ نقشبندیہ سے فیض حاصل کیا بلکہ ان تمام مصائب کو برداشت کرنے کی ہمت بھی پیدا کر لی جو انہیں پیش آنے والی تھیں اور جب حضرت مجدد الف ثانی نے تجدید دیں کا بیڑا اٹھایا تو حضرت شاہ سکندر کیتھلی کی محنت بار آور ہوئی۔ ۳۴

سلسلہ قادریہ کا فیضان حضرت مجدد الف ثانی کے ذریعے ان کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد سعید اور حضرت خواجہ محمد معصوم کو بھی پہنچا علاوہ ازیں حضرت شیخ طاہر بندگی لاہوری، شیخ نور محمد پٹنی اور سید آدم بنوری حسینی نے بھی خانوادہ قادری سے فیضان حاصل کیا ہے یہ حضرات ایک ہی ہستی کے برگ و بار تھے۔ جنہوں نے سرزمین ہندوستان کو اپنی تعلیمات سے روشناس کرایا۔ ۳۵ ان حضرات نے اکبر کے دین الٰہی کا سد باب اپنے اصلاحی اور تجدیدی کارناموں سے کیا اسی طرح تصوف کی بھی تجدید کی۔ ۳۶ چنانچہ ان کی فیوض و برکات سے شاہ جہان اور عالمگیر جہان گیر اور اکبر سے مختلف حکمران گزرے۔ ۳۷

اور اس طرح جس مقصد کے لئے شاہ کمال کیتھلی ہندوستان تشریف لائے تھے وہ حضرت شہ سکندر کیتھلی اور ان کے خلفاء کے ذریعے پورا ہوا۔

حسب نسب اور شجرہ طریقت:

حضرت شہ سکندر قادری کیتھلی ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کے سربرآوردہ بزرگ حضرت شاہ کمال قادری

کے پوتے اور شاہ عمادالدین کے فرزند تھے۔ چودھویں پشت سے موصوف کا سلسلہ حضرت سرعبدالقادر سے جاملتا ہے۔ ۳۸

موصوف نے اپنے جدامجد حضرت شاہ کمال قادری سے سلسلہ قادریہ میں بیعت ہوئے تھے اور انہی سے خرقہ خلافت حاصل کیا تھا انکا سلسلہ طریقت بھی وہی ہے جو حضرت شہ کمال قادری کیتھلی کا ہے۔ ۳۹

اولادواحفاد:

حضرت شہ سکندر کیتھلی کے دوصاحبزادے شاہ گدارحمٰن عباس اور شاہ محبّ اللہ الیاس زیدی یادگار چھوٹے ہیں ان دونوں حضرات نے آپ سے کسب فیض حاصل کیا اور خاندانی روایات کے مطابق نہ صرف سلسلہ قادریہ کو جاری رکھا بلکہ فروغ بخشا اور تبلیغ اشاعت اسلام میں مصروف رہے۔ ۴۰

حضرت شیخ محمد طاہر بندگی لاہوری (م ۱۶۴۰ء):

حضرت شہ سکندر کے ایک اور جلیل القدر خلفاء میں حضرت شیخ محمد طاہر بندگی لاہوری ہیں جو سلسلہ قادریہ کے مقتدر اور بلند پایہ مشائخ میں سے تھے۔ انہوں نے سرزمین ہند کو اپنی تعلیمات سے روشناس کرایا۔ ۴۱

حضرت مجدالف ثانی شیخ طاہر بندگی، ملاعبدالرحمٰن دیپالپوری، محمد اسلام بہاروی نے وہ فیض حاصل کیا کہ ان بزرگوں کی علمی حیثیت آج بھی مسلم ہے۔ ۴۲

حضرت شہ سکندر کیتھلی سے اکثر تاجداران مغلیہ کر بے حد عقیدت رہی ہے۔ ان کی طرف سے موصوف کی درگاہ اور خاندان کے لئے جاگیریں وقف ہوتی آئی ہیں۔ ۴۳ ۱۷۷۴ء میں انگریزی حکومت نے درگاہ کے اخراجات کے لئے مربع کے قریب زمین دی تھی۔ ۴۴

ہندوستان میں مغلیہ خاندان کا آغاز

مغلیہ خاندان نے بڑے بڑے نامور بادشاہ پیدا کئے اس خاندان کی بنیاد ظہیرالدین بابر نے ۱۵۲۶ء عیسوی میں ابراہیم لودہی کو شکست دے کر رکھی بابر کی شخصیت اسلامی تمدن کی اس خصوصیت کو نمایاں کرتی ہے کہ ہندوؤں کے برعکس جس میں کھشتری فنون جنگ میں اور برہمن علم وادب میں کمال حاصل کرتے ہیں بابر بیک وقت صاحب سیف وقلم تھا۔ تزک بابری کی تصنیف کے علاوہ خط بابری کا موجد بھی تھا اس طرز تحریر میں اس نے کلام پاک کے کئی نسخے لکھ کر مکہ معظمہ بھجوائے۔ اسے ہندوستان رہنے کا بہت کم موقع ملا لیکن اپنی فطری ذہانت کی وجہ سے جلد ہی یہاں کی خصوصیات اپنا لیں۔ ۴۵

بابر کی وصیت:

بابر نے نصیرالدین ہمایوں کے لئے وصیت لکھی۔

"فرزند من ہندوستان میں مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہیں یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی بڑی عنایت ہے کہ اس نے تمہیں اس ملک کا بادشاہ بنایا ہے اپنی بادشاہی میں تمہیں ذیل کی باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

(۱) تم مذہبی تعصب کو اپنے دل میں ہرگز جگہ نہ دو اور لوگوں کے مذہبی وجذبات اور مذہبی رسوم کا خیال رکھتے ہوئے رو ورعایت کے بغیر سب لوگوں کے ساتھ پورا انصاف کرنا۔

(۲) گاؤکشی سے پرہیز کرنا تاکہ اس طرح تمہیں لوگوں کے دل میں جگہ مل جائے اور اس طرح وہ احسان اور شکریہ کی زنجیر سے تمہارے مطیع ہو جائیں۔

(۳) تمہیں کسی قوم کی عبادتگاہ مسمار نہیں کرنی چاہیے اور ہمیشہ سب سے پورا انصاف کرنا چاہیے تاکہ بادشاہ اور رعیت کے تعلقات دوستانہ ہوں اور ملک میں امن وامان رہے۔

(۴) اسلام کی اشاعت ظلم وستم کی تلوار کے مقابلے میں لطف واحسان کی تلوار سے بہتر ہو سکے گی۔ شعیہ سنی

اختلافات ہمیشہ نظر انداز کرتے رہو کیونکہ ان سے اسلام کمزور ہو جائیگا۔۴۶
۲۶ دسمبر/ ۱۵۳۰ء میں بابر نے وفات پائی اور ہمایوں تخت نشین ہوا۔۴۷

نصیر الدین ہمایوں اور قادری بزرگ:

شیخ محمد غوث گوالیاری نے شروع ہی سے مغل بادشاہوں سے روابط قائم کئے ہوئے تھے۔ جب ظہیر الدین بابر نے قلعہ گوالیار فتح کرنے کے لئے فوج بھیجی تو شیخ محمد غوث ان دنوں قلعہ کے اندر تھے۔ انہوں نے مغل حملہ آوروں کو ایک ترکیب بنادی جس سے قلعہ آسانی سے فتح ہو گیا اور تاتارخان نے قلعہ مغلوں کے حوالے کر دیا۔ بابر کے ساتھ شیخ محمد غوث کے تعلقات تو استوار ہو گئے تھے لیکن ہمایوں بھی انکا معتقد تھا۔۴۸

ابوالفرح محمد فاضل الدین قادری (۱۰۷۰ھ/۱۶۶۰ء)

حضرت اعلی ابوالفرح محمد فاضل اندین قادری ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ اعلی تعلیم سے فارغ ہو کر اپنی خاندانی روایت کے مطابق مغلیہ حکومت میں مناسب منصب حاصل کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان کے والد محترم ابوالحسن جناب سید عنایت اللہ اس وقت کی حکومت کے دور میں عدلیہ کے معزز ترین منصب پر فائز تھے اور جاگیر دار تھے۔ ان کا خاندان نسبی لحاظ سے گیلانی سید ہے یعنی غوث اعظم سید القادر جیلانی کی اولاد میں سے ہیں۔۴۹

آغا بدیع الدین سید شہید اعلی سب سے پہلے بزرگ ہیں جو ہمایوں کے عہد میں برعظیم پاک و ہند میں تشریف لائے تھے۔ آغا بدیع الدین کو اس عہد میں فوج میں نہایت ممتاز منصب دیا گیا تھا۔ سیالکوٹ میں تحصیل شکر گڑھ میں ان کو حکومت نے نہایت وسیع جاگیرداری دی ہوئی تھی جہاں موصوف کی اولاد آباد ہے۔۵۰

حضرت اعلی سید ابوالفرح محمد فاضل الدین قادری جب حضرت غوث اعظم کے ارشاد کی تعمیل میں بٹالہ ضلع گورداسپور (پنجاب انڈیا) پہنچے اور طریقت قادریہ کی بہضت اور سربلندی کا عزم فرمایا اور خاندانی وجاہت پر فقیری

کوفوقیت دی۔۵۱

مدرسہ قادریہ فاضلیہ کی بنیاد:

موصوف نے مدرسہ قادریہ فاضلیہ کے نام سے ایک عظیم الشان علمی درسگاہ قائم کی اس درسگاہ سے ایسے شیخ علوم پیدا ہوئے جنہوں نے ہندوستان کے مختلف گوشوں میں ہزاروں دینی مدارس قائم کئے۔اس طرح انکا مدرسہ قادریہ فاضلیہ باعتبار علوم برعظیم کے لئے آفتاب بن چکا۔علم تصوف میں ان کو قدوۃ کا رتبہ حاصل ہے چنانچہ بیان الاسرار حضرت اعلی کی وہ تصنیف ہے جسکے متعلق زعمائے تصوف اور علمائے حق کی یہ رائے ہے کہ بیانات کے اعتبار سے یہ قصیدہ غوثیہ کی عدیم المثال شرح ہے۔۵۲ حضرت اعلی کی خدمتیں اس زمانے میں حکومت کے مکام عموماً دعاوں کے لئے حاضر ہوتے تھے چنانچہ لاہور کے حاکم اعلی بھی موصوف کے معتقدین میں سے تھے وہ اکثر بٹالہ شریف ان کے زیارت لئے جاتے تھے۔۵۳

مغل بادشاہوں نے صوفیائے کرام کے ساتھ روابط قائم رکھے تھے قادریہ سلسلہ نے زیادہ مغل حکمرانوں کے دور میں عروج پایا اس زمانے میں مغلیہ حکومت کے استحکام اور بالخصوص حرمین کے لئے بحری راستہ کھل جانے سے اسلامی علوم وفقہ کی اشاعت بڑھ گئی اس دور میں نقشبندیہ سلسلہ نے جب اس رجحان کو پورا کیا تو قادریہ سلسلہ کو بھی خواص وعوام میں بڑا فروغ حاصل ہوا۔۵۴

شیخ ابواسحاق قادری لاہوری:

بابر سے اکبر تک جو قادری بزرگ ہندوستان آئے اور تبلیغ دین کی ان میں حضرت شیخ ابواسحاق قادری لاہوری تھے جو ۹۸۵ھ میں وصال پا گئے تھے۔۵۵ موصوف شیخ داود کرمانی چونی وال کے خلیفہ تھے۔علوم ظاہری اور باطنی میں یگانہ عصر، محلہ پیر عزیز مزنگ مشہور ہے سکونت پذیر ہوئے۔

شاہ ابواسحاق قادری کا شمار عروس البلاد لاہور کے نامور بزرگوں میں ہوتا ہے۔۵۶

مفتی غلام سرور لاہوری سے روایت ہے کہ شاہ ابواسحاق اپنی خانقاہ میں فقہ وحدیث کا درس دیا کرتے تھے اور ایک خلق کثیر نے ان سے روحانی اور علمی فیوض و برکات حاصل کئے۔۵۷

مفتی غلام سرور لاہوری لکھتے ہیں کہ شاہ ابواسحاق نسلاً غوری نہیں تھے۔۵۸ بلکہ غور کے علاقے سے ان کا تعلق تھا۔

مفتی غلام سروری لاہوری کے ہم عصر مورخ اور عزیز دوست نور احمد چشتی شاہ صاحب کو صحیح النسب بخاری سید لکھتے ہیں یہاں مفتی صاحب کو سہو ہوا ہے۔ مغل اور غوری دو مختلف قومیں ہیں۔ نور احمد چشتی صاحب نے ان کے بارے میں معلومات ان کے روضہ کے مجاوروں سے حاصل کی تھیں۔۵۹

مفتی غلام سرور نور احمد چشتی اور لالہ کنہیالال کے مطابق شاہ ابواسحاق کا انتقال عہد اکبر مین ۹۸۵ھ (۱۵۷۷ء) میں ہوا۔۶۰

<u>رسالہ ناطقہ:</u>

شاہ ابواسحاق عالم فاضل بزرگ تھے۔ رسالہ ناطقہ کے عنوان سے ایک نادر مخطوطہ رضا لائبریری رامپور میں محفوظ ہے۔ اسکی کتابت ۹۷۳ھ/۱۵۶۶ء میں خط سکستہ میں ہوئی رسالہ ناطقہ کو کئی چھوٹے چھوٹے رسائل کے ساتھ ایک ہی جلد میں محفوظ کیا گیا ہے۔۶۱ رسالہ ناطقہ میں لمعات، کیمائے سعادت، مجموعہ مجالس، رسالہ مکیہ، نزہت الارواح، تفسیر زاہدی، مقصد اقصیٰ، عوارف المعارف، تفسیر مدارک اور لوائح جامی جیسی بلند پایہ کتابوں کے حوالے ملتے ہویں جو ان کے ذوق مطالعہ کی دلیل ہیں۔ موصوف "ہندی زبان" سے بھی واقف تھے انہوں نے ضیاء الدین سنامی کم مناجات کا یہ شعر رسالہ ناطقہ میں نقل کیا ہے۔۶۲

وقت سحر وقت مناجات ہے
خیز دران وقت کہ برکات ہے
نفس نیاید کہ بگو بد ترا

خیز چہ جسپی کہ اچھو ن رات ہے

مغل حکمران نصیرالدین ہمایوں کے زمانہ میں حضرت شاہ بلاول بن سید عثمان بن سید عیسیٰ بزرگان ہرات کے ہمراہ لاہور تشریف لائے، شیخوپورہ جو کہ لاہور سے بیس کوس ہے ان کی جاگیر میں دے دیا گیا۔۶۳ برصغیر میں پنجاب کے علاقے ان کی تبلیغ کا مرکز رہے۔ انہوں نے ۱۰۶۴ھ/۱۶۵۴ء میں وفات پائی۔ ان کے خلفاء میں شاہ شمس الدین قادری لاہوری (م ۱۶۱۳ء) بڑے نامور بزرگ ہوگزرے ہیں۔

حضرت شاہ شمس الدین قادری م ۱۶۱۳ء:

لاہور کے یہ نامور ولی سلسلہ عالیہ قادریہ میں حضرت شاہ ابواسحاق قادری، حضرت شیخ داود بندگی شیر گڑھی سے بیعت وخلافت یافتہ تھے۔ وہ نہایت عالم فاضل تھے۔ لاہور میں ان کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی ہزاروں کی تعداد میں لوگ حاضر ہوتے اور فیوض و برکات سے نوازے جاتے۔ جہانگیر اور شاہ جہان ان کی خدمت اقدس میں لاہور حاضر ہوتے جب شاہ جہان لاہور آیا تو ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو موصوف نے اس کی تخت نشینی کی پیش گوئی کی تھی اور جب وہ بادشاہ بنا تو اس نے ان کا مقبرہ چار دیواری میں بنایا۔۶۴

مصنف تاریخ لاہور لکھتا ہے کہ وہ مجرد تھے اور آزاد مشرب رکھتے تھے ان کے خلفاء میں شاہ بلاول قادری کا نام بہت مشہور ہے۔ مسجد بھی مقبرہ کے ساتھ ہے۔

باغ کا نام ونشان نہیں مگر چار دیواری اور مقبرہ موجود ہیں جو کہ چمبہ ہاوس لین نزد شارع ایوان وتجارت پر واقع ہے ان کا وصال ۱۰۲۱ھ/۱۶۱۳ء میں ہوا۔۶۵

شاہ جہان اکثر ان سے ملنے جایا کرتا تھا۔۶۶

شاہ جہان کے فرزند دارا شکوہ اور بیٹی جہان آرا بیگم کو بھی ان سے بڑی عقیدت تھی۔۶۷

جلال الدین اکبر اور قادری بزرگ

اکبر کے دور کے متعلق مولانا عبید اللہ سندھی کا کہنا ہے "ہندوستان کا یہ تاریخ دور ایک ایسے نظام کے متقاضی تھا جو ہندوؤں، ہندوستانی مسلمانوں اور مغلوں کو ایک جھنڈے تلے جمع کرتا۔ جس طرح ہندوؤں اور مسلمانوں کے میل ملاپ سے ایک متحدہ کلچر بن رہا تھا اور ایک مشترک زبان کی بنا پڑ رہی تھی اکبر کے دور میں سلطنت اور سیاست میں ایک ایسے نظام کی ضرورت تھی جو دونوں قوموں میں مشترک ہوتا اس تقاضے کو اس فکر سے پورا کرنے کی کوشش کی گئی جو برصغیر کی مذہبی تاریخ میں دین الٰہی کے نام سے مشہور ہے۔ ۶۸

جلال الدین اکبر کی شعوری زندگی کا آغاز بھی عقیدہ پرستی سے ہوا تھا۔ جب اس نے مطلق العنان حکمران کی تمام ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں۔ اس زمانے میں وہ ایک عقیدہ پرست مسلمان اور چشتی تصوف کا مداح تھا۔ ۶۹

لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ اکبر کے مذہبی خیالات بدل گئے لیکن اسکے مذہبی خیالات سے اختلاف کے باوجود یہ حقیقت مسلم ہے کہ اسکا دور علم وفن کے اعتبار سے نہایت مردم خیز تھا۔ ان میں اکثر علماء وفضلاء کو دربار کی بحثوں اور چپقلشوں سے کوئی سروکار نہ تھا۔ ۷۰

ملک میں روحانیت کا چشمہ فیض بھی باری تھا۔ اس دور کے اصحاب علم ایک طرف اگر منصب درس و تدریس پر فائز تھے تو دوسری جانب مسند رشد وہدایت پر بھی متمکن تھے ان علماء وصلحا میں حضرت مجدد الف ثانی، حضرت موسیٰ پاک شیخ اور عبدالحق محدث دہلوی کے اسمائے گرامی خصوصیت سے لائق تذکرہ ہیں۔ ۷۱

حضرت موسیٰ پاک شہید

مغلیہ دور میں قادریہ سلسلہ کے کئی مشائخ کبار گزرے ہیں۔ شیخ عبدالقادر ثانی کے پوتے حضرت سید حامد جو حامد گنج بخش کے نام سے مشہور ہیں، اپنے زمانہ میں (شیخ زمانہ) سمجھتے جاتے تھے ان کے ایک صاحبزادے شیخ موسیٰ پاک شہید تھے جو ملتان میں پاک دروازے کے اندر مدفون ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے پہلے انہی سے قادریہ سلسلہ میں بیعت کی تھی۔ شیخ موسیٰ پاک بیشتر عرصہ شاہی لشکر میں رہے اوچ میں ارشاد وہدایت زیادہ تر

ان کے بھائی کرتے تھے۔۷۲

گیارہویں صدی کے شروع ہوتے ہی سب سے پہلے بزرگ جنہوں نے دنیائے فانی سے منہ موڑ کر دارالبقا کا رخ کیا وہ حضرت محمد جمال الدین موسی پاک شہید ہیں اگر چہ ملتان کا علاقہ برس ہا برس تک سلسلہ سہروردیہ کے زیر اثر رہا اس طرح اوچ شریف کا علاقہ چشتیہ اور قادریہ سلسلوں کا محور و مرکز رہا۔ چنانچہ اوچ شریف کی تمام نامور شخصیات نے یا تو تعلیم کے حصول کے لئے ملتان میں قیام کیا یا ملتان کے اولیائے کرام سے رشد و ہدیت پا کر خرقہ خلاقت حاصل کیا۔ ان بزرگوں میں جلال الدین سرخ بخاری اور مخدوم جہانیاں جہان گشت وغیرہ شامل ہیں۔ بہرحال ملتان اور اوچ میں ایک خاص قسم کا فکری تعلق رہا۔ اوچ سے ملتان آنے والے نامور بزرگوں میں حضرت موسی پاک شہید کا نام بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ انکا شجرہ نسب اور سلسلہ طریقت حضرت غوث الاعظم سید محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی کے حوالے سے حضرت سیدنا امام حسین سے جا ملتا ہے۔۷۳

حضرت موسی پاک کے ایک جد امجد حضرت شیخ محمد غوث گیلانی خراسان سے نقل مکانی کر کے اوچ شریف تشریف لائے اور یہاں مستقل قیام فرمایا ان کے حلقہ عقیدت ان کی وفات ۹۲۳ھ/۱۵۳۳ء میں ہوئی ان کے بعد ان کے پوتے سید عبدالرزاق مسند نشین ہوئے۔ موصوف اپنے وقت کے مانے ہوئے بزرگ تھے۔ ان کے مریدوں میں نصیر الدین ہمایوں (بادشاہ) کے علاوہ حضرت سید داود بندگی کرمانی، حضرت شیر شاہ ملتانی اور نواب میراں حاکم ملتان تھے ایسے برگزیدہ انسان کے ہاں حضرت موسی پاک کی ولادت ہوئی۔ ان کا پورا نام حافظ محمد جمال الدین موسیٰ پاک تھا۔۷۴

فرحت ملتانی کے مطابق:

"سلطان المحققین، عمدۃ الواصلین، قطب العالم جمال الاسلام القاب ہیں۔ ابوالحسن کنیت ہے"۔۷۵

کتاب بحر السرائر مولفہ سید سعد اللہ رضوی میں ان کے نام کے ساتھ یہ القاب درج ہیں۔

"سلطان المحققین، عمدۃ الکاملین، سوۃ الواصلین، قطب المالم، شیخ المشائخ والاولیاء، سلطان الشہدا وغوث الدینا والدین، جمال اسلام والمسلمین، ابوالحسن شیخ موسی شہید قدس سرہ۔۷۶

آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد علوم ظاہری کی تحصیل شروع کی۔ سلوک کے مدارج بھی والد محترم کی ہدایت میں طے کئے۔ حضرت شیخ حامد نے اپنے فرزند ارجمند کی تعلیم وتربیت پر خاص توجہ دی۔ بحرالسرائر میں حضرت موسیٰ پاک کے حوالے سے لکھا ہے:

"حضرت والد ماجدم رامشغول خاطر بود۔ بفقر وھشت
سالہ بودم۔ کہ درسن صغر بخدمت خودھمراہ کردندو
ازان وقت درسفر وحضر ازخود جدا نہ ساختند شب وروز
درکفار رحمت وجوار عنایت ایشان تربیت می یافتم، وھم
درآن ایام طفولیت سخنان ابن طائفہ ودرجان ماریختہ
تربیت باطنی ضعیمہ شفقت ظاہری می خواستند "۔۱ے

اس تعلیم وتربیت کی بدولت حضرت موسیٰ پاک شہید شروع سے ہی ریاضت اور عبادات کے عادی ہو گئے۔ والد ماجد اپنے سامنے بٹھا کر ذکر جہر اور اشغال باطنی کراتے اور تعلیم وتربیت رشد وہدایت میں کوئی کسر نہ چھوڑتے۔۲ے

مفتی غلام سرور لاہور کے مطابق:

"جب باپ کے روبرو انہوں نے تکمیل ظاہری وباطنی پائی۔
تو بخطاب جمال الدین ابوالحسن مخاطب ہوئے"۔۳ے

جب حضرت حامد گنج بخش نے آپ کی تربیت کی طرف سے اطمینان حاصل کرلیا تو اپنے بڑے بیٹے بنانے کا فیصلہ کرلیا۔ چنانچہ انہوں نے آپ کو اپنا خاص خرقہ مبارک سجادہ اور انگوٹھی عطا فرمائی۔

حکم چند لکھتے ہیں:

" تھوڑے عرصہ میں ہر علم، تفسیر، حدیث، فقہ ومعانی اور علم باطنی بھی حاصل کیا۔ والد بزرگوار حضرت سے بڑی محبت رکھتے تھے۔ بلکہ اپنی حیات میں انہوں نے انکو اپنا جانشین فرمایا۔ جبکہ ان کے بڑے بھائی نظام الدین

عبدالقادر موجود تھے"۔۸۰

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

"شیخ حامد در حالت حیات خود امر خلافت وسجادہ نشینی را بولد شریف خود سپر"۔۸۱

بحرالسرائر میں خود حضرت موسیٰ پاک شہید کے حوالے سے لکھا ہے:

"بعد از ان خرقہ خاص مبارک وجائے نماز و تسبیح خود وانگشتری کہ در انامل کامل داشتند واسناد فرامین اوقات لنگر متبرک حضرت غوث الثقلین ووظائف کہ بادشاہان متعین کردہ بودند۔ھمہ را باین سر وسامان عنایت فرمودہ۔۸۲

حضرت موسیٰ پاک کی عمر ابھی ۲۶ سال کی تھی کہ ۹۷۸ھ/۱۵۷۱ء میں آپ کے والد وفات پا گئے۔ جانشینی کا جھگڑا اتنا بڑھا کہ معاملہ دربار اکبری تاک جا پہنچا۔۸۳

مولانا نور احمد خان فریدی اس واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان کرتے ہیں:

"اگرچہ حضرت موسیٰ پاک شہید کو ان کے والد بزرگوار نے اپنی زندگی میں ہی جانشین نامزد کر دیا تھا لیکن ان کے بعد موسیٰ پاک کے بھائی عبدالقادر کی وجہ سے اس معاملہ میں نزاع پیدا ہوا۔ شہنشاہ اکبر نے ان بزرگون کو فتح پوری سیکری میں طلب کیا۔ وہاں بڑے بھائی نے ثبوت کے طور پر اپنے والد کا قرآن مجید اور چند تبرکات پیش کئے۔ طے یہ پایا کہ جھگڑے کا فیصلہ قرآن مجید کی روشنی میں کیا جائے۔ چنانچہ قرآن پاک کھولا گیا تو سورۃ القصص کی یہ آیت نکلی:

"فخرج مدھا خانفایترقب قال رب نجنی مین القوم الظلمین "

ترجمہ: "پھر نکلا (موسیٰ) وہاں سے ڈرتا راہ دیکھتا بولا اے رب نجات دے مجھ کو اس ظالم قوم سے"

چنانچہ اس آیت کے معنی کے مطابق فیصلہ موسیٰ پاک کے حق میں ہوا اور ۲۲ ربیع الاول ۹۸۵ھ/ ۱۵۷۷ء شاہی فیصلے کے مطابق آپ کو سجادہ نشین تعلیم کر لیا گیا۔

چونکہ اس فیصلے سے دونوں بھائیوں میں شکر رنجی کا امکان تھا۔ اس لئے بادشاہ نے مصلحتاً سید عبدالقادر کو اپنے پاس رکھا اور حضرت موسیٰ پاک کو لشکر کے ساتھ دکن بھیج دیا۔ دکن کی مہم سے فارغ ہو کر حضرت موسیٰ پاک

آگرہ آئے تو بادشاہ نے انہیں منصب عطاء کر کرے نہایت عزت واحترام کے ساتھ رخصت کیا۔آگرہ سے رخصت ہو کر آپ دہلی وارد ہوئے۔۸۴

عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں:

"درین ایام شیخ موسی بعد از زھد وعبادت وشخصیت چنادن سالہ ارادت متعارف رسمی بہ بادشاہ آورو مشقت سپہ گری یافتہ وتسلیم نوکری کردہ داخل امرائے پانصدی شدہ۔۸۵

گویا موسی پاک شہید صرف مذہبی اور روحانی رہنمائی تک محدود نہ رہے بلکہ انہوں نے عملی طور پر مہمات میں بھی حصہ لیا۔یوں علم دین کے ساتھ دنیا اور روحانی مدارج طے کرنے کے ساتھ ساتھ رزم گاہ حیات میں بھی سرخرو ہوئے۔آگرہ میں آپ نے بہت عرصہ قیام فرمایا اور پھر وہاں سے دہلی تشریف لے گئے۔جہاں آپ نے دنیوی فرائض کے ساتھ ساتھ دین کی خدامت بھی انجام دیں۔

شیخ محمد اکرام رقمطراز ہیں:

"شیخ موسیٰ پاک شہید ایک عرصہ تک لشکر شاہی اور دارالسلطنت میں اسلام کا بول بالا کرتے رہے اور کئی شہر شینوں کو اس بادیہ پیما کی بدولت روحانی تازگی اور استقامت نصیب ہوا"۔۸٦

دہلی میں بہت سے لوگ آپ کے مرید ہوئے۔ان میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی جیسے جید عالم بھی شامل ہیں جنہوں نے آپ کے ہاتھ بیعت کی۔

بشیر حسین ناظم لکھتے ہیں:

"آپ کی صحبت میں وقت کے بڑے بڑے علماء وفضلاء اور عارف بیٹھتے تھے۔آپ بڑے بڑے نکات اور ادق مسائل بڑے لطیف انداز میں حل فرمایا کرتے تھے جن بزرگوں نے آپ کے دست حق پر بیعت کی،ان میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا اسم گرامی قابل فکر ہے"۔۸۷

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی معروف تصنیف اخبار الاخیار میں دو بزرگوں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اور

شیخ موسیٰ کے تذکرہ میں انشاپردازی کا پوراز ورصرف کردیا۔وہ اپنی عقیدت کا اظہاراس طرح کرتے ہیں۔۸۸

"اگر دیگران قطب اند۔اوقطب الاقطاب است

اگرایشان سلاطین،اوسلطان سلاطین محی الدین کہ دین

اسلام زندہ گردانید وملت کفر بیسرانید۔۸۹

یہ حقیقت ہے کہ موسی پاک دین اسلام کے لئے جس طرح کام کرتے رہے اسکا اظہار صرف عقیدت کے طور پر نہیں کیا گیا۔ بلکہ آپ واقعی حق گو بے باک اور نڈر انسان تھے۔آگرہ اور دہلی میں ان کے قیام کا زمانہ وہی ہے جب اکبر دین الہی کو مروج کئے ہوئے تھا۔اگر چہ تاریخوں سے تو پتہ نہیں چلتا کہ حضرت موسی پاک شہید نے عملی طور پر اس دین کے خلاف کوئی اقدام کیا یا اسکے خلاف کوئی فتوی دیا۔لیکن یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ آپ اکبرکی موجودگی میں دیوان خانہ خاص وعام میں نماز کے وقت خود اذان دے کر جماعت نماز پڑھاتے۔مگر کسی کو آپ کو ٹوکنے کی جرات نہ ہوتی۔۹۰

حضرت موسی پاک گیلانی نے کچھ عرصہ دہلی میں قیام فرمایا اور رشد وہدایت کا سلسلہ جاری رکھا اور پھر وہاں سے اوچ کی جانب روانہ ہوگئے۔

نوراحمد فریدی کے مطابق:

"شیخ (عبدالحق محدث دہلوی) اور شہر کی ہزاروں سعید روحیں بھی آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئیں۔ چند یوم یہاں قیام کرنے کے بعد آپ اوچ روانہ ہوئے اور والد ماجد کی آرامگاہ پر حاضر ہوئے۔مرقد اطہر کی خاک پاک کو آنکھوں کا سرمہ بنایا پھر ان کی مسند پر بیٹھ کر رشد وہدایت کا دروازہ کھول دیا۔۹۱

حضرت موسیٰ پاک کا دور بڑا افراتفری اور بے چینی کا دور تھا۔ملک میں طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی۔ قزاقوں نے ہر طرف لوٹ مار اور راہزنی کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا جس سے بڑے لوگ خوف اور انتشار کا شکار تھے۔قزاق اور رہزنوں کے ایک گروہ نے حضرت موسیٰ پاک کے ارادت کشوں کی ایک بستی پر حملہ کر دیا۔آپ ان کی گوشمالی کے لئے بہ نفس نفیس روانہ ہوئے۔ایک بدفطرت آدمی جو قوم لنگاہ سے تعلق رکھتا تھا،اس نے آپ کو شہید

کر دیا۔ آپ نے ۵۸ سال کی عمر میں (۱۰۰۱ھ/۱۵۹۲ء) وفات پائی اور اوچ میں ان کو والد صاحب کے قدموں میں دفن کیا گیا۔ پندرہ سال بعد آپ کے ایک صاحبزادے سید حامد گنج بخش نے آپ کا تابوت دوبارہ ملتان منتقل کر دیا۔۹۲

آپ کی اولاد میں سید حامد گنج بخش کو سند ارشاد ملی۔ دیگر تین صاحبزادے بھی بڑے اہل اللہ تھے۔ ان کے نام سعد یحیٰ نواب ملتان، سید علی اور سید جان محمد ہیں۔۹۳

محمد سبطین رضا گیلانی از اولاد حضرت موسیٰ پاک شہید نے خود اپنے ہاتھ سے بحر السرائر (قلمی) کے ابتدائی صفحات پر حضرت موسیٰ پاک شہید کے حالات زندگی اور کارناموں کے بارے میں مختصر طور پر لکھا ہے۔ اس مضمون میں درج ہے۔

شیخ الکل (حضرت موسیٰ پاک شہید) نے ملتان میں سادات حسینیہ قادریہ کی ایک ایسی سند ارشاد کی بنیاد رکھی جس نے ایک متصل دینی ملی اور ادبی ادارے کی حیثیت اختیار کی جس نے نہ صرف ایک ایسی مذہبی اور روحانی درسگاہ کا کام کیا جہاں دینیات اور علم الحدیث کا اہتمام کیا گیا۔ بلکہ اہل ملتان تو کجا ترکستان، ایران، افغانستان اور ہندوستان کے دور دراز کے علاقے سے آنے والوں کے لئے تہذیب و اخلاق اور تعمیر کردار کی تربیت کا بھی فریضہ انجام دیا اور اس ادارے کے فارغ التحصیل طلباء کے قول و عمل سے ہزاروں گم گشتگان کو صراط مستقیم نصیب ہوا اور یہ سب اسی ادارے کے ناظم اعلی حضرت شیخ الکل موسی پاک شہید کی عظمت و کرامت کا اعجاز تھا" ۹۴

حضرت موسیٰ پاک کی ایک تصنیف "تیسر الشاغلین" تصوف پر ایک قابل قدر کتاب ہے جسے سلسلہ قادریہ کے نصاب کی حیثیت حاصل ہے۔۹۵

پر لطف اور ادبی اسلوب میں لکھی ہوئی فارسی کی یہ کتاب علم و اخلاق اور رشد و ہدایت کی باتوں سے پر ہے۔

بدایونی لکھتا ہے کہ اگر شیخ موسی پاک اکبر بادشاہ کے دربار میں ہوتے اور نماز کا وقت آن پہنچتا تو عین دیوان خانے میں خود اذان دے کر با جماعت نماز شروع کرا دیتے اور کوئی انہیں نہیں روک سکتا تھا۔ ایک دن اکبر بادشاہ سے ان کی کسی بات پر چپقلش ہو گی اور انہوں نے وراثت اور مدد و معاش کا قضیہ ترک کر کے اوچ میں متوطن

زندگی شروع کردی اور قبول عام حاصل کیا۔۹۶

خلیفہ شیخ داود کرمانی شیر گڑھی:

شیخ حامد کے ان فرزندان گرامی کے علاوہ ان کے خلیفہ داود کرمانی شیر گڑھی جو ضلع اوکاڑہ کے قصبہ شیر گڑھ میں آرام فرما ہیں ایک بڑے باکمال بزرگ ہوئے ہیں۔روحانیت میں آپ نے حضرت غوث الاعظم کا اویسی طریقہ اپنایا لیکن شیخ حامد قادری کے مرید ہوئے۔۹۷

آپ پابند شریعت تھے۔مشہور مورخ ملا عبدالقادر بدایونی نے شیر گڑھ جا کر آپ کی زیارت کی اور ان کے روحانیت اور تقدس سے بڑا متاثر ہوا۔شیخ داود کے عام صوفیانہ تذکروں اور ملفوظات میں اشاعت اسلام کا کوئی ذکر نہیں لیکن عبدالقادر بدایونی جو تین چار دن ان کی خدمت میں رہا لکھتا ہے شاید ہی کوئی دن ایسا ن ہوگا جب سو سو پچاس پچاس ہندو مع اپنے اہل وعیال کے حاضر خدمت ہو کر مسلمان نہ ہوتے ہوں۔

"وکم روزے بود کہ صد صد و پنجاہ پنجاہ ہندو کم وبیش با خیل وبیار خویش آمدہ، در ملازمت آنحضرت بشرف اسلام نمی پیوستند وتلقین نمی گرفتند"۔۹۸

ایک دفعہ جب اکبر بادشاہ پنجاب میں تھا۔شہباز خان کو بھیج کر چاہا کہ شیخ اسکے پاس آئیں لیکن انہوں نے عذر کیا اور کہلا بھیجا کہ میں یہاں بیٹھ کر غائبانہ دعا دیتا ہوں مجھ سے یہی کچھ ہو سکتا ہے۔۹۹

شاہ ابوالمعالی قادری:

شیخ داود کرمانی شیر گڑھی کی وفات ۱۵۷۴ء میں ہوئی۔آپ کے جانشین شاہ ابوالمعالی ہوئے جنکا مزار لاہور میں ہے حضرت صاحب التصانیف اور بڑے اہل دل بزرگ گزرے ہیں۔آپ نے قادریہ سلسلہ کا فیض لاہور اور وسطی پنجاب میں عام کیا۔آپ غوث الاعظم حضرت عبدالقادر جیلانی کے روحانی فیض سے نصیب یافتہ تھے۔آپ نے ان کے مناقب ومناصب میں بڑی بڑی نظمیں لکھیں۔آپ کی کتاب تحفۃ القادریہ بڑی مقبول

ہوئی۔۱۰۰

شیخ ابوالمعالی قادری پنجاب کے مشہور صوفی بزرگ تھے۔ شیخ داود کرمانی شیر گڑھی کے مرید اور خلیفہ اعظم تھے۔ ان کا اصلی نام خیر الدین تھا۔ موصوف کرمانی سادات میں سے تھے۔ شجرہ طریقت چودہ واسطوں سے شیخ عبدالقادر جیلانی تک جا پہنچتا ہے۔۱۰۱ ۱۰ ذی الحج ۹۶۰ھ/۱۵۵۳ء کو شیر گڑھ کے قصبہ میں پیدا ہوئے اس وقت اسلام شاہ کی حکومت تھی۔

آپ نے اپنے والد محترم کی صحبت میں رہ کر علوم ظاہری میں کمال حاصل کیا تھا۔ حضرت عبدالقادر جیلانی کے عشق میں اویسہ طریقہ اختیار کیا اور جنگلوں کی خاک چھانتے رہے بعدازاں دہلی گئے۔ وہاں سے لوٹنے پر شیخ داود کی مقاریت اختیار کی اور مسند قادریہ پر رونق افروز ہوئے۔ چنانچہ لاہور آ کر اسی سلسلے کی نشر و اشاعت میں سرگرم ہوئے۔ اب آپ قطب الاقطاب کا درجہ حاصل کر چکے تھے۔۱۰۲ آپ نے سخت مجاہدات کئے۔ مرشد کی طرف سے لاہور کی ولایت ملی اور شیر گڑھ سے لاہور پہنچ گئے۔ لاہور تشریف لا کر آپ نے گوالمنڈی میں قیام کیا عہد جہانگیری میں یہ مقام پیروں کا محلہ کہلاتا تھا اور تھوڑے ہی دنوں میں بے پناہ مقبولیت حاصل کی۔۱۰۳

تحفۃ القادریہ رسالہ گلدستہ باغ ارم، زعفران زار، رسالہ غوثیہ، دیوان غربتی۔[۱۰۴] ہشت بہشت (ملفوظات شاہ ابوالمعالی) ان کی تصانیف ہیں۔

انکے فرزند شاہ محمد باقر قادری بھی صاحب تصانیف بزرگ تھے۔ شاہ ابوالمعالی نے ۱۶۱۵ء میں وفات پائی۔۱۰۵ یہ جہانگیر کا عہد تھا۔۱۰۶

حضرت شاہ ابوالمعالی کے مزار لاہور میں مرجع خلائق ہے آپ صاحب التصانیف اور بڑے اہل دل بزرگ تھے ۲۹ سال حضرت سید داود کرمانی شیر گڑھی کے قائم مقام اور جانشین رہے غربتی اور معالی آپ کا تخلص تھا۔ حضرت داود بندگی کے روضہ مبارک کی دیواروں پر جو اشعار درج ہیں۔ وہ شاہ ابوالمعالی قادری کے لکھے ہوئے ہیں۔۱۰۷

شیخ عبدالحق محدث دہلوی

برعظم میں احیائے دین کی تحریک کے رہنماوں میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی ایک نمایاں مقام کے حامل ہیں۔احیائے دین کی تحریک کے سب سے زیادہ پر جوش نمائندے شیخ احمد سرہندی جو شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے ہمعصر تھے۔وہ اپنے روحانی ارتقاء کے بارے میں بعض بیانات کے سبب تنگ نظر عقیدہ پرستون کے لئے قابل قبول نہیں تھے۔ان پر نکتہ چینی کرنے والوں میں شیخ عبدالحق بھی شامل تھے۔یہاں تک کہ شیخ احمد سرہندی اور شیخ احمد سرہندی اور شیخ عبدالحق محدث کے افکار میں تفریق موجود رہی تھی۔۱۰۸

شیخ عبدالحق محدث کے افکار اور تحریریں بنیادی طور پر پابند شریعت تھیں۔۱۰۹

شیخ محدث دہلوی ۱۵۵۱ء میں سلیم شاہ سوری کے عہد حکومت میں پیدا ہوئے۔۱۱۰ اس زمانے میں تحریک مہدویت عروج پر تھی۔برسر اقتدار طبقے کے ساتھ اسکا تصادم شروع ہو چکا تھا۔برعظیم کے صوفیانہ حلقوں میں آزاد خیالی کا دور دورہ تھا۔ایسی معروضی صورتحال پوری طرح وجود پذیر ہو چکی تھی جس نے اکبر اور اسکی مذہبی حکمت عملی کو کوجنم دیا تھا۔۱۱۱

شیخ عبدالحق محدث دہلوی طبقہ امراء سے تعلق رکھتے تھے ان کے آباواجداد میں سے اولین طور پر آغا محمد ترک سلطان علاءالدین خلجی کے عہد حکومت میں اپنے قبیلے کے ہمراہ ہجرت کر کے ہندوستان آئے تھے۔یہاں آنے کے بعد انہوں نے شاہی دربار سے تعلق پیدا کر لیا تھا۔۱۱۲ شیخ عبدالحق کے دادا شیخ سعداللہ اور والد شیخ سیف الدین بھی تصوف کی جانب مائل تھے۔۱۱۳

شیخ عبدالحق کی ابتدائی زندگی صوفیانہ آزاد خیالی کے اس تہذیبی ماحول میں بسر ہوئی۔انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد شیخ سیف الدین سے حاصل کی۔۱۱۴ پندرہ سولہ سال کی عمر میں انہوں نے مختصر معانی اور مطول کا مطالعہ مکمل کر لیا اور بیس برس کی عمر میں فلسفہ ارادت اور فقہ وحدیث کی تعلیم بھی مکمل کر لی۔۱۱۵

حصول علم کے بعد انہوں نے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔کچھ عرصہ بعد فتح پور سیکری کا سفر اختیار کیا جو اکبر کا دارالحکومت ہونے کی وجہ سے مرزا نظام الدین احمد اور ملا عبدالقادر بدایونی کی صحبت اختیار کی۔۱۱۶

شیخ کے سوانح متاثر کیا تھا۔صوفیانہ آزاد خیالی کے ماحول میں پرورش پانے کی بنا پر فتح پور سیکری کے فکری اور ثقافتی ماحول میں خود کو جذب کرنا شیخ عبدالحق کے لئے دشوار نہ تھا۔فیضی ابوالفضل اور اکبر اس قدر آگے نکل چکے تھے کہ شیخ ان کا ساتھ نہیں دے سکتے تھے۔لہذا نفسیاتی طور پر انہوں نے پیچھے ہٹنا شروع کیا۔۱۱۷ اس وقت شیخ موسیٰ گیلانی اکبری دربار کے منصبدار ہونے کے باوجود راسخ العقیدہ اور قدامت پسند تھے۔۱۵۷۷ء میں شیخ عبدالحق نے انہیں اپنا رہنما تسلیم کر دیا۔۱۱۸

شیخ عبدالحق کے ذہن میں اکبری دور کی روشن خیالی کے خلاف ردعمل شدید تر ہوتا چلا گیا۔یہاں تک کہ انہوں نے حرمین شریفین کی جانب روانہ ہونے کا فیصلہ کر لیا۔یہ ۱۵۸۷ء کا واقعہ ہے۔انہوں نے اس زمانہ میں ممتاز مذہبی عالم شیخ وجیہہ الدین علوی سے کسب فیض کیا۔جو اپنے عہد میں ملک المحد ثین کے نام سے پکارے جاتے تھے۔۱۱۹

۱۵۸۷ میں مکہ مکرمہ پہنچ گئے موصوف نے ۱۵۹۰ء تک وہیں قیام کیا۔یہاں انہوں نے مختلف علماء کی جانب رجوع کیا۔اور جملہ کتب صحاح کے سماع کے ساتھ ساتھ علم حدیث کی بھی تکمیل کی۔۱۲۰ جس واقعہ نے شیخ کو سب سے زیادہ متاثر کیا۔وہ راسخ العقیدہ، جہاندیدہ صوفی، شیخ عبدالوہاب متقی کی صحبت کا میسر آنا تھا۔۱۲۱

شیخ عبدالوہاب متقی نے شیخ عبدالحق کو علم حدیث کا آفتاب و ماہتاب بنا دیا۔شیخ ان کی خدمت میں دو سال سے زیادہ مقیم رہے۔اس مدت میں احادیث نبوی اور علوم حدیث کے معارف سے اپنا دامن بھرتے رہے۔۱۲۲

شیخ عبدالوہاب متقی فلسفہ وحدت الوجود سے گریز کی جانب رجحان رکھتے تھے۔انہوں نے شیخ عبدالحق کو ہدایت کی تھی کہ وہ فلسفہ الوجود کی گہرائیوں میں جانے سے گریز کریں۔وہ کہا کرتے تھے کہ ابن عربی کے شاہکار "فصوص الحکم" کے واضحات سے محفوظ ہونا چاہیے لیکن مبہمات سے پرہیز کرنا چاہیے اس میں شکر بھی ہے اور ذہر بھی۔۱۲۳

شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی تمام عمر اسی مسلک پر قائم رہے۔انہوں نے فلسفہ وحدت الوجود کے مسائل پر کم ہی توجہ دی ہے۔۱۲۴ حجاز سے واپسی پر انہوں نے بقایا زندگی درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے لئے

وقف کردی۔ ۱۲۵

تذکرہ نگاروں نے ان کی تصانیف کی تعداد سو سے زائد بیان کی ہے۔ ۱۲۶

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے "حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی" میں انکی مطبوعہ تصانیف کی ایک فہرست دی ہے جس میں ساٹھ کتب شامل ہیں۔ ان کی تمام تصانیف مذہبی الٰہیاتی تاریخی اور علمی موضوعات سے تعلق رکھتی ہیں۔

بلاشبہ برعظیم میں اسلامی علوم کے احیاء و فروغ کے سلسلے میں ان کتابوں نے نمایاں کردار ادا کیا اور ان کی مدد سے احیائے دین کی تحریک کو بہت تقویت پہنچی تھی۔ ۱۲۷

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے تصنیف و تالیف کے علاوہ سماجی شعور کے مختلف نمائندوں اور حکمرانوں کو مختلف خطوط بھی لکھے تھے۔ جنکا مقصد ان لوگوں کو احیائے دین کی طرف راغب کرتا تھا۔ مزید برآں انہوں نے اپنے شاگردوں کے ذریعہ بھی دینی علوم کے فروغ میں حصہ لیا۔ جب اکبر کے بعد ہندوستان کی صورتحال قدرے تبدیل ہوئی تو شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی مقبولیت میں اضافہ ہونے لگا اور ان کی علمی اور دینی خدمات کا اعتراف کیا جانے لگا۔ شہنشاہ جہانگیر بھی ان کی علمیت کا معترف تھا۔ چنانچہ وہ شیخ کو اہل علم و فضل میں شمار کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ شیخ صاحب نے شرف حضوری حاصل کر کے اپنی ایک تصنیف میری نظر سے گزاری۔ اس کتاب میں ہندوستان کے علماء اور مشائخ کے حالات زندگی درج ہیں۔ ۱۲۸

آپ نے عہد اکبری سے لیکر اپنے عہد تک دینی و سیاسی حالات و واقعات کا جائزہ لے کر بڑے غور و فکر کے بعد دینی نصاب تعلیم میں قرآن حدیث کو مقدم قرار دیا اور ہر طالب علم کے دل پر یہ نقش کرنے کی کوشش کی کہ جو شخص قرآن کریم کی تفسیر میں رائے کو دخل دے وہ کفر و الحاد کا مرتکب ہے، وہ علم، علم نہیں جو تقویت دین وصلت کا باعث نہ ہو۔ ۱۲۹ علاوہ ازیں فقراء اور مساکین کی حاجات بھی گوش گزار کیں۔

راسخ الاعتقادی کے احیاء کے لئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کاوشیں خاص طور پر دو حوالوں سے اہم ہیں۔ ایک تو قرون وسطیٰ کی آلاہ پرستی کی نفی کرنے کی خاطر انہوں نے اپنی صلاحیتیں علم حدیث کے فروغ کے

لئے وقف کر دیں۔ دوسرے صوفیانہ آزاد خیالی کے خاتمہ اور طریقت کو شریعت کی حدود کے اندر رکھنے کے لئے ان کی تگ ودو ہے۔۱۳۰

شیخ عبدالحق جب ہندوستان آئے تو یہ وہ زمانہ تھا جب اکبر کے غیر متعین مذہبی افکار نے دین الٰہی کی شکل اختیار کر لی تھی۔ ملک کا سارا ایک متعصب ملا کے نظریات قرار دے کر قابل اعتنا نہ سمجھا جائے تب بھی ایسے تاریخ شواہد موجود ہیں، جن کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اکبر کے دل میں اسلام کی عظمت قائم نہیں رہی تھی۔۱۳۱ بادشاہ کی اس بے راہ روی نے عوام کی زندگی پر بڑا اثر ڈالا حد تو یہ ہے کہ دور سے اور خانقاہیں تک اس کے مسموم اثرات سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ ابوالفضل نے آئین اکبری میں اس کے اقوال "می فرمورند" کے عنوان سے جمع کیے۔ ان میں متعدد جگہ " کیش احمدی، کہہ کہ فقہ اسلامی کا مذاق اڑایا گیا۔۱۳۲

شیخ محدث ان حالات میں جب ہندوستان حجاز سے واپس آئے۔ اس زمانے میں علوم دینی کا بے پناہ سرمایہ ان کے سینے میں تھا۔ اور اسی مذہبی انتشار کو دور کرنے کے لئے انہیں محاز کا کام لینا تھا۔۱۳۳

حجاز سے واپسی پر شیخ عبدالحق نے دہلی میں مسند ارشاد بچھادی۔ شمالی ہندوستان میں اس زمانہ میں یہ پہلا مدرسہ تھا، جہاں سے شریعت وسنت کی آواز بلند ہوئی۔۱۳۴

شیخ محدث اور بادشاہان وقت

شیخ عبدالحق محدث دہلوی سلیم شاہ سوری کے عہد میں پیدا ہوئے تھے اور شاہ جہاں کے سن جلوس میں انہوں نے وصال فرمایا۔ آخری تین بادشاہوں کے عہد کو انہوں نے اچھی طرح دیکھا۔ انہوں نے کبھی سلاطین یا ارباب حکومت سے کوئی تعلق رکھنا پسند نہیں کیا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ دربار شاہی میں آمدورفت سے علمی کاموں میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ دوسرا علمی کام اور درباری ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے۔ تیسرے شیخ محدث کی خوددار فطرت شاعرانہ مبالغہ آرائی سے انکار کرتی تھی۔ وہ دربار میں قصیدہ خوانی کا کام کس طرح کر سکتا ہے۔ اکبری دور میں ملت کی ابتری کا حال دیکھ کر حجاز چلے گئے۔ جب شیخ عبدالوہاب متقیؒ نے مجبور کر کے ہندوستان واپس

کر دیا تو یہاں آ کر گوشہ نشین ہو گئے۔ جب اکبر کا انتقال ہوا تو انہوں نے شیخ فرید کو عربی زبان میں ایک نہایت پر معنی خط لکھا ہے کہ یہ خط شیخ فریدؒ کی معرفت جہانگیر کو بھجوایا گیا تھا۔ ۱۳۵

جہانگیر کی تخت نشینی کے وقت انہوں نے ضروری سمجھا کہ نئے بادشاہ کو اس کے فرائض اور پابندیوں سے آ گاہ کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے ایک رسالہ نورانیہ سلطانیہ تصنیف کیا اور اس میں قواعد وارکان سلطنت پر تفصیلی بحث کی اور بعد میں انہوں نے شاہ جہاں کے لئے ایسی چالیس احادیث جمع کیں جن میں رسول ﷺ نے سلاطین کو نصیحتیں فرمائیں۔ اس رسالہ کا نام انہوں نے "ترجمہ الاحادیث الاربعین فی نصیحۃ الملوک والسلاطین رکھا۔ ۱۳۶

اکبر کے انتقال کے بعد غالباً شیخ محدث نے بادشاہوں سے کچھ تعلقات رکھنے ضروری سمجھے تاکہ دین کی صحیح تعلیم کسی نہ کسی طرح ان تک پہنچائی جا سکے۔

جہانگیر کے سن ۱۴ جلوس میں شیخ محدث بادشاہ سے ملاقات کے لئے دربار تشریف لے گئے۔ جہانگیر اپنی توزک میں لکھتا ہے:

"شیخ عبدالحق دہلوی جو اہل فضل اور ارباب سعادت میں سے ہیں۔ میرے یہاں آنے پر تشریف لائے۔ انہوں نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں ہندوستان کے مشائخ کے حالات درج ہیں۔ میں نے اس کو دیکھا، اس کی تصنیف میں انہوں نے بڑی محنت کی۔ مدت سے دہلی کے ایک گوشہ میں توکل وتجرید کی زندگی گزار رہے ہیں۔ وہ مرد گرامی ہیں۔ ان کے صحبت سے ذوق نہیں۔ میں نے ان کو بہت سی عنایات ونوازشات کے بعد رخصت کیا۔ ۱۳۷

جہانگیر نے شیخ محدثؒ سے متاثر ہو کر ایک گاؤں (بکروالا) جاگیر کے طور پر پیش کیا۔ شیخ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ بادشاہ کے اصرار پر آپ نے مجبوراً قبول کر لیا"۔ ۱۳۸

آخری زمانہ میں جہانگیر کے تعلقات شیخ محدث سے خراب ہو گئے۔ جہانگیر نے دونوں کو کشمیر بلایا۔ شیخ نورالحق کو حکم ہوا کہ کابل چلے جائیں۔

شیخ محدث جب لاہور پہنچے تو سخت پریشان تھے۔ حضرت میاں میرؒ صاحب نے وجہ پوچھی۔ شیخ نے فرمایا کہ پیرانہ سالی میں وطن اور بچوں سے جدا ہونے کا غم ہے۔ شیخ ابھی کشمیر نہ پہنچے تھے کہ جہانگیر کا انتقال ہو گیا اور وہ اپنے بیٹے کے ساتھ دہلی واپس آ گئے۔ ۱۳۹

مراۃ الحقائق میں یہ بھی لکھا ہے کہ نور جہاں اور شیخ محدث کے تعلقات اچھے نہ تھے۔ مشہور ہے کہ ایک دفعہ نور جہاں نے شیخ محدث کو بلایا، شیخ نے جواب میں کہلا بھیجا:

"فقیر کا بادشاہوں یا بیگمات کے پاس کچھ کام نہیں۔ فقیر کے لائق جو امر ہو کہلا بھیجیئے کہ اس کے انجام میں حتی الامکان دریغ نہ ہوگا"۔ ۱۴۰

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی زندگی میں سب سے زیادہ توجہ علم حدیث کے فروغ پر صرف کی تھی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ فلسفہ الوجود، صوفیانہ آزاد خیالی، عقل پرستی کی روز افزوں مقبولیت نے وحدت، انسان دوستی عقل اور جذبے پر اصرار کرتے ہوئے فرد اور خدا کے درمیانی واسطے کو بنیادی اہمیت کا حامل تصور کرنے کے عقیدے کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ اکبری عہد میں اس رجحان کو بہت تقویت ملی تھی۔ ۱۴۱

موصوف حضرت شیخ سرہندی الف ثانی کے ہم عصر تھے۔ ابتداء میں ان کے بعض اقوال اور باطنی ادراکات پر شرعی نقطہ نگاہ سے گرفت بھی کی تھی۔ جس کی تفصیل کتاب معارج الولایت میں مذکور ہے۔

شرح مشکواۃ عربی و فارسی، کتاب صراط مستقیم، اخبار الاخبار، شرح فتوح الغیب، کتاب جذب القلوب، مرج البحرین، مدارج النبوت، تکمیل الایمان، شرح سفر السعادت اور دیگر کئی ایک رسائل علم تصوف میں آپ کی شہرہ آفاق تصانیف ہیں۔ ۱۴۲

موصوف علماء عبار و فضلائے ذوی الاقتدار و عالم باعمل مشائخ بے مثل زہد و ریاضت میں ثانی نہ رکھتے تھے۔ حضرت عبدالقادر جیلانی سے نہایت اعتقاد تھا۔ پہلے سید جمال الدین ابوحسن موسیٰ پاک شہید گیلانی خلف شیخ حامد گیلانی کے مرید ہو کر استفادہ کا اور خرقہ خلافت پایا۔ اور شریعت و طریقت میں مقتدائے روزگار ہوئے۔ علم تفسیر اور حدیث کی شیخ عبدالوہاب متقیؒ سے تکمیل کی۔ عہد جہانگیری میں مقبول خاص و عام ہوئے۔ موصوف بادشاہ سے

جو کچھ بھی کہتے اسی طرح بادشاہ عمل میں لاتے ۔۱۴۳

شیخ محدث کے روحانی پیشوا:

شیخ محدث نے ابتداء میں اپنے والد ماجد مولانا سیف الدین سے روحانی تعلیم وتربیت حاصل کی ۔حضرت سید موسیٰ گیلانی جو سلسلہ قادریہ کے مشہور بزرگ ہیں ۔ان سے شیخ محدث کو بڑی عقیدت تھی ۔لہذا ۹۸۵ھ/ ۱۵۷۷ء عیسوی میں موسیٰ پاک سے وابستہ ہوئے اور انہوں نے اپنی خلافت سے نوازا ۔حضرت خواجہ باقی باللہ مشہور ترین بزرگ ہیں ۔جنکی پوری زندگی احیائے سنت میں گزری ۔شیخ محدث نے آپ کے دست حق پرست پر بھی بیعت کی ۔۱۴۴

شیخ محدث نے ابتداء ہی سے علوم ظاہر کے ساتھ ساتھ علوم باطن کا بھی پورا پورا خیال رکھا۔ عام لوگوں کی صحبت اور میل جول سے محروم رہے ۔یہ جلال الدین اکبر کا دور تھا۔ جبکہ شرع کی بے حرمتی اور بدعات عروج پر تھیں ۔اکبر اور اسکے امراء نے بہت کوشش کی کہ وہ ان کے ساتھ مل جائیں ۔اس دور کے مذہبی حالات سے گھبرا کر شیخ محدث حجاز تشریف لے گئے ۔۱۴۵

حجاز سے واپسی پر شیخ عبدالحق کی فکری اور ذہنی نشوونما مکمل ہو چکی تھی ۔چنانچہ انہوں نے دینی علوم کے فروغ کو وسیلہ نجات تصور کیا، اور اپنی بقیہ زندگی درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے لئے واقف کردی ۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی میں ان کی مطبوعہ تصانیف کی ایک فہرست دی ہے جس میں ساٹھ کتب شامل ہیں ۔شیخ نورالحق کے نام ایک خط میں شیخ نے لکھا تھا۔" کہ میری تالیفات کی تعداد اسی سے نوے تک پہنچ چکی ہے ۔۱۴۶ کہا جاتا ہے کہ انکی ۷۴ تصانیف مولوی محمد انوارالحق صاحب حقی دہلوی کے کتابخانے میں موجود تھیں ۔۱۴۷ یہ تمام تصانیف مذہبی الہیاتی تاریخی اور علمی موضوعات سے تعلق رکھتی تھیں ۔خود شیخ نے اپنی نگارشات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ میری تصنیف وتالیف میں یہی عادت ہے کہ میں بزرگوں کے اقوال کو اپنی کتابوں میں جمع کرتا ہوں ۔اور انہی کے اقوال کی طرف مراجعت کرتا ہوں ۔۱۴۸ بلاشبہ برعظیم میں

اسلامی علوم کے احیاءاور فروغ کے سلسلہ میں ان کتابوں نے نمایاں کردار ادا کیا اور ان کی مدد سے احیائے دین کی تحریک کو بہت تقویت پہنچی تھی۔۱۴۹

شیخ عبدالحق نے ایک دارالعلوم کی بنیاد ڈالی اور قرآن وحدیث کی تعلیم میں مشغول ہو گئے اور یہ سلسلہ زندگی کے آخری لمحات تک جاری رہا۔۱۵۰

<u>حضرت شیخ محدث اوران کے معاصرین:</u>

حضرت مجددالف ثانی۔

حضرت شاہ ابوالمعالی۔

شیخ عبداللہ نیازی۔

نواب مرتضٰی خان شیخ فرید بخاری۔

عبدالرحیم خان خاناں۔

ابوالفیض فیضی۔

عبدالقادر بدایوانی۔

مرزا نظام الدین احمد بخشی۔

ابوالفضل۔

میر سید طیب بلگرامی۔

محمد غوث شطاری۔۱۵۱

شیخ محدث کی اولاد:

شیخ محدث کے تین فرزند ہوئے۔سب سے بڑے فرزند شیخ نورالحق اپنے والد کی طرح صاحب علم وفضل ہوئے۔شیخ نورالحق نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔اور اپنے والد کی حیات میں شاہ جہاں کے عہد میں

اکبرآباد کی قضا کا عہدہ قبول کرلیا۔ دوسرے فرزند شیخ علی محمد جید عالم اور بزرگ تھے۔ تیسرے فرزند شیخ محمد ہاشم علم حدیث میں خاص مناسبت رکھتے تھی۔۱۵۲

شاہ علی محمد بن حسین شاہ:

سلسلہ قادریہ کے ایک بزرگ شاہ علی محمد بن حسین شاہ ۹۵۰ھ/۱۵۷۰ء میں مشہد سے ملتان تشریف لائے اور حضرت سید محمد غوث بندگی گیلانی اچوی کے ہاتھ پر بیعت کر کے مرشد کی اجازت سے دریائے چناب کے کنارے شیر شاہ کے مقام پر چلے گئے جہاں انہوں نے مسلسل بارہ سال ریاضت ومجاہدہ میں گزارے اوران کی نسبت اسے یہ علاقہ (چاہ چلہ والا) کے نام سے مشہور ہوا۔ موصوف نے ملتان میں ہی وفات پائی اور دریائے چناب کے کنارے شیر شاہ کے مقام پر شہنشاہ جلال الدین اکبر نے انکا مزار تعمیر کروایا۔ جو سیلاب آنے کے بعد منہدم ہو گیا اس وجہ سے انکا تابوت دوسری مرتبہ مبارک چاہ شریفاں والا نزد شیر شاہ میں دفن کیا گیا۔ موصوف صاحب کرامات تھے۔ لاکھوں انسان ان کے عقیدت کیش تھے ان کی یاد میں ہر سال ان کے مزار پر میلہ لگتا ہے جسے شیر شاہ کا میلہ کہتے ہیں۔۱۵۳

باباشاہ جمال قادری (ہم عصر بادشاہ اکبر، جہانگیر، شاہجہان)

سلسلہ قادریہ کے ایک اور بزرگ باباشاہ جمال قادری بھی جلال الدین اکبر کے دور حکومت میں لاہور آئے۔ باباشاہ جمال قادری سہروردی کے حالات زندگی کسی قدیم تذکرہ میں موجود نہیں۔ حضرت شاہ جمال اور شاہ کمال دو حقیقی بھائی تھے۔ جب حضرت شاہ جمال قادری لاہور تشریف لائے، بے شعار علمائے کرام، صوفیائے عظام سے ملے اور بے حساب لوگوں کو دین اسلام کی طرف راغب کیا اور ترویج واشاعت اسلام کے لئے تقریباً نصف صدی تک بہت کام کیا۔۱۵۴

جس زمانہ میں حضرت شاہ جمال قادری لاہور تشریف لائے ان دنوں اکبر کی حکومت تھی۔ اس کی وفات کے بعد نورالدین جہانگیر تخت نشین ہوا۔ جہانگیر کے زمانہ میں اس کے بیٹے شہزادہ خسرو نے بغاوت کی اور سیاسی

افراتفری کے اس دور میں جہانگیر کی وفات کے بعد شاہ جہان تخت نشین ہوا۔ اس کے دور میں بے شمار علماء و فضلاء نے دینی مدارس اور خانقاہیں قائم کر کے علوم اسلامیہ کی ترویج و اشاعت کی۔ شہزادہ دارا شکوہ نے بھی اسی زمانے میں لاہور میں اپنے محلات تعمیر کئے اور صوفیائے کرام سے ملنے لگا۔ ۱۵۵

حضرت ملا بدخشی، حضرت میاں میر قادری اور حضرت شاہ بلاول قادری سے تو وہ کئی دفعہ ان کی خانقاہوں میں جا کر ملا۔ جہانگیر اور شاہ جہاں بذات خود صوفیائے کرام کے معتقد تھے۔ انہوں نے لاہور کے کئی صوفیائے کرام کی خانقاہوں کے لئے گراں قدر عطیات دیئے۔ یہ زمانہ ایک طرف بادشاہت حاصل کرنے کے لئے قتل و غارت کا تھا وہاں دوسری طرف صوفیائے کرام اپنے مقصد حیات کو سامنے رکھ کر ترویج اسلام کر رہے تھے۔ ۱۵۶

ملا عبدالقادر بدایونی اپنی مشہور زمانہ تصنیف منتخب التواریخ میں رقم طراز ہے۔

"حضرت شاہ جمال ۱۵۹۶ء سے قبل لاہور آ چکے تھے اکبر نے دین الٰہی کو اپنی موت تک نہ چھوڑا جب وہ ۱۶۰۵ء میں فوت ہوا تو امرائے سلطنت اور علمائے کرام نے جہانگیر کی تخت نشینی کے لئے اس شرط پر مدد کی کہ وہ اکبر کے جاری کردہ تمام قوانین منسوخ کر دے۔ چنانچہ جہانگیر نے اس امر کا اعلان کر کے تخت حاصل کیا۔ ۱۵۷

جہانگیر کے بعد شاہ جہاں تخت نشین ہوا تو اس نے بھی دین الٰہی سے بیزاری کا اعلان کیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت شاہ جمال قادری سہروردی نے ان تینوں بادشاہوں کا زمانہ دیکھا ہے۔ سجدہ تعظیمی بجا نہ لانے پر جہانگیر نے حضرت مجدد الف ثانی کو گوالیار کے قلعے میں نظر بند کر دیا گیا لازمی طور پر صوفیائے لاہور پر اسکا گہرا اثر ہوا انہوں نے بھی اس دین کی سخت مخالفت کی چنانچہ اکبر اور اسکے بے دین وزراء نے کئی ایک نامی گرامی علمائے لاہور کو دور دراز مقامات پر قاضی مقرر کیا۔ اکبر بذات خود ۱۵۸۶ء سے لیکر ۱۵۹۹ء تک لاہور میں ہی قیام پذیر رہا۔ لیکن وہ یہاں سے ایک بھی مرید نہ بنا سکا۔ ۱۵۸ علماء و صوفیاء لاہور نے اسکی شدت سے مذمت کی ظاہر ہے حضرت شاہ جمال جو اس زمانہ میں لاہور میں ہی تھے نشر و اشاعت اسلام کے لئے کوشاں تھے۔ انہوں نے اپنے حلقہ ارادت میں آنے والے مریدین سے اسکی مذمت کی ہو گی مگر تاریخ اس بارے میں بالکل خاموش ہے۔ ۱۵۹

تعمیر دمدمہ:

یہ دمدمہ حضرت شاہ جمال نے اپنی زندگی میں تعمیر کروایا تھا مولف تاریخ لاہور میں لکھتا ہے کہ دمدمہ دو منزل کا طول وعرض اس سے نصف اوس کے اوپر شاہ جمال کی قبر ہے۔۱۶۰ پھر لکھتا ہے کہ پہلے یہ دمدمہ هفت منزلہ تھا اور اسکے قرب میں ایک شہزادی کا باغیچہ تھا۔ جو اکبر بادشاہ کے رشتہ داروں میں سے تھی اس نے کہلا بھیجا کہ "حضرت کا دمدمہ بلند ہے جس سے میرے محل پر نظر پڑتی ہے۔ موصوف اسکو پست کرلیں چنانچہ اس شب بحالت وجد دمدمہ کی ساتویں منزل پر رقص کیا تو پانچ منزلیں زینے میں دھنس گئیں۔ اور دو منزلیں موجود رہ گئیں۔۱۶۱

مصنف حدیقۃ الاولیاء لکھتا ہے کہ اس وقت شاہی عمارتیں جا بجا تعمیر ہو رہی تھیں معمار اور مزدور دن کو شاہی کام کرتے اور رات کو دمدمہ کی تعمیر میں مصروف رہتے۔

اس طرح یہ سات منزلہ دمدمہ تعمیر ہوا۔۱۶۲

مفتی غلام سرور لاہوری نے اپنی تالیف خزینۃ الاصفیاء میں لکھا ہے کہ دمدمہ کے قریب شہزادی سلطان بیگ ۱۶۳ دختر شہنشاہ جلال الدین اکبر کا محل باغ بارہ دری اور تالاب تھا۔

جلال الدین اکبر اور خواجہ بندگی شیخ محمد نظام الدین امیٹھوی کے تعلقات:

ہندوستان میں اسلام کی اشاعت شاہان اسلام کی مرہون منت نہیں بلکہ یہاں جتنی بھی اشاعت ہوئی وہ اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کی وجہ سے ہے۔ انہوں نے خود کو خدمت اسلام کے لئے وقف کر دیا تھا۔

ہندوستان میں جب اکبر کے دور میں دین الٰہی کے نام سے کفر کی اشاعت شروع ہو رہی تھی۔ اس وقت جن حضرات نے ان کے سدباب کے لئے جدوجہد کی ان میں خواجہ بندگی نظام الدین ثانی امیٹھوی، حضرت مجدد الف ثانی کا نام ہمیشہ روشن رہے گا۔ انہیں مقدس حضرات کے فیضان سے مسلمانوں کو صراط مستقیم کی رہنمائی ہوئی اور دین الٰہی کا نام مٹ گیا۔۱۶۴

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

"بندگی شیخ نظام الدین امیٹھوی صاحب حال مجذوب وسالک تھے۔ سلوک کی حالت میں انہوں نے بڑی بڑی ریاضتیں کی تھیں۔ آپ اکثر بیشتر طریقت کے طریقے بیان کرتے۔ ۱۶۵

شیخ معروف جونپوری کے مرید تھے۔ ۱۶۶ نیک اعمال میں مصروف رہتے اور اہل لوگوں سے راز ہائے توحید وحقائق بیان کرتے۔ ۱۶۷

ملا عبدالقادر بدایونی منتخب التواریخ میں لکھتے ہیں کہ شیخ بندگی نظام الدین امٹھوی اس قصبہ کے رہنے والے اور شیخ معروف چشتی کے شاگرد اور مرید ہیں انکا سلسلہ شیخ نور قطب العالم سے ملتا ہے۔ ۱۶۸ تھوڑے عرصہ میں اپنے پیر سے ارشاد وتکمیل کی اجازت لیکر قصبہ امیٹھی میں آ کر کرہ گئے۔ یہاں وہ بڑے توکل وقناعت سے رہتے تھے بجز جامع مسجد کے کہیں نہیں جاتے تھے محمد حسین خان شکر یہ جو مغل بادشاہ اکبر کے جانب سے اودھ کا صوبہ دار تھا اسکو حضرت شیخ سر بڑی عقیدت تھی۔ ۱۶۹

<u>نسب نامہ:</u>

حضرت شیخ کے مورثان اعلی قبائل قریش سے تھے۔ جو اپنے وطن عرب سے عجم آن بسے تھے اور وہاں سے ہندوستان تشریف لائے۔

"شیخ الاسلام حضرت بندگی شیخ نظام الدین بن شیخ یسین بن شیخ فخر الدین عرف مخدوم بن شیخ ابوالفضل بن شیخ تاج الدین بن شیخ اسماعیل عرف نجم الدین بن شیخ معروف بن شیخ شمس الدین بن شیخ صلاح الدین بن شیخ اسماعیل بن شیخ سدی سقطی وہومن اولاد عثمان بن عفان ذی النورین۔ ۱۷۰

ان کے آباء میں سے حضرت شیخ معروف کو ہندوستان کے سلاطین ماضیہ میں سے کسی نے امیٹھی میں سکونت کے لئے جگہ عنایت فرمائی۔ اور قضا کا عہدہ آپ کے سپرد کیا۔

شیخ الاسلام حضرت بندگی کی شیخ نظام الدین ۹۰۰ھ/۱۴۹۴ء میں امیٹھی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حضرت بہاء الحق عرف مخدوم شیخ المشائخ سے حاصل کی چودہ سال کی عمر میں جونپور روانہ ہوئے شاہیر علماء عصر

حضرت معروف جونپوری اور حضرت شیخ نظام الدین کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے۔ حضرت شیخ معروف ان پر حد درجہ توجہ فرماتے تھے۔ جب حضرت شیخ علم ظاہری و باطنی کو پایہ تکمیل تک پہنچا چکے تو چند دنوں کے لئے حضرت شیخ سعدالدین کی خانقاہ خیرآباد (ضلع سیتاپور) میں اقامت پذیر خانقہ قصبہ خیرآباد (ضلع سیتاپور) میں اقامت پذیر ہوئے یہ ہمایوں کا دور تھا۔ ۱۷۱ ۹۴۶ھ/۱۵۳۹ء میں شیر شاہ سوری نے ہندوستان کو صوبہ سندھ تک فتح کر لیا اور حق و استحقاق کے مطابق جاگیریں تقسیم کیں۔ اتفاق سے اسی زمانے میں حضرت شیخ بھی شیر شاہ سوری کے پایہ تخت کے قریب اقامت گزیں تھے۔ بادشاہ نے جب ان سے ملاقات کی تو سرکار قنوج میں پرگنہ موضع کوثرہ میں چار سو بیگھہ اراضی پیش کی۔ ۹۶۴ھ/۱۵۵۷ء میں اپنے وطن امیٹھی واپس آ گئے۔۱۷۲

حضرت شیخ کی دعا کا اثر تھا کہ بادشاہ ہمایوں واپس ہندوستان آیا۔ اسکی وفات کے بعد جب ہیمون بقال کی فوج حکومت پر قابض ہوئی تو پھر مسلمان امراء نے متفق ہو کر ۹۶۳ھ میں جلال الدین اکبر کو تخت پر بٹھا دیا۔ یہ حضرت شیخ نظام کی دعاؤں کی قبولیت تھی کہ ظہور پذیر ہوا۔۱۷۳ جب افغان قوم جنگ و قتال میں مصروف تھی ان حالات کو سن کر آپ نے فرمایا "ایک شیر خوار بچہ سلطنت کے گھوارے میں پرورش پا رہا ہے ملک ہنداسکو سونپ دیا گیا ہے یہ لوگ خواہ مخواہ آپس میں جھگڑ رہے ہیں" یہ اشارہ جلال الدین اکبر کی جانب تھا۔

منقول ہے کہ جب آپ کے مرتبہ غوثیت کی تمام عالم میں شہرت ہوئی تو جلال الدین محمد اکبر کے دل مین آپ کی زیارت کا خیال پیدا ہوا۔ وہ آپ کے حضور حاضر ہونے کے لئے حد سے زیادہ مائل اور شائق تھا اپنے دارالخلافہ اکبرآباد (موجود آگرہ) سے امیٹھی کی جانب روانہ ہوا۔

جب حضرت شیخ کو بادشاہ کے آنے کی اطلاع ملی تو استقبال کے لئے روانہ ہوئے۔ اس بات سے اکبر کو تعجب ہوا کہ شیخ نظام نے کبھی حجرے سے قدم نہیں نکالے۔ پھر یہ راستہ کیونکر طے کریں گے اس لئے شہنشاہ خود بھی پیدل ہو گئے۔ ملاقات و معانقہ کیا خاص و عام لوگوں نے چاہا کہ ہاتھ قدم کو لگا ہیں اس ہجوم میں کسی کا ہاتھ نہ پہنچ سکا۔ شہنشاہ نے لوگوں کے اس طرز عقیدت کو ملاحظہ فرمایا اور لوگوں کی طرح عقیدت کا اظہار کرنا چاہا۔ مگر اسی وقت حضرت شیخ نے یہ شعر ادا کیا۔

تواضع نہ کردن فرازن نکوست

گدا اگر تواضع کند خوئے اوست

ترجمہ: "بڑے مرتبے والے لوگ اگر عاجزی اور خاکساری کا اظہار کریں تو بڑی اچھی بات ہے فقیر اگر تواضع کرے تو کوئی قابل قدر بات نہیں کیونکہ یہ تو اسکی عادت ہے"۔

حضرت شیخ نے اکبر کا ہاتھ پکڑا اور اپنے مکان کی جانب لے گئے کھانا پیش کیا۔ بادشاہ نے تبرک کے طور پر کچھ تناول فرمایا۔ شہنشاہ نے فرزندوں کی آرزو کی موصوف نے پان کے تین بیڑے عطا فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ جس محل کی جانب مائل ہوں وہاں عنایت کردیں حضرت شیخ نے ہندوستان میں فتوحات کے موقع پر فتح وظفر کی نوید ہمیشہ اکبر کو دی تھی۔ ۱۷۴

حضرت نظام الدین امیٹھی کا سلسلہ اول خاندان چشت سے دوسرا سلسلہ طیفوریہ اور ثالث شجرہ سلسلہ قادریہ ہے۔

ان کے مکتوبات تین طبقات پر مشتمل ہیں طبقہ اولی حقائق ودقائق وتلقین وارشاد کے بیان میں لکھے گئے۔

مغل حکمران اور افغان مشائخ

افغانوں کی مذہبی تاریخ میں ان علماء ومشائخ کا کردار بہت اہم ہے۔ جنہوں نے افغان علاقے میں ارشاد وہدایت اور صحیح اسلامی تعلیم کو وسعت دی ان میں حضرت سید علی غواص المعروف بہ حضرت پیر بابا کو بلحاظ قدامت اور بزرگی خاص مرتبہ حاصل ہے۔ موصوف کے والد نے ہمایوں کے لشکر سے منصب لیا تھا۔ وہ والد کے ساتھ ہندوستان آئے لیکن ان پر فقیری رنگ غالب رہا ان کے مرید اور شاگرد اخوند درویزہ پشاوری کی خدمات قابل ذکر ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ اردو دائرہ معارف علوم اسلامیہ، طبع اول، دانشگاہ پنجاب لاھور، ص، ۷۔

۲۔ ابوالقاسم فرشتہ (اردو ترجمہ) جلد اول ،ص ۴۰۔۴۱ ۔

۳۔ مقدسی، احسن التقاسیم فی معرفتہ الاقالیم، ترجمہ بعنوان ھندوستان عربوں کی نظر میں ۔ص ۳۸۰۔۳۸۸

۴۔ اردو دائرہ معارف علوم اسلامیہ (بحوالہ ق) قادریہ سلسلہ ،ص ۱۳۔

۵۔ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار ،ص ۱۷

۶۔ شیخ احمد سرہندی، مکتوبات امام ربانی، ج ۱،ص، ۲۹۸۔

۷۔ ایضاً۔

۸۔ شیخ محمد اکرام، رود کوثر ،ص، ۵۵

۹۔ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، مطبوعہ دارالاشاعت، کراچی ،ص ۱۷۔

۱۰۔ Yousaf Hussain, Glimpses of medieval Inidan Culture P.53.

۱۱۔ T.P. Hughes, A Dictionary of Islam. P.478.

۱۲۔ ابوالفضل، آئین اکبری، جلد سوم ،ص، ۳۵۷۔

۱۳۔ محمد میاں سید، علمائے ھند کا شاندار ماضی، ص، ۶۱

۱۴۔ مفتی غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، ج ۱،ص، ۶۲۱

۱۵۔ بدرالدین سرہندی ملا، مناقب الاولیاء،ص، ۳۷

۱۶۔ خورشید حسن بخاری، الکمال، ص، ۲۹

۱۷۔ فقیر احمد حسین خان، جواہر مجددیہ ،ص، ۲۳

۱۸۔ محمد حسن صابری، تاریخ آئینہ تصوف، ص، ۳۸

۱۹۔ ذکاء اللہ مولوی، تاریخ ہندوستان، جلد پنجم، ص، ۱۰۹

۲۰۔ خورشید حسن بخاری، الکمال، ص، ۳۸

۲۱۔ غلام علی آزاد بلگرامی، سبحۃ المرجان، ص، ۴۷

۲۲۔ خورشید حسن بخاری، الکمال، ص، ۳۸

۲۳۔ خواجہ حبیب اللہ سرہندی، گلزار الخوارق (قلمی) ورق ۲۱

۲۴۔ خورشید حسن بخاری، الکمال، ص، ۴۱

۲۵۔ محمد صدیق مرزا کیتھلی، مضمون بعنوان حضرت شاہ کمال قادری کیتھلی) مشمولہ ہفت روزہ تحریک ملتان، ۲۰ دسمبر ۱۹۶۷ء

۲۶۔ محمد میاں سید، علمائے ھند کا شاندار ماضی، ص، ۳۳

۲۷۔ Article by Lawarence, Calcuta Review , Oct. 1844

۲۸۔ Gazetteer of the Karnal District. Published by Punjab Govt from 1883-84 to 1935.

۲۹۔ خورشید حسن بخاری، الکمال، ص، ۵۷

۳۰۔ محمد ھاشم کشمی، زبدۃ المقامات، ص، ۱۰۸

۳۱۔ احمد حسین خان خواجہ، جواھر مجددیہ، ص، ۱۰

۳۲۔ محمد میاں، سید، تذکرہ علمائے ہند، ص، ۱۱

۳۳۔ ایضاً، ص، ۱۲

۳۴۔ خورشید حسن بخاری، تذکرہ حضرت شاہ سکندر کیتھلی، ص، ۹۰

۳۵۔ مفتی غلام سرور لاہوری، حدیقۃ الاولیاء، ص، ۱۵۔۱۶

۳۶۔ صباح الدین عبدالرحمٰن، ہندوستان کے سلاطین علماء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر، ص،۱۳۲

۳۷۔ ایضاً ص،۱۳۲

۳۸۔ خواجہ حبیب اللہ سرہندی، گلزارالخوارق (قلمی) ورق الف۔

۳۹۔ عبدالحمید خادم آستانہ کیتھل، شجرہ شریف سلسلہ عالیہ قادریہ کمالیہ سکندریہ، ص،۱۶

۴۰۔ خورشید حسن بخاری، تذکرہ حضرت شہ سکندر کیتھلی، ج،۵، ص،۳۸۱

۴۱۔ بدر محی الدین قادری، دربار قادریہ فاضلیہ کا قرطاس التعارف۔ ص،۸

۴۲۔ محمد حسن صابری، آئینہ تصوف، ص،۶۹

۴۳۔ خواجہ حبیب اللہ سرہندی، گلزارالخوارق، ص،۷۷

۴۴۔ خورشید حسن بخاری، دبدبہ سکندری، ص،۲۱

۴۵۔ شیخ محمد اکرام، رودکوثر، ص۳۸۔

۴۶۔ ٹائی ٹس، انڈین اسلام، اس وصیت کی ایک نقل اسٹیٹ لائبریری بھوپال میں ہے۔ ص،۲۲ (ب) حوالہ شیخ محمد اکرام، رودکوثر، ص۲۳

۴۷۔ S. Lane Poole, Babar. P.16

۴۸۔ شیخ محمد اکرام، رودکوثر، ص،۳۸

۴۹۔ ابوالفرح السید محمد فاضل الدین قادری فی شرح السید محی الدین عبدالقادر، بیان الاسرار، ص،۲

۵۰۔ ابوالفرح محمد فاضل الدین قادری، بیان الاسرار، ص۳

۵۱۔ ایضاً ص،۶

۵۲۔ کتاب مذکور، ص،۱، شیخ محمد اکرام، رودکوثر، ص۶۳

۵۳۔ مفتی غلام سرور لاہور، خزینۃ الاصفیاء، ص۴۲۳

۵۴۔ شیخ محمد اکرام، رودکوثر، ص۶۴

۵۵۔ مفتی غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، ص،۴۲۴

۵۶۔ رئیس احمد جعفری، تذکرہ اولیائے پاک و ہند، ص ۴۲۵

۵۷۔ مفتی غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، ص،۲۰۶

۵۸۔ ایضاً، ج ۱، ص،۲۰۶

۵۹۔ نور احمد چشتی، تحقیقات چشتی، ص،۲۳۹

۶۰۔ مفتی غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، ج ۱، ص،۲۰۶

۶۱۔ پروفیسر محمد اسلم، رسالہ ناطقہ، ورق نمبر ۱۸

۶۲۔ پروفیسر محمد اسلم، مقالہ رسالہ ناطقہ، ورق ۵۷ الف۔

۶۳۔ غلام دستگیر نام، بزرگان لاہور، ص ۴۲

۶۴۔ رائے بہادر کنہیا لال، تاریخ لاہور، ۱۸۸۴ء، ص ۴۲

۶۵۔ مفتی غلام سرور لاہور، خزینۃ الاصفیاء، ص ۴۳

۶۶۔ عبدالمجید لاہوری، بادشاہ نامہ، ج ۱، حصہ دوم، ص ۱۲

۶۷۔ داراشکوہ، سفینۃ الاولیاء (اردو)، ص ۲۲۸

۶۸۔ محمد سرور، مولانا عبیداللہ سندھی، ص ۲۲۵

۶۹۔ محمد سرور، حضرت امام ربانی کی تجدیدی دعوت، ج ۱ شمارہ ۸، جنوری ۱۹۶۴ء ص،۶۔

۷۰۔ محمد اسحاق بھٹی، فقہائے ہند، ج ۴، ص ۳۴

۷۱۔ محمد نذیر رانجھا، سلسلہ قادریہ، مطبوعہ ماہنامہ فجر اشاعت ۱۴۰۵ھ، ص ۳۲

۷۲۔ شیخ محمد اکرام، رود کوثر، ص ۲۶

۷۳۔ فرحت ملتانی، اولیائے ملتان (بار سوم)، ص،۸۰۔

۷۴۔ فرحت ملتانی، اولیائے ملتان، ص،۸۱۔

۷۵۔ فرحت ملتانی، اولیائے ملتان، مکتبہ تنویرادت، ملتان بارسوم، ۱۹۸۶ء، ص، ۸۱

۷۶۔ سید سعد اللہ رضوی، بحرالسرائر فارسی (قلمی نسخہ) ۱۲۹۱ھ رمضان المبارک کے مہینے میں خلیفہ محمد امین کاتب نے مکمل کی۔

۷۷۔ بحرالسرائر فارسی (قلمی)۔ص ۱۸۷

۷۸۔ ایضاً ص ۱۸۸۔۱۸۹

۷۹۔ مفتی غلام سرور لاہوری، حدیقۃ الاولیاء، تحقیق وتعلیق محمد اقبال مجددی۔ اسلامک بک فاونڈیشن، ص، ۱۴۱

۸۰۔ حکم چند لالہ، تواریخ ملتان، ص ۸۱

۸۱۔ عبدالحق محدث دہلوی، اخبارالاخیار، ص، ۲۰۶

مترجم مولانا اقبال احمد صاحب، دارالاشاعت کراچی

۸۲۔ بحرالسرائر قلمی (ص ۱۹۰)۔

۸۳۔ عبدالحق محدث دہلوی۔ اخبارالاخیار، ص ۲۰۸

۸۴۔ مولانا نور احمد فریدی، مضمون بعنوان حافظ محمد جمال الدین موسیٰ پاک شہید مطبوعہ امروز ۳ جون ۱۹۸۳ء۔ موسیٰ پاک شہید کے عرس کے موقع پر خصوصی ایڈیشن شائع ہوا۔

۸۵۔ عبدالقادر بدایوانی، منتخب التواریخ، جلد سوم، ص، ۹۲۔

۸۶۔ شیخ محمد اکرام، رودکوثر، مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۷۹ء، ص، ۳۵۰

۸۷۔ بشیر حسین ناظم، اولیائے ملتان، سنگ میل پبلیکیشنز لاہور، ص ۹۸

۸۸۔ خلیق احمد نظامی، حیات شیخ محمد عبدالحق محدث۔ ص ۱۲۵

۸۹۔ عبدالحق محدث دہلوی، اخبارالاخیار فی اسرارالابرار، ص، ۲۰۶

۹۰۔ عبدالقادر بدایوانی، منتخب التواریخ جلد سوم، ص، ۹۲

۹۱۔ نور احمد فریدی، حافظ محمد جمال الدین موسیٰ پاک شہید، مطبوعہ امروز بابت ۳ جون ۱۹۸۳ء

۹۲۔ مفتی غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، جلد اول، ص ۴۰،

۹۳۔ بشیر حسین ناظم، اولیائے ملتان، سنگ میل پبلیکیشنز، ص ۹۹

۹۴۔ سبطین رضا گیلانی بحوالہ قلمی مضمون بحر السرائر کے ابتدائی صفحات میں تحریر ہے۔ ڈاکٹر روبینہ ترین، ملتان کی ادبی اور تہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا کردار، ص ۲۶۶۔ ۲۶۷۔

۹۵۔ مصنف حضرت موسیٰ پاک شہید مونس الشاغلین۔ ص ۲۔

ترجمہ منشی غلام محی الدین خان وادری مطبع فیروز پور، ۱۳۰۹ھ۔

۹۶۔ شیخ محمد اکرام، بحوالہ رود کوثر، ص ۲۶۔

۹۷۔ بدایوانی، منتخب التوریخ، جلد سوم، ص ۱۴۳۔

۹۸۔ ملا عبد القادر بدایونی، منتخب التواریخ۔ جلد سوم، ص ۳۴

۹۹۔ شیخ محمد اکرام، رود کوثر، ص ۶۸

۱۰۰۔ قصر عارفان، جلد اول، ص ۲۶۷۔

تالیف حضرت شیخ مولوی احمد علی چشتی حیدر آبادی ترجمہ و ترتیب پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی

۱۰۱۔ رئیس احمد جعفری، انوار اصفیاء۔ ص ۴۶۵۔

۱۰۲۔ ادارہ تصنیف و تالیف، انوار اصفیاء، ص ۴۶۶۔

۱۰۳۔ مفتی غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، ص، ۴۵۔

۱۰۴۔ مرزا محمد اختر دہلوی، تذکرہ اولیائے برصغیر (پاک و ہند)، ص ۴۲۔

۱۰۵۔ مفتی غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، جلد اول، ص ۴۶۔

۱۰۶۔ داراشکوہ، سفینۃ الاولیاء ترجمہ ڈاکٹر شیخ بلیغ الدین جاوید۔

منشی محمد دین فوق کی کتاب یادرفتگان میں سن وفات ۱۶۲۵ء ہے۔ نسیم عباسی۔

۱۰۷۔ کتابچہ حضرت شیخ داود کرمانی۔ محکمہ اوقاف حکومت پنجاب لاہور۔

۱۰۸۔ خواجہ کمال الدین، روضۃ القیومیۃ رکن سوم۔ ص ۷۳۔

۱۰۹۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مکتوبات اردو ترجمہ از مولانا محمد فاضل۔ص ،۲۵

۱۱۰۔ مولانہ عبدالمجید سالک، مسلم ثقافت ہندوستان میں۔ص ۲۶۵

۱۱۱۔ قاضی جاوید، برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء۔ادارہ ثقافت پاکستان۔

۱۱۲۔ مولانا محمد فاضل (مترجم) مکتوبات شیخ عبدالحق محدث دہلوی،ص ۲۸۴۔

۱۱۳۔ ایضاً۔

۱۱۴۔ شیخ عبدالحق خودفرماتے ہیں کہ میرے والد خاص طور پر علم توحید کے مسائل اس طرح سمجھاتے کہ گویا علم شہود اور آنکھوں دیکھی باتیں کر رہے ہوں بحوالہ شیخ عبدالحق دہلوی، اخبار الاخیار۔۔

۱۱۵۔ ایضاً۔ اردو ترجمہ از مولانا اقبال الدین احمد۔ص ،۴۰۹۔

۱۱۶۔ سید احمد قادری، تذکرہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ص ،۳۲

۱۱۷۔ شیخ عبدالحق فتح پور سیکری کو صورتحال سے مایوس ہو کر لکھتے ہیں کہ میں ایسا شخص ہوں جو بچپن سے ہی حصول علم اور عبادت گزار کی محنت اور ریاضت میں پلا ہوں۔جب اللہ کے فضل سے مجھے اچھا خاصا حصہ مل گیا تو بعض اہل حقوق نے مجھے دنیا کی طرف بلایا۔میں سلطان وقت اور امراء کے پاس گیا۔انہوں نے میرا مرتبہ بلند کیا اور ارادہ کیا کہ میرے ذریعے اپنی جماعت بڑھائیں اور اپنی طاقت میں اضافہ کریں پس اللہ نے مجھے محفوظ رکھا بحوالہ۔

شیخ عبدالحق دہلوی، المکاتیب والرسائل (قلمی)۔ مطبع مجتبائی دہلی

۱۱۸۔ ڈاکٹر روبینہ ترین، ملتان کی تہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ۔ص ۲۵۸

۱۱۹۔ احمد اقبال، برصغیر پاک وہند میں علم حدیث، طباعت جولائی ۱۹۶۴ء ص ۳۲

۱۲۰۔ مولانا محمد فاضل (مترجم) مکتوبات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۲۸۶

۱۲۱۔ محمد اسحاق بھٹی، فقہائے ہند، ج، سوم ص ۳۰۵

۱۲۲۔ المقدمہ فی بیان بعض مطلحات علم الحدیث سہ ماہی مجلہ جامعہ اسلامیہ بہاولپور، کتاب نمبر اول شمارہ دوم اپریل ۱۹۷۴ء،ص ۱۴۰۔

۱۲۳۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی ،تاریخی مقالات ،ص، ۳۷

۱۲۴۔ ایضاً

۱۲۵۔ غلام سرور لاہوری ،خزینۃ الاصفیاء اردو ترجمہ از مفتی محمود عالم وعلامہ اقبال احمد فاروقی ،جلد اول ،ص ۲۴۶

۱۲۶۔ رحمان علی ،تذکرہ علمائے ہند، مرتبہ ومترجم محمد ایوب قادری ،ص ۲۷۷

۱۲۷۔ قاضی جاوید، برصغیر میں مسلم فکر کا رتقاء۔ص، ۱۲۷

۱۲۸۔ نورالدین جہانگیر ،تزک جہانگیری، اردو ترجمہ از مولوی احمد علی رامپوری ،ص ۳۷۲
مفتی غلام سرور لاہوری اس چیز کی تردید کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ جہانگیر آپ کی ملاقات کے لئے آپ کے مکان پر حاضر ہوا تھا اور آپ نے اپنی کتاب اخبار الاخیار بادشاہ کی نذر گذرانی تھی۔ بحوالہ خزینۃ الاصفیاء، ج ا،ص، ۲۴۷

۱۲۹۔ مفتی غلام سرور لاہور، خزینۃ الاصفیاء، مطبوعہ المعارف گنج بخش روڈ لاہور۔ص، ۲۴۷

۱۳۰۔ ڈاکٹر ظہور الدین احمد، شاہ ابوالمعالی، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۶، مارچ ۱۹۶۷ء، ص ۳

۱۳۱۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ،از خلیق احمد نظامی ،ندوۃ المصنفین اردو بازار دہلی،

۱۳۲۔ آئین اکبری ،ابوالفضل ،ص ۲۲۳

۱۳۳۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ،از خلیق احمد نظامی ،ص ۱۲۵

۱۳۴۔ المکاتیب والرسائل۔ از شیخ عبدالحق محدث دہلوی ،ص ۲۰۲

۱۳۵۔ مراۃ الحقائق، ص ۶۵

۱۳۶۔ حیات عبدالحق محدث دہلوی ،از خلیق احمد نظامی ،مطبوعہ ندوۃ المصنفین ۔

۱۳۷۔ تزک جہانگیری۔ص ،۴۸۲، سرسید ایڈیشن، ۱۸۶۴ء

۱۳۸۔ مراۃ الحقائق۔ ص ۸۹

۱۳۹۔ سکینۃ الاولیاء (قلمی نسخہ) دارشکوہ، ص ۶۴۔۶۵

۱۴۰۔ مراۃ الحقائق۔ ص ۸۷

۱۴۱۔ ڈاکٹر زبید احمد، عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ (اردو ترجمہ) شاہد حسین رزاقی، ص ۶۶۔۶۷

۱۴۲۔ مفتی غلام سرور لاہور بحوالہ خزینۃ الاصفیاء مطبوعہ المعارف گنج بخش روڈ لاہور، ص، ۲۴۷

۱۴۳۔ مرزا محمد اختر دہلوی، تذکرہ اولیائے پاک وہند جلد سوئم، مطبوعہ ملک اینڈ کمپنی غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور، ص، ۵۶

۱۴۴۔ بحوالہ مرزا محمد اختر دہلوی، تذکرہ اولیائے پاک وہند جلد سوم، مطبوعہ ملک اینڈ کمپنی غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور، ص، ۵۶۔

۱۴۵۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، بحوالہ اخبار الاخیار، مترجم مولانا اقبال الدین احمد فاضل ادت لکھنو دارلاشاعت بندر روڈ کراچی، ص، ۱۳۰۔

۱۴۶۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مکتوبات، ص ۲۵۲

۱۴۷۔ محمد سلیم اختر، ہندوستان کی تحریک احیائے دین میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا حصہ۔ تحقیقی مقالہ برائے امتحان ایم۔اے تاریخ، پنجاب یونیورسٹی ۱۹۶۹ء، ص، ۲۴۲۔

۱۴۸۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مکتوبات، ص، ۲۵۲

۱۴۹۔ قاضی جاوید، برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء، ص ۱۲۷۔

۱۵۰۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، دارالاشاعت کراچی، ص، ۱۱۲

۱۵۱۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، دارالاشاعت کراچی، ص، ۱۳۰۔

۱۵۲۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (بحوالہ اخبار الاخیار اردو ترجمہ) مطبوعہ دارالاشاعت کراچی، مترجم مولانا اقبال الدین احمد، ص، ۱۵۔

۱۵۳۔ ڈاکٹر روبینہ ترین، ملتان کی ادبی وتہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ، ص،۲۳۲

۱۵۴۔ مولوی نور احمد چشتی، تحقیقات چشتی، ص ۲۶

۱۵۵۔ شمس العلماء خان بہادر سید محمد لطیف، ہسٹری آف لاہور،۱۸۹۲ء، ص ۴۳

۱۵۶۔ منشی محمد دین فوق، لاہور عہد مغلیہ میں۔ ص ۵۹

۱۵۷۔ عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ جلد دوم، ص،۴۰

۱۵۸۔ منشی محمد دین فوق، تذکرہ العلماء ومشائخ، ص،۱۰۹۔

۱۵۹۔ مفتی غلام سرور لاہوری، حدیقۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) باردوم۔ص،۹۹۔

۱۶۰۔ رائے بہادر کنہیالال، تاریخ لاہور، ص،۱۳۸

۱۶۱۔ ایضاً

۱۶۲۔ مفتی غلام سرور لاہوری، حدیقۃ الاولیا (اردو) باردوم، ص،۱۰۰

۱۶۳۔ اکبر کی صاحبزادیوں کے نام آرام بیگم اور سلطان بیگم تھے۔

V.A. Smith, Oxford History of India. p. 63

۱۶۴۔ مولانا حافظ قاری شاہ محمد سراج، انوار بندگی اردو ترجمہ محبوب القلوب (قلمی) ص،۴

۱۶۵۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، ص ۴۷۴

۱۶۶۔ ایضاً

۱۶۷۔ دور اکبری کے مورخ

۱۶۸۔ عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ، جلد سوم، ص

۱۶۹۔ حافظ قاری شاہ محمد سراج، انوار بندگی، ص،۴

۱۷۰۔ حافظ قاری شاہ محمد سراج، انوار بندگی، ص،۸۔

۱۷۱۔ حافظ قاری شاہ محمد سراج، انوار بندگی، ص، ۳۰

۱۷۲۔ ایضاً

۱۷۳۔ ایضاً

۱۷۴۔ حافظ قاری شاہ محمد سراج، انوار بندگی ترجمہ محبوب القلوب (قلمی)، ص، ۱۵۹۔۱۶۰

باب سوم

"نورالدین جہانگیر، شاہ جہان، شہزادی جہان آرا ،
"شہزادہ داراشکوہ، اورنگ زیب کے تعلقات قادریہ سلسلہ کے
صوفیائے کرام کے ساتھ"۔

"قادریہ سلسلہ کے کئی صوفیائے کرام ایسے تھے
جنہوں نے جہانگیر سے لیکر اورنگ زیب تک کا دور دیکھا
تھا۔ان ادوار میں رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا"۔

حضرت میاں میر قادری لاهوری

حضرت میاں میر قادری مغل حکمرانوں کے دور اول میں سلسلہ قادریہ کی نہایت برگزیدہ شخصیت تھے۔
اس زمانے میں سید محمد مقیم حجرہ شاہ مقیم والے میراں موج دریا شاہ حسین لاهوری، شیخ عبدالقدوس گنگوهی، سید جھولن شاہ جمال لاهوری، حضرت خواجہ باقی اللہ اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی جیسی بزرگ صوفی شخصیات موجود تھیں۔تاریخ پر نظر ڈالنے سے واضح هوتا هے کہ یہ دور صوفیائے کرام کے ایک سیلاب کا دور تھا۔بلکہ پورا برصغیر ان کے فیوضات سے سیراب تھا۔ا

حضرت میاں میر کی انفرادیت یہ هے کہ وہ جمالی وخلوتی درویش تھے اور ترک وتجدید اور ریاضت ومجاهدہ کے مسلک پر عامل تھے۔اگرچہ فصوص الحکم کے جید عالم اور مدرس تھے مگر وحدت الوجود کے معارف عوام الناس پر بیان نہ کرتے تھے۔انهوں نے اپنی گوشہ نشینی کے باوجود وقت کے اکابر علماء امراء سلاطین اور مسلم وغیر مسلم سب کو متاثر کیا اور اپنے جمالی اسلوب سے اسلام کی نشر واشاعت میں نمایاں کردار ادا کیا۔۲

علامہ اقبال نے تعمیر خودی کے ضمن میں آپ کی سیرت کا یہ واقعہ بیان کیا هے۔
ایک دفعہ جب دارا شکوہ آپ کی خدمت میں حاضر تھا تو ایک مرید نے چند سکوں کا نذرانہ پیش کیا۔ انهوں نے استغناء ظاهر کرتے هوئے فرمایا، یہ بادشاہ ان سکون کا هم سے زیادہ محتاج هے کہ اپنی ذات کی خاطر دکن میں لشکروں کٹوا رها هے مگر اسکی حرص هے کہ پوری نیهں هورهی۔۳

برصغیر میں سیاسی اور مذهبی حالات:

حضرت میاں میر کا دور حیات ۹۵۷ھ/۱۵۵۰ سے ۱۰۴۵ھ/۱۶۳۶ء تک هے اس وقت برصغیر میں مغلیہ خاندان حکمران تھا۔موصوف ۱۵۷۵ء میں سندھ سے لاهور تشریف لائے۔یہ دور جلال الدین محمد اکبر کا تھا۔وہ

۱۵۸۵ء سے لیکر ۱۵۹۸ء تک مختلف بغاوتوں اور شورشوں کو دور کرنے کے لئے لاھور میں قیام پذیر تھا۔

بھگتی تحریک جو کہ خالصتاً ھندو تحریک تھی اور مسلمانوں کے ھندو مذھب میں ادغام کے لئے اپنی تمام کوششیں صرف کر دیں جبکہ دوسری طرف مسلم اقلیت کا ھندو اکثریت پر حکومت کرنا ایک ایسا سیاسی مسئلہ تھا۔ جسکا حل جلال الدین اکبر کو اس سیاسی چال میں نظر آیا کہ ھندوؤں سے قریبی رشتہ داریاں قائم کرے اور ان کی وفا داریاں خریدے۔ اس سلسلے میں خود غرض علماء اور صوفیائے اسکی مدد کی۔ اس نے اہل ہند کو وحدت ادیاں پر اکٹھا کرنے کے لیے دین کی ایسی بنیاد رکھ دی۔ جس سے اکبر کی سیاسی اعراض تو پوری ھو گئی مگر اسلام کو سخت نقصان پہنچا۔ اس وقت علمائے حق اور مشائخ نے اسکی سخت مخالفت کی۔ ان مشائخ میں حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت باقی باللہ کے اسماء گرامی سر فہرست ھے۔۴ اصلاح احوال کے لئے دیگر علماء اور مشائخ حق کیساتھ سلسلہ قادریہ کے مشائخ کا بھی بڑا ھاتھ ھے۔ انہوں نے شمالی ھندوستان خاص طور پر پنجاب اور سندھ میں بڑا زور پکڑا اور اشاعت اسلام میں بڑا کردار ادا کیا۔ خصوصاً حضرت میاں میر جو ایک گوشہ نشیں بزرگ تھے۔ انہوں نے اور انکے خلفاء نے اسلام کو انتشار سے بچایا اور پنجاب میں سلسلہ قادریہ نشاۃ ثانیہ بخشی۔ انہوں نے تنزل اور انحطاط کے دور میں احیائے ملت اور کلمۃ الحق کی کوششیں کیں۔ خاندان مغلیہ کے حکمران حضرت میاں میر سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ چنانچہ جہانگیر شاہ جہاں شہزادہ دادا شکوہ، شہزادہ شہر یار اور اورنگ زیب ان سے ملاقات کے متمنی رہتے تھے۔ ان کے توکل و استغناء کے پیش نظر مسلم آبادی کے ساتھ ساتھ غیر مسلم آبادی بھی آپ سے خاص عقیدت رکھتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ گورو رام داس نے جب امرتسر میں دربار صاحب کی تعمیر کا ارادہ کیا تو تبرک کے طور پر اسکا سنگ بنیاد حضرت میاں میر سے ہی رکھوایا اور مہاراجہ رنجیت سنگھ زندگی بھر آپ کے مزار پر نذرانہ بھجواتا رہا۔۵

سوانح

نام ونسب:

شیخ محمد میر نام، میاں میر عرف والد کا نام سائں دنہ بن قاضی قلندر تھا۔۶ میاں کا لفظ صاحب اور جیو

عزت و تعظیم کے لئے ہے۔ ۷

حضرت میاں میر کا سندھ کے شہر سیوستان میں ۹۳۸ھ مطابق ۱۵۳۲ء نصیر الدین ہمایوں کے زمانہ میں قاضی سائیں دتہ بن قاضی قلندر فاروقی کے ہاں تولد ہوئے۔ ۸

جناب مکرم کا اصلی پیدائشی وطن سیوستان ہے۔ ۹۳۸ھ/۱۵۳۲ء میں انکی پیدائش اسی علاقے میں ہوئی اور یہ تاریخ اپنے برادر زادہ سے معلوم کر کے لکھی گئی ہے۔ موصوف سیوستان میں ہی رہتے تھے۔ ۹

بچپن اسی شہر میں گزارا اور سندھی زبان بولتے تھے۔ ان کا سلسلہ نسب ۲۸ واسطوں سے خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک جا پہنچتا ہے۔ تحفۃ الکرام میں لکھا ہے۔

" قاضی سائیں دتہ از اولاد حضرت عمر فاروق و اجلہ علمائے روزگار بود، شریعت را یار طریقت تو امان حقیقت داشتہ در سیوستان نامی در تمامی سند گرامی گزشتہ " ۱۰

قاضی سائیں دتہ حضرت عمر فاروقؓ کی اولاد اور وقت کے جید عالم اور متقی تھے۔ وہ شریعت کو طریقت اور طریقت سے وابستہ رکھتے تھے اور سیوستان بلکہ سارے سندھ میں مشہور بزرگ ہو گزرے ہیں"۔ ۱۱

سکینۃ الاولیاء سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ آپ فاروقی النسل ہیں اور یہ کہ آپ ۴ بھائی اور دو بہنیں تھے۔ قاضی بولن، قاضی طاہر، قاضی محمد میر المعروف بہ میاں میر، بی بی جمال خاتون اور بی بی جمال بادی تھیں۔ ۱۲ اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کا خاندان منصب قضاۃ پر فائز رہا تھا اور علمی میراث کا حاصل تھا۔ ۱۳ باقی تذکرہ نگاروں نے بھی یہی روایات نقل کی ہیں۔ ارباب تحقیق کی رائے ہے کہ ۹۵۷ھ/۱۵۵۱ء کا سال ولادت اقرب الی الصحت ہے۔ ۱۴

<u>جائے ولادت اور وطن:</u>

ان کا وطن اور مولد سندھ کا قدیمی شہر سیوستان (سیہوان) ہے جو ضلع دادو میں واقع ہے۔ انکا خاندان قاضی خاندان مشہور تھا۔ ۱۵ آپ کے آباؤ اجداد عرصہ دراز سے یہاں مقیم تھے ان کا بچپن اسی جگہ گزرا آپ

سندھی زبان بولتے تھے۔١٦ ان کے والد سات سال کے تھے تو وفات پا گئے۔

تعلیم وتربیت:

موصوف نے والد ماجدہ کی سر پرستی میں مختلف اساتذہ سے ابتدائی علم وفنون حاصل کئے۔آپ کی والدہ زہدوتقوی کی بناء پراپنے زمانہ کی رابعہؒ مشہور تھیں۔انہوں نے معرفت کے حصول کے لئے اپنے والد سے بیعت لی۔وہ اپنے زمانے کی رابعہ بصری تھیں۔١٧ حضرت میاں میر چار بھائی اور دو بہنیں تھیں۔

١۔ قاضی بولن

٢۔ قاضی عثمان

٣۔ قاضی طاہر

٤۔ قاضی محمد المعروف بہ میاں میر

بہنیں۔ بی بی جمال خاتون اور بی بی جمال باوی

بیعت:

والدہ سے اجازت لے کر سندھ میں سلسلہ قادریہ کے عظیم المرتبت صوفی حضرت شیخ خضر سیوستانی م ٩٩٤ھ کے دست مبارک پر بیعت کر لی۔١٨

اپنے مرشد کے پاس کچھ عرصہ رہے ان کی اجازت سے لاہور تشریف لائے اور وصال تک وہیں رہے۔

سلسلہ طریقت:

آپ کا سلسلہ طریقت حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ تک یون منتہیٰ ہوتا ہے۔

حضرت میاں میر، حضرت خضر سیوستانی، سید احمد ولی، سید عابد کبیر قادری، شیخ ابوالقاسم قادری، شیخ موسی

حلبی، شیخ ابوبکر مقبول، شیخ داود کریم، شیخ حفص ابوبکر، شیخ زید، شیخ حسن علی قرشی، شیخ عبدالرزاق گیلانی، حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ۔۱۹

حضرت میاں میر کی لاہور آمد:

موصوف ۲۵ سال کی عمر میں ۱۵۷۵ء میں بعہد جلال الدین محمد اکبر لاہور آئے۔ لاہور کے قیام کے دوران آپ نے مولانا سعد اللہ لاہوری، مولانا نعمت اللہ لاہوری اور منشی عبدالسلام لاہوری سے علوم وفنون پڑھے۔۲۰

سفر سرہند:

لاہور میں قیام کے دوران جب ولایت کی شہرت ہوئی اور معتقدین کا ہجوم ہوا تو وہ سرہند شریف لے گئے۔ اسی دوران حاجی نعمت اللہ سرہندی نے آپ کی تیمارداری کی۔ صحت ہونے پر فرمایا کہ مال ومتاع نہیں جو تمہیں دوں لیکن دولت سے مالا مال کر سکتا ہوں یہ ان کے پہلے مرید تھے جو ان کی روحانی تعلیمات سے مستفید ہوئے۔ سرہند ایک سال قیام کے بعد لاہور آئے اور آخری عمر تک یہیں مقیم رہے۔۲۱ شہزادہ داراشکوہ نے لاہور میں آپ کی عبادات وریاضات کے مقامات کا ذکر کیا ہے۔۲۲

حضرت میاں میر کا لباس درویشوں جیسا نہ تھا۔ "فرمایا کرتے تھے کہ لباس ایسا ہونا چاہیے کوئی پہچان نہ سکے کہ اسکا مسلک درویشی ہے"۔۲۳

حضرت میاں میر اور مغل حکمران:

سلاطین زمانہ آپ سے ملاقات کرنا اور آستانہ عالیہ پر حاضر ہونا۔ فخر وسعادت سمجھتے تھے۔
جہانگیر نے اپنی توزک میں اور ملا عبدالحمید لاہوری صاحب بادشاہ نامہ نے اکثر جگہ آپ کا ذکر کیا ہے۔

چنانچہ جہانگیر توزک میں ایک جگہ لکھتا ہے:

"شیخ محمد میر لاہوری عرف میاں میر سے ان کے علم وفضل اور پرہیز گاری کی وجہ سے ملاقات کی بڑی خواہش تھی۔ لیکن میں اس زمانے میں آگرے میں تھا اور حالات اس قسم کے تھے کہ لاہور میں نہیں جا سکتا تھا۔ لہذا حکومت کے چودہویں سال ان کو آگرہ آنے کی دعوت دی۔ جسے انہوں نے نہایت مہربانی سے منظور فرما لیا۔ ۲۴

بادشاہ ملاقات کے بعد ان کے اخلاق اور وسیع معلومات کی تعریف کرتا ہوا لکھتا ہے:

" کہ روحانی پاکیزگی اور صفاء قلب میں یہ بزرگ اپنے زمانے میں لاثانی ہیں۔ میں اکثر ان کے پاس جایا کرتا تھا اور وہ مجھے دینی اور دنیوی نہایت باریک نکات بتایا کرتے تھے۔ میری خواہش تھی کہ نقد روپیہ بطور نذرانہ پیش کروں۔ چونکہ ان کو ایسی چیزوں کی خواہش نہ تھی۔ اس لئے مجھے بھی جرات نہ ہو سکی۔ آخر میں مین نے نماز پڑھنے کے لئے سفید ہرن کے چمڑے کا مصلی ان کی خدمت میں پیش کیا۔ جنہوں نے اسکو قبول فرمالیا اور تھوڑے دنوں بعد لاہور روانہ ہو گئے۔ میں نے خدمت کی درخواست کی۔ فرمایا بس خدمت یہی ہے کہ پھر آنے کی تکلیف نہ کرنا۔ ۲۵

ملا عبدالحمید بادشاہ نامہ میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ شاہ جہاں لاہور آکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور چونکہ وہ جانتا تھا کہ میاں صاحب نذر و نیاز منظور نہیں کیا کرتے۔۔ اس لئے ایک تسبیح اور سفید کپڑے کی ایک دستار حضرت کی خدمت میں پیش کی اور بے شمار دعائیں لیں۔ ۲۶

شاہ جہاں کہا کرتا تھا کہ میں نے صرف دو صوفی ایسے دیکھے ہیں جو علم الہیات کے ماہر ہیں۔ ایک میاں میر دوسرے محمد فضل بہاری، شاہ جہاں اپنے دور حکومت میں دو دفعہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ایک دفعہ کشمیر جاتے ہوئے اور دوسری دفعہ کشمیر سے واپسی پر۔ ۲۷

داراشکوہ اپنی کتاب سکینۃ الاولیاء میں جہانگیر سے آپ کی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"جہانگیر آپ کی باتوں سے اتنا متاثر ہوا کہ تخت چھوڑ دینے کی خواہش ظاہر کی۔ مگر آپ نے منع فرمایا۔ ۲۸

عہد جہانگیر میں قلعہ کانگڑہ کا محاصرہ ہوا۔ جو افسر قلعے کی تسخیر پر مامور تھے ان میں سے ایک افسر آپ کا مرید تھا۔ اس نے آپ کی خدمت میں عریضہ لکھا اور التجائے دعا کی۔ موصوف نے اسی عرضہ کی نسبت پر یہ لکھ کر بھیج دیا کہ انشاء اللہ یہ قلعہ جلد ہی ختم ہو جائیگا۔ چنانچہ چار روز کے بعد وہ قلعہ فتح ہو گیا۔ ۲۹

ملا عبدالحمید لاہوری اپنی کتاب بادشاہ نامہ میں رقم طراز ہیں۔ "شاہ جہاں بادشاہ تخت نشینی کے بعد ۱۰۳۸ھ کو لاہور آیا۔ ۱۵/ رمضان کو جہانگیر کے مزار کی زیارت کی۔ وہاں دس ہزار روپیہ غرباء میں تقسیم کیا۔ حضرت میاں میر کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ کچھ رقم حضرت میاں میر کی خدمت میں نذر کی۔ مگر آپ نے قبول نہ فرمائی۔ ۱۹ تاریخ کو شیخ بلاول کو دو ہزار روپیہ نذر کیا جو انہوں نے کچھ تو درویشوں میں تقسیم کر دیا۔ باقی خادم مطبخ کے حوالے کر دیا تاکہ درویشوں اور مسافروں پر خرچ ہو۔ وہ زاہد اور پرہیز گار درویش تھے۔ اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے تھے۔ بادشاہ نے حضرت بلاول سے پوچھا کہ حضرت میاں میر نے میرا نذرانہ قبول نہ کیا اور آپ نے کر لیا۔ فرمایا حضرت میاں میر فلکی صفات کے حامل ہیں۔ ان کی توجہ دنیا کی طرف نہیں ہے ہمارے ہاں درویش اور مسافر آرام پاتے ہیں اور لنگر خانہ موجود ہے جہاں سے ان کو کھانا ملتا ہے۔ اس لئے ہمیں روپیہ کی ضرورت رہتی ہے۔ واپسی پر بادشاہ اور رعایا حضرت میاں میر کے پاس گئے عرض کیا کہ انہوں نے میری پیش کش قبول نہ فرمائی مگر حضرت شاہ بلاول نے قبول فرمائی۔ وہ بزرگ ولی کامل دریا کی مانند ہیں۔ میں ان کے سامنے ایک معمولی تالاب ہوں۔ دریا میں اگر کوئی پلید چیز پڑ جائے تو پلید نہیں ہوتا لیکن تالاب پلید ہو جاتا ہے۔ بادشاہ یہ سن کر جب قلعہ میں گیا تو سجدہ شکر بجالایا کہ الحمدللہ میرے زمانے میں ایسے ایسے بزرگ ہیں جن کا رضائے الٰہی کے سوا اور کوئی مقصد نہیں۔ ۳۰

دارشکوہ سکینۃ الاولیاء میں لکھتا "یہ فقیر بھی آپ کی خدمت میں حاضری دے چکا ہے۔ آپ کے چہرے پر ریاضت ومجاہدہ کے نشانات ظاہر تھے۔ روزانہ کافی لوگ آپ کی خدمت میں آتے جاتے تھے۔ ۳۱

حضرت میاں میر اور جلال الدین اکبر:

حضرت میاں میر نے اپنے انداز بے نیازی اور بلند کرداری سے شہنشاہوں کو حکومت کے آداب اور رعایا

پروری کے اسلوب سکھائے۔۳۲

جب اکبر نے دین الٰہی جاری کیا۔اس دین الٰہی کی مخالفت میں علمائے لاہور نے بھی اپنی بساط کے مطابق بہت کام تھا۔جس پر بادشاہ نے بہت سے لاہوری علماء کوسخت سزائیں دیں۔حضرت میاں میر نے بھی اس جہاد میں عبادات کے ذیعے حصہ لیا۔جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ اس زمانے میں ہندوستان کے بائیس صوبوں میں صرف اکبر کے دین الٰہی کے پیروکاروں کی تعداد ایک ہزار سے زائد نہ ہوسکی۔۳۳

حضرت میاں میر اور جہانگیر:

مغل حکمران نورالدین جہانگیر صوفیا اور درویشوں کا عقیدت مند نہ تھا۔بلکہ جہاں تک ممکن ہوتا۔ان کے درپئے آزار رہتا تھا۔امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی کوگوالیار کے قلعے میں قید کردیا۔اسی طرح شیخ عبدالحق محدث دہلوی آپ کے صاحبزادے شیخ نورالحق کوملک بدر کر کے کابل اور کشمیر جانے کا حکم دیا۔جب اس نے حضرت میاں میر قادری کے متعلق سنا تو اکبرآباد(آگرہ) سے اپنا خاص ایلچی بھیج کرانکو بلوا بھیجا کہ آپ کی انتہائی نوازش ہوگی اگر آپ میرے ہاں تشریف لے آئیں۔بادشاہ نے مزید عذر کیا کہ اگر قیام لاہور کے دوران آپ کا اسم گرامی سن پاتا تو ضرور حاضر خدمت ہوتا۔اب چونکہ آگرہ آ گیا ہوں اور میرا لاہور آنا بھی مشکل ہے۔اس لئے وہ تشریف لاکر ممنوں فرمائیں۔حضرت میاں میر اس وقت اگرچہ نحیف ونزار تھے مگر آنحضور کی اس حدیث کے مطابق "(من دعیٰ فلیجب) جو دعوت دے اسکوقبول کیا جائے لہذا وہاں تشریف لے گئے۔

جہانگیر نے اپنی عادت کے خلاف آپ کی بہت تکریم کی اور کہا کہ جی چاہتا ہے کہ بادشاہی چھوڑ کر آپ کے زمرہ میں شامل ہوجاوں اور اللہ اللہ کرتا رہوں۔موصوف نے فرمایا درویش کامل وہ ہوتا ہے جسکی نظر میں سنگ و حس برابر ہوں اب چونکہ تم نے ارادہ کرلیا ہے اس لئے تم درویش ہو۔لیکن تمہارا وجود رعایا کی پاسبانی اور حفاظت کے لئے ہے۔تمہارے عدل وانصاف کی برکت سے درویش اور فقیر بھی جمعیت خاطر سے عبادت وریاضت میں مصروف عمل ہیں"۔۳۴

توزک جہانگیر میں بادشاہ آپ کی تعریف یوں کرتا ہے:

"الحق ذات شریف است ودریں عہد بعنایت غنیمت وعزیز الوجود۔ این نیازمندانہ خود برآہ آیشان صحبت داشت وو بساسخنان بلند از حقائق ومعارف استماع افتاد ہرچند خواستم نیازے۔ بگذارم چون پایہ ہمت ایشان اوآن عالی تر یافتم خاطر باظہار این مطلب رخصت ندار۔ پوست آہو سفید بہ جہت جانماز بایشان گزرانیدم۔ فی الفور وداع شدہ بہ لاہور تشریف بردند"۔۳۵

یہ واقعہ ۱۹۲۸ھ/۱۶۸۱ء کا ہے۔ بادشاہ نے آپ کو ایک ہرن کی کھال اور جاءنماز کا نذرانہ پیش کیا۔ جب تک بادشاہ زندہ رہا حضرت میاں میر صاحب کی تعریف کرتا رہا۔۳۶

اپنی تصنیف شہر لاہور دی تاریخ میں کرنل بھولا ناتھ آئی ایم ایس لکھتا ہے:

"میاں میری دی جہانگیر دے سمے وچ لاہور آیا۔ بڑا اپہنچا ہوا بزرگ منیا جانداسی ایران تے عراق دے صوفیاں تیک اونان دانان مشہورسی"۔۳۷

حضرت میاں میر اور شہنشاہ شہاب الدین شاہ جہاں:

"بادشاہ نامہ" مصنف ملا عبدالحمید لاہوری اور "سکینۃ الاولیاء" مولفہ شہزادہ داراشکوہ قادری میں شاہ جہان کا آپکا خدمت اقدس میں لاہور آنا تحریر ہے۔ شاہ جہاں دو مرتبہ آپ کی خدمت کا آپکا خدمت اقدس میں لاہور آنا تحریر ہے۔ شاہ جہان دو مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دونوں دفعہ شہزادہ داراشکوہ بمع دیگر خاص اعیان سلطنت کے حاضر تھا۔ ان ملاقاتوں میں حضرت میاں میر نے بہت سی رموز و نیاز کی باتیں کیں اور نصیحت بھی کی۔ جس پر بادشاہ اس قدر متاثر ہوا کہ اسکی نگاہ میں ایسا ولی کامل ملتان حال ہے"۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ ترک وتجرید بے نیازی اور بے تعلقی میں حضرت میاں میر سے بڑھ کر کوئی درویش نہیں دیکھا۔۳۸

جب شاہ جہاں آپ کے حجرہ میں داخل ہوا۔ تو چار آدمی ہمراہ تھے پہلے حضرت میاں میر نے فرمایا:

"عادل بادشاہ کے لئے لازم ہے کہ وہ مملکت اور رعایا کی حفاظت اور پاسبانی کرے اور فرمایا کہ خوشحالی

کے لئے کوشاں رہے۔ اگر رعیت خوشحال اور ملک آباد ہو تو رعایا آسودہ اور خزانہ معمور ہوگا"۔ اسکے بعد دینی مسائل پر بات چیت ہوتی رہے۔ ۳۹

شہزادہ داراشکوہ لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ میں سخت بیمار ہوا۔ بے شمار حکیموں کا علاج کروایا۔ بالاخر والد گرامی قدر شاہ جہان مجھے ساتھ لیکر حضرت میاں میر کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور بیماری سے صحت کے لئے دعا کے لئے ملتمس ہوئے کہ یہ میرا بیٹا آپ کا معتقد ہے حکیم آپ کے علاج سے تنگ آ گئے ہیں آپ توجہ فرمائیں۔ حضرت نے میرا ہاتھ پکڑا اور مٹی کا پیالہ جس میں خود پانی پیا کرتے تھے۔ اس میں پانی ڈال کر دعا پڑھی اور پانی پینے کے لئے پیالہ مجھے دے دیا۔ یہ پینے کی یہ تاثیر ہوئی کہ ایک ہفتہ کے بعد میری بیماری دور ہوگئی اور مجھے صحت کاملہ مل گئی۔

شاہ جہاں حضرت میاں میر کا بے حد عقیدت مند اور ارادت مند تھا۔ ان کا قرب حاصل کرنے کے لئے اس نے ان سے درخواست کی تھی کہ وہ آگرہ چلے آئیں مگر انہوں نے وہاں جانا پسند نہ فرمایا۔

شاہ جہان گولکنڈہ اور بیجاپور کی فتح کے لئے حضرت میاں میر کی خدمت اقدس میں لاہور میں برائے دعا حاضر ہوا۔ اس وقت آپ کے مریدین بھی وہاں موجود تھے۔ اس موقع پر آپ نے خاموشی اختیار کی۔ اتنے میں ایک مفلوک الحال شخص آیا اور اس نے ایک چاندی کا سکہ نذرانہ پیش کیا۔ موصوف نے فرمایا کہ یہ سکہ بادشاہ کی نذر کرو کہ وہ بھکاری ہے اور سارے ہندوستان کے خزانوں کا ملک ہونے کے باوجود حریص اور لالچی ہے اور ناحق مخلوق خدا کو قتل کرانا چاہتا ہے۔ ۴۰

تاریخ ہندوستان جلد ہفتم میں تحریر ہے ۴۱ کہ جب شاہ جہان لاہور آیا۔ تو اس نے حضرت میاں میر کی خانقاہ عالیہ کے خدام کو دو ہزار روپے دیئے۔ مگر داراشکوہ نے اسکی تصدیق نہیں کی اور نہ ہی کسی معاصر شاہ جہانی میں اس کا ذکر ہے۔ ۴۲

حضرت میاں میر قادری اور شہزادہ شہریار:

جہانگیر کی وفات کے بعد لاہور میں شہزادہ شہریار جو ملکہ نور جہان کا داماد تھا۔اس نے اپنی بادشاہت کا اعلان کردیا۔لیکن شہزادہ شہریار کو ملکہ نور جہان کے بھائی آصف خان نے تخت سے اتار کر اپنے داماد کی بادشاہت کا اعلان کردیا۔اسی شہزادہ شہریار نے حضرت میاں میر صاحب سے اپنے ایک خاص ایلچی کے ذریعے آپ کی دستار تبرک کے طور پر منگوائی تھی۔۴۳

حضرت میاں میر اور شہزادہ محمد دارشکوہ قادری:

شہزادہ داراشکوہ حضرت میاں میر کا نہایت مخلص ارادتمند تھا اور حضرت میاں میر بھی اس سے بہت پیار کرتے تھے۔ایک دن اپنے مریدین خاص ملا صالح شیخ احمد حاجی میاں محمد سے فرمایا:

" کہ شہزادہ داراشکوہ پر ہماری خصوصی توجہ ہے تم بھی ایسا ہی کرو۔اگر اس سے انحراف کروگے تو خداوند قدوس سے انحراف کروگے "۔۴۴

شہزادہ داراشکوہ لکھتا ہے کہ جب حضرت میاں میر کا وصال ہوا تو میں اکبرآباد(آگرہ) میں تھا۔۴۵ اس نے حضرت ملا شاہ بدخشی خلیفہ اعظم حضرت میاں میر سے سلسلہ قادریہ میں ۲۱ اپریل ۱۶۴۰ء کو بیعت کی تھی وہ خود لکھتا ہے کہ مجھے لیلۃ القدر کی زیارت ہوئی ہے اور یہ حضرت میاں میر کا کرم ہے۔

جب شہزادہ داراشکوہ نے سکینۃ الاولیاء کی ترتیب وتدوین کے لئے مواد اکٹھا کرنے کا ارادہ کیا تو وہ لاہور آیا اور حضرت میاں میر کے تمام مریدین سے ملا۔جو اس وقت حیات تھے۔ان سے حضرت میاں میر کی حیات مبارکہ کے متعلق دریافت کیا۔ان بزرگان میں سے حضرت سید اشرف قادری، حضرت شیخ عبدالوحد قادری، حضرت مرزا عبدالرحمٰن فراری قادری، حضرت شیخ عبدالغنی قادری، حضرت ملا شاہ بدخشانی حضرت خواجہ بہاری قادری اور حضرت ملا عبدالغفور قادری وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

شہزادہ داراشکوہ کا یہ ایک عظیم کارنامہ ہے کہ اس نے حضرت میاں میر کے حالات زندگی منضبط کر کے ایک اہم تاریخی کارنامہ سرانجام دیا۔ وگرنہ دوسرے اولیائے کرام کی طرح ان کے حالات بھی معلوم نہ ہو سکتے۔ برصغیر پاک و ہند میں اپنی طرز کی یہ پہلی محققانہ انداز میں لکھی ہوئی کتاب ہے۔

حضرت میاں میر اور اورنگ زیب:

شاہ جہان کے بعد جب اورنگ زیب تخت نشین ہوا تو اس نے حضرت میاں میر کے روضہ مبارک کی خانقاہ اور مسجد کی تکمیل کرائی نیز حضرت ملا شاہ بدخشانی مرشد داراشکوہ قادری کے متعلق گورنر کشمیر کو لکھا کہ ان کو دارالحکومت بھیج دیا جائے۔ مگر اس نے بادشاہ کو تحریر کیا کہ ملا اس عمر میں سفر نہیں کر سکتے اور انہوں نے جو رباعی مکمل کی ہے وہ آپ کو ارسال کر رہا ہوں۔ ۴۶

اورنگ زیب حضرت میاں میر کے مزار اقدس پر بھی حاضر ہوا۔

مشہور ہے کہ شہزادہ داراشکوہ قادری نے حضرت میاں میر قادری کی ایک نہایت عظیم الشان خانقاہ تعمیر کرانے کا ارادہ کیا تھا۔ جس کے لئے اس نے ہر قسم کا سامان سنگ مرمر، سنگ سرخ اور دیگر قیمتی پتھر اکٹھے کئے تھے مگر اسکے قتل کے بعد وہ تمام سامان بادشاہی مسجد لاہور کی تعمیر میں صرف ہوا۔ ماخوذ۔ ۴۷

حضرت میاں میر اپنے وقت میں بہت کم لوگوں کو مرید کرتے تھے بلکہ جو لوگ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے تھے۔ اول تو ان کا دامن نہ پکڑتے اگر پکڑتے تو کامل اور عارف بنا دیتے۔ تذکرے ان کے ذکر سے خالی ہیں اور یہ سہرا کلیتہً شہزادہ داراشکوہ قادری کے سر جاتا ہے۔ جس نے لاہور میں بیٹھ کر ان لوگوں کے حالات اکٹھے کئے اور اسکی یہ محنت لائق ستائش و تحسین ہے۔ ۴۸

شہزادہ داراشکوہ آپ کو ان القابات سے یاد کرتا ہے:

"قطب فلک ولایت، بدر سپہر ہدایت، شہباز فضائے لاہوت، شہسوار عرصہ جبروت، غواص دریائے جہان ملکوت، منتظم سلسلہ اولیائے اکمل، مشائخ اجل، مطلع آفتاب علم و کمال، مشرق خورشید حلم و حلال و جمال، مقتدائے

اکابر زمان و زمین بادشاہ عارفان علیجاہ"۔۴۹

وفات حضرت میاں میر:

تحریر دارا شکوہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت میاں میر کو لاہور آئے ہوئے ساٹھ برس گزر چکے تو مرض الموت نے منہ دکھایا چنانچہ پانچ روز بیمار رہے اور ساتویں ربیع الاول سن ۱۰۴۵ھ/ ۱۶۳۵ء اپنے حجرہ محلہ خانی پور میں فوت ہوئے۔۵۰

حضرت شاہ محمد المعروف بہ ملا شاہ بدخشی قادری

اور ہم عصر مغل حکمران

نام شاہ محمد کنیت اخوند لقب لسان اللہ تھا۔ والد کا نام ملا عبدی جائے ولادت موضع ارکسا، ضلع روستاق، علاقہ بدخشان، اوائل عمر میں ہی طلب حق کے لئے وطن سے نکلے پہلے کشمیر آئے یہاں تین سال رہے پھر ہندوستان کا ارادہ کیا۔ لاہور سے گزر کر آگرہ چلے گئے۔ راستے میں حضرت میاں میر کے حالات سنے ان سے ملاقات کرنے کے لئے لاہور قصد کیا حضرت میاں میر کے اوصاف و کمالات سے متاثر ہو کر حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔ تجرید و تفرید ریاضت و مجاہدہ میں زہد و تقوی میں حضرت میاں میر کے تمام خلفاء میں ممتاز تھے۔۵۱ علوم ظاہری میں بھی کامل و اکمل تھے۔ شعر و سخن سے شوق تھا۔ اشعار کا ایک مکمل دیوان چھوڑا ہے۔۵۲

دارا شکوہ نے سکینۃ الاولیاء میں اکثر ان کی رباعیاں اور غزلیں درج کی ہیں تمام کلام عاشقانہ و عارفانہ ہے۔ نظریہ وحدت الوجود کے زبردست حامی تھے۔ دارا شکوہ لکھتا ہے کہ جب میں یہ کتاب لکھ رہا ہوں یہ حضرات زندہ میں اکثر کو اس فقیر دارا شکوہ نے دیکھا ہے اور اکثر کی صحبت بھی حاصل رہی ہے کئی کئی راتیں ہم نے اکٹھے گزاری ہیں اور اس طرح ان کے حالات سے پوری واقفیت ہو گئی ہے۔۵۳

دارا شکوہ لکھتا ہے "فقیر دارا شکوہ کی ارادت بیعت کا سلسلہ حضرت ملا شاہ صاحب سے ہے۔ جنکا نام شاہ محمد ہے اور حضرت میاں میر صاحب نے ان کا نام محمد شاہ رکھ دیا۔۵۴ ملا شاہ نے ایک شعر میں خود فرمایا" بہترین

لعل بدخشانی ہوتا ہے جسکو برآمند کر کے بادشاہوں کے تاج میں لگایا جاتا ہے "۔

"ایک دوست نے مجھ سے کہا کہ پہلے بدخشاں سے نہایت قیمتی لعل آتے تھے اب پتہ نہیں کہ کس لئے نہیں آتے میں نے کہا" اخوند ملا شاہ جی وہاں سے لاہور آگئے ہیں اس لئے بدخشان کی کان میں کوئی لعل باقی نہیں رہا"۔۵۵

ملا شاہ کو معرفت کا حصول ابتدائی زندگی سے ہی حاصل ہوگیا تھا۔ مرشد کامل کی طلب میں موصوف ہندوستان کی جانب تشریف لائے اور حضرت میاں میر کے کامل مریدوں میں داخل ہوئے۔ حضرت میاں میر شاہ صاحب سے اکثر فرماتے کہ "میرا سلسلہ تو آپ کے ساتھ روشن ہوگیا"۔

داراشکوہ کا کہنا ہے کہ حضرت میاں میر صاحب کی عمر میں چند برس انکولاہور آنے کا موقع نہیں ملا حضرت میاں میر بعض دوستوں کی تربیت ملا شاہ صاحب کے حوالے کر دیتے تھے۔ حضرت ملا شاہ صاحب کو ترک دنیا، فقر و عنا، توکل تسلیم و رضا میں واقعی اختیار حاصل تھا۔۵٦

نقش احوال شاہی:

توکل بیگ کولابی جو مغلیہ دور میں فوج کا ایک سپاہی تھا۔ اس نے ملا شاہ بدخشی کی سوانح عمری تحریر کی۔ اس دائری جسکا نام نقش احوال شاہی ہے، ملا شاہ کی زندگی، تعلیم کی بابت تفصیلی حالات بیان کئے ہین۔ یہ ڈائری شاہ جہان کے سن جلوس ۱٦۲۷ میں لکھنی شروع ہوئی۔ اور اورنگ زیب کے دور میں ۱٦٦۷ء میں اختتام پذیر ہوئی۔ اسکی تاریخی اہمیت اسکے تاریخی واقعات کے تسلسل سے نمایاں ہے۔ اسکا مسودہ بہت نایاب ہے۔ اس کی ایک کاپی برٹش میوزیم میں دوسری حیدرآباد دکن کی آصفیہ لائبریری میں (تصوف نمبر ۳۴۹) موجود ہے اسکے مصنف توکل بیگ کے بارے میں اتنا ہی کہا جاتا ہے کہ اسکا باپ ترکی سپاہی تھا اپنے باب کی طرح اس نے بھی فوج میں ملازمت اختیار کی جب اس کے باپ کا تبادلہ دہلی ہوا تو توکل بیگ نے جانے سے انکار کر دیا۔ اور ملا شاہ بدخشی کے پاس چلا آیا۔ انہیں وہ ملا سعید (ملا شاہ کے شاگرد) کی معرفت ملا۔ توکل بیگ نے ملا سعید سے کفایہ کی تعلیم حاصل

کی ۔ملاشاہ سعید کا کشمیر میں ایک مدرسہ تھا بعد میں توکل بیگ ملاشاہ سے قادریہ سلسلہ میں بیعت ہوا اور قریباً ۴۰ سال ان کے حلقہ ارادت میں رہا۔

توکل بیگ نے اپنے باپ کے اصرار پر فوج میں دوبارہ شمولیت اختیار کی اور شاہ شجاع کی فوج میں دس سال گزارے۔۱۶۴۲ء میں استعفیٰ دے کر دوبارہ ملاشاہ کے پاس آ گیا لیکن ملاشاہ نے اسکو داراشکوہ کے پاس بھجوا دیا اورنگ زیب کے زمانے میں توکل بیگ کو منصبدار بنا کر کانگڑہ تعینات کر دیا۔۵۷

اپنی اس ڈائری میں اس سے ملاشاہ کی ذاتی اور مذہبی زندگی کی تفاصیل بیان کی ہیں۔ان کی روحانی زندگی، مراقبہ دریت، تصوف کے بنیادی اصول اور قادریہ سلسلہ میں ان کی ارادت کے بارے میں بیان کیا ہے اس نے اپنی ڈائری میں ملاشاہ کو (گرہ کشا) کا خطاب دیا۔

نقش احوال شاہی سے ملاشاہ کی عالمانہ سرگرمیوں کا علم ہوتا ہے۔قرآن، سنت، قرآنی آیات کی صوفیانہ تاویلات اور روایات ملاشاہ کا دیوان جو قصائد مناقب، مثنوی، رباعیات اور غزلیات پر مشتمل ہے اسکا اصل منبع وحدت الوجود ہے توکل بیگ نے ملاشاہ کو عالم کے علاوہ صاحب دیوان بھی کیا ہے۔۵۸

جہاں نقش احوال شاہی میں علمی، مذہبی شخصیات بزرگان دین، شاعر، عالم، قاضی، مفتی اور شاہی گورنروں کا ذکر ہے وہاں شاہ جہان اور اورنگ زیب کے گورنر اور ذاتی ملازمین کا بھی ذکر ہے۔نقش احوال شاہی میں ملاعبدالحکیم سیالکوٹی ملاعبدالرحیم کشمیری، شاہ دولہ گجراتی، خواجہ خورد دہلوی، خواجہ عبدالوہاب دہلوی کے ساتھ ملاشاہ بدخشی کی صوفیانہ مسلک پر بحث مباحثہ کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔۵۹

جب ان کے ساتھ یہ شعر منسوب کیا گیا۔

پنجہ در پنجہ خدا دارم   من چہ پروائے مصطفیٰ دارم

شاہ جہان کے زمانے میں ملاشاہ بدخشی پر فتوی لگا دیا گیا۔

ڈاکٹر زمرد نے اپنی تحقیقی مقالہ احوال وآثار "ملاشاہ بدخشی" میں اس بات کی تردید کی ہے کہ ملاشاہ کی شاعری میں کہیں اس قسم کا کلام موجود نہیں بلکہ ان سے غلط طور پر منسوب کیا گیا ہے۔۶۰

توکل بیگ نے نقش احوال شاہی میں تحریر کیا ہے کہ ہوسکتا ہے ملاشاہ کوتعزیر ہوجاتی لیکن وہ داراشکوہ کی وجہ سے بچ گئے جواس وقت میاں میر کے حلقہ ارادت میں تھا۔شاہ جہاں کومیاں میر نے دوخط لکھے۔نقش احوال شاہی میں ان خطوط کاذکر ہےاورانکاذکرکسی اور مستند حوالے سے نہیں ملتا۔

نقش احوال شاہی میں شاہ جہان کی اولاد کاذکر ہے کہ داراشکوہ اور جہان آراء۱۶۴۰۔۱۶۳۹ میں ملاشاہ سے بیعت ہوئے۔ملاشاہ نے اپنے ایک دیوان کی کاپی داراشکوہ کودی توکل بیگ نے ان خطوط کاذکربھی کیا ہے۔ جوصوفیانہ مسلک کی وضاحت کرتے ہیں اورملاشاہ نے اپنے دوشاگردوں داراشکوہ اور جہان آراءکولکھے تھے۔۶۱

ملاشاہ کےشاہی خاندان کےساتھ ذاتی مراسم تھے،سیاسی معاملات میں انہوں نےکبھی دخل اندازی نہ کی۔۱۶۳۸سے ۱۶۵۱ءتک بادشاہ کاکشمیر میں جاتااوراسکی خطوو کتابت دوستانہ تھی۔یہ دوستانہ ماحول اورنگ زیب کےساتھ بھی رہا۔اورنگ زیب کی تخت نشینی کےموقع پرملاشاہ نےایک رباعی لکھ کربھیجی۔

صحن دل من چون گل خورشید شگفت

حق ظاہرشدوغبار باطل رفت

تاریخ جلوس شاہ حق آ گہ را

ظل الحق گفت الحق این راحق گفت۔۶۲

نقش احوال شاہی سترہویں صدی کی عالمانہ تحقیق ہے جس میں نہ صرف ایک قادری بزرگ کاذکر ہے بلکہ یہ شاہ جہان اوراورنگ زیب کےدورکامستند تذکرہ ہےاس کےعلاوہ مغلیہ تاریخ کااحاطہ کیےہوئے ہیں۔وہاں توکل بیگ کی ملاشاہ بدخشی سےعقیدت کااظہاربھی ہے۔۶۳

رسالہ صاحبیہ

داراشکوہ کےعلاوہ شہزادی جہان آرابھی ملاشاہ کی نہایت معتقدتھی رسالہ صاحبیہ شہزادی جہان آرا کی ایک نادرتصنیف ہےجس میں اس نے اپنے پیرطریقت حضرت ملاشاہ بدخشی اورانکے خاص خاص مریدوں کی سوانح

حیات قلمبند کی ہے یہ رسالہ نہایت مفید معلومات کا حامل ہے۔

اس رسالے میں لکھا ہے کہ موصوف کے والد ماجد کا نام مولانا عبدی بن مولانا سلطان علی بن حضرت قاضی فتح اللہ ہے ان کے بزرگوں میں سے ہر ایک قاضی کے لقب سے ملقب تھا لیکن ان بزرگوں کی سب سے بڑی خواہش اور اہم مقصد راہ حق کی طلب اور ذات مطلق کی پہچان تھی وہ منصب قضا پر کبھی فائز نہیں ہوئے ۔۶۴

اس رسالہ میں یہ بھی ذکر ہے کہ حضرت ملا شاہ نے کشمیر کو جب اپنے قدموں سے پرنور کیا تو انکا سن مبارک ۲۵ برس تھا انہوں نے کشمیر میں خود کو تین سال تک طلباء کے بھیس میں چھپائے رکھا انہوں نے اپنے دست انابت سے کسی پیر کامل کا دامن نہیں تھاما تھا اس لئے ایسے شیخ کی تلاش میں جو انہیں تصوف کے کسی طریقے میں داخل کر کے یار حق میں لگا دیتا کشمیر دلپذیر سے لاہور پرنور میں تشریف لائے اس زمانے میں لاہور شیخ عارفان، قدوۃ واصلان، جان شریعت و طریقت، کوہ وقار، زبدۃ العارفین، مقتدائے اہل زمان جنید ثانی حضرت میاں میر کے باسعادت وجود سے مشرف و منور تھا۔ حضرت میاں میر کی خدمت میں جب حضرت ملا شاہ پہنچے تو انہوں نے ایک سال تک ان کی طرف استغنا برتا جب ایک سال اسی طرح گزر گیا تو حضرت میاں میر صاحب نے حضرت مرشد والا کو طلب حق میں سچا جان کر اپنی صحبت میں دریابی بخشی ۔انہوں نے تقریباً انیس برس حضرت میاں میر کی صحبت میں گزارے اور اس طرح علم توحید، رتبہ وحدت الوجود کی تحقیق میں تمام روئے زمین کے موحدوں کے امام ہیں ان کی ایک رباعی اس چیز کی دلالت کرتی ہے۔

"انسان جب تک تن سے چمٹا رہے وہ حیوان ہے جب وہ عالم دل میں جاگزین ہوا تو انسان بن گیا۔ جب وہ تن سے جدا ہو کر عالم دل میں چلا جاتا ہے اور جب وہ ما اعظم شانی کہتا ہے تو اسکی بات خدا کی بات بن جاتی ہے"۔۶۵

ملا شاہ بدخشی قادریہ سلسلہ میں حضرت میاں میر سے بیعت تھے لیکن ان سے آگے چل کر جو سلسلہ جاری ہوا اس کے لئے جہاں آرا بیگم نے ایک موقع پر سلسلہ قادریہ شاہیہ کی اصطلاح استعمال کی ہے۔۶۶

ملا شاہ بدخشی سے اپنی عقیدت وارادت رکھنے اور اس رسالہ کے لکھنے کا سبب جہان آرا بیگم نے اس طرح

بیان کیا ہے۔

"آپ کو معلوم ہے کہ اس ضعیفہ کو بیس سال کی عمر سے سلسلہ عالیہ حضرت خواجگان چشت قدس اسرارہم کے ساتھ سچی ارادت اور پکی عقیدت ہے۔ چند سال قبل اجمیر شریف پہنچ کر حضرت پیر دستگیر کے روضہ منورہ کیا زیارت کیا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے محض اپنے لطف وکرم سے اس ضعیفہ کے دل میں راہ حق کی طلب پیدا کردی یہاں تک کہ میں ۱۰۴۹ھ/۱۶۴۰ء میں جناب والد بزرگوار کے ساتھ اللہ ان کے ملک وسلطنت کو قائم رکھے "لاہور آئی میرے برادرولی عہد مملکت سلطان محمد داراشکوہ قادری اللہ اسکے جلال کے سایہ کو قائم رکھے وہ مجھ سے ہمیشہ بزرگان دین، مشائخ طریقت اوراولیائے اللہ کے حالات اور مقامات کے بارے میں حقائق پر مشتمل باتیں کرتے رہتے ہیں جس سال میرے والد بزرگوار نے انہیں کابل کی مہم پر روانہ کیا۔ اسی وقت سے میں نماز روزہ قرآن مجید کی تلاوت میں زیادہ مشغول رہنے لگی۔ وداع ہوتے وقت اس برادروالا گوہر نے مجھے نفحات الانس پڑھنے کی طرف توجہ دلائی یہ کتاب اکابراولیاء اور نامور مشائخ کے حالات سے بھری پڑی ہے اس لئے ان بزرگان دین کے ناموں کی برکت سے فیض حاصل ہونے لگا اور مجھے اپنا پورا حصہ ملا۔ ۶۷

الحمدللہ یہ اسکا احسان ہے کہ اس پیر دستگیر اور مرشد کامل کی توجہ سے ایمان حقیقی جس سے مراد اس ذات اقدس کی جو یکتا اور مطلق ہے، پہچان اور معرفت ہے اور تمام اشیاء کو جو اسکی ذات میں پوری اور مکمل طور پر بقا ہیں میری منشاء کے مطابق حاصل ہوئیں اور میں اس حقیقت سے آشنا ہوئی کہ آسمانوں اور زمینوں کا وجود اور تمام اشیاء کا ظہور ملائکہ اور جنات پر بنی آدم کی فضیلت اس ذات پاک لامحدود کی پہچان کے لئے ہے جو شخص اس حقیقت کو نہیں سمجھتا اس کا وجود بے کار ہے جو شخص اس سعادت عظمیٰ سے مشرف ہو جاتا ہے وہ انسان کامل اور افضل موجودات بن جاتا ہے اس میں عورت مرد کی کوئی تخصیص نہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے کہ وہ جسے چاہے وہ اس سے نوازتا ہے۔ جو بھی اس ذات مطلق سے عشق ومحبت رکھتا ہے وہ انسان کامل ہے خواہ وہ عورت ہو"۔

داراشکوہ کابل کی مہم روانگی کے بعد راستے میں دو مشائخ کرام سے ملا۔ ان میں شیخ دولہ بھی تھے۔ ۶۸ جو قصبہ گجرات خورد میں سکونت پذیر تھے دوسرے حاجی عبداللہ نامی تال جلال کھڑ کے نواح میں گوشہ نشین ہو گئے

تھے

اوران کی والدہ سارنگ خان گکھڑ کی پڑپوتی تھیں۔شاہ دولہ نے متعدد ندی نالوں پر پل بنوائے جسکی وجہ سے وہ دریائی کے لقب سے مشہور ہوئے۔۱۶۷۶ء میں وفات پائی انکا مزار گجرات میں مرجع خلائق ہے۔

جہاں آرا بیگم لکھتی ہے کہ جب وہ گجرات پہنچی تو ایک خواجہ سرا کو نذر دیکر شیخ دولہ کے پاس بھیجا اور اظہار خلوص کے بعد درخواست کی کہ ان سے فیض ملنا چاہیے لیکن وہ جو چاہتی تھی اسکو نہ ملا۔

جب تال جلال گکھڑ کے قریب پڑاو کیا تو حاجی عبداللہ کی خدمت میں فیض رسائی کا پیغام بھیجا جو نذر بھیجی وہ انہوں نے قبول کرلی اور ایک جائے نماز جو انہوں نے اپنے ہاتھ سے تیار کیا تھا اور اس کام سے وہ حلال روزی کماتے تھے دوروٹیوں کے ساتھ جہاں آرا بیگم کو بھیجا۔ جہاں آرا بیگم لکھتی ہیں کہ ان روٹیوں میں سے ایک ٹکڑا اس نے کھایا اور اسکے ساتھ ہی دل میں صفائی اور باطن میں اطمینان محسوس کیا"۔

"شہزادی جہان آرا نے رسالہ صاحبیہ تحریر کیا وہ رقمطراز ہے:

"شیخ فریدالدین عطار قدس سرہ حضرت رابعہ کے بارے میں فرماتے ہیں"وہ ایک عورت نہ تھی بلکہ سو مردوں کے برابر تھی وہ سر سے پاوں تک پوری طرح درد میں غرق تھی"اس ضعیفہ نے یہ عظیم دولت اور بڑی نعمت اپنے برادر عالی فطرت، صاحب کمال واصل کامل عارف باللہ محمد داراشکوہ ظل اللہ تعالیٰ کی وساطت اور وسیلے سے حاصل کی میں امید کرتی ہوں کہ خدائے مطلق ہر لحہ اپنے عشق ومحبت کو بڑھاتا چلا جائیگا۔۶۹

شہزادی جہان آراء رسالہ صاحبیہ میں رقمطراز ہے کہ:

حضرت والا صاحب اسرار دوستوں اور مخلص عقیدت مندوں کے علاوہ کسی کی صحبت میں نہیں بیٹھتے۔ فرشتوں جیسے کام کرنے والوں کی محفل میں میرے شاہ صاحب حقیقت اور معرفت کے علاوہ کسی موضوع پر بات نہیں کرتے۔میرے شاہ صاحب کی صحبت میں خدائے کریم نے یہ تاثیر رکھی ہے کہ خواہ کوئی کتنا ہی سنگدل کیوں نہ ہو، جونہی وہ حضرت کی صحبت فیض بخش میں پہنچتا ہے تو اس کے دل میں نرمی اور دوستی پیدا ہوجاتی ہے۔حضرت کے روئے مبارک اور پرنور پیشانی کو دیکھنے کی برکت سے لوگوں کے دلوں اور ظاہر وباطن میں حضوری پڑھنے لگتی

ہے۔میرے مرشد والا کے کلام صدق بیان میں میں نے یہ تاثیر رکھی ہے کہ آپ نے شیعہ فرقہ کے افراد سے جونہی گفتگو فرمائی اور انہیں سیدھا راستہ اور اہل سنت کا سچا مذہب بتایا، تو وہ جماعت اپنا باطل طریقہ چھوڑ کر پاک ہوگئی اور درجہ کمال کو پہنچی۔۷۰

میرے مرشد والا دنیاداروں اور خصوصاً سلاطین و امراء سے نذر و نیاز قبول نہیں فرماتے، لیکن بہت تھوڑی یعنی ایک یا دو روپے۔ مریدوں اور معتقدین میں سے تو ہر ایک کمال خلوص و اعتقاد کے ساتھ اپنی جان نثار کرتا ہے، مال کی بھلا کیا حیثیت ہے؟ وہ جو تھوڑی بہت نذر و نیاز لاتے ہیں۔، اسے قبول کر کے دوسروں پر صرف کرتے ہیں۔ان دنوں ان کی خدمت میں ایک دو خادم رہتے ہیں۔ اوائل عمر میں خادم نہیں رکھتے تھے۔(اس زمانے میں) ان پر تجرد و تفرد کا غلبہ تھا۔حضرت کے بیٹھنے کی سنت اور طریقہ دوزانو بیٹھنا ہے۔لیکن کبھی چہارزانو ہو کر بھی بیٹھتے ہیں اور تکیہ بھی لگاتے ہیں۔کبھی ٹانگیں پھیلا کر بھی بیٹھ جاتے ہیں۔کبھی کبھی چاندنی میں بھی بیٹھ جاتے ہیں اور کبھی اندھیرے کمرے میں بھی۔دنیاداروں کی صحبت سے بڑا پرہیز کرتے ہیں۔مرشد گرامی کی خدمت شریف میں جو بھی آتا ہے پرسش احوال کے طور پر اس سے دو تین سوال کرتے ہیں کہ تمہارا نام کیا ہے؟ اور کہاں سے آئے ہو؟ اس کے بعد اپنے دست مبارک فاتحہ کے لیے اٹھا کر اسے رخصت فرماتے ہیں لیکن حضرت کے احباب، مریدین اور مخلصین کی جماعت اکثر ان کی خدمت باسعادت میں حاضر رہتی اور فیضیاب ہوتی ہے۔۷۱

کھانے کی کوئی چیز حضرت کے خانہ مبارک میں نہیں پکتی۔ان کے مرید اور عقیدتمند حصول سعادت کی غرض سے مرشد گرامی کی خدمت بابرکت میں کھانا لاتے ہیں، حضرت اسے تناول فرماتے ہیں۔اگر مریدوں یا معتقدین میں سے کوئی شخص خلوص دل سے کھانا پکائے اور انہیں مدعو کرے تو حضرت رسالت پناہ ﷺ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اس کے گھر تشریف لے جاتے ہیں۔وہاں جو چیز بھی کھانے کے لئے پیش کی جائے اسے تناول فرماتیہیں۔دوستوں کے ساتھ دن میں کبھی ایک وقت کبھی دو وقت جس قسم کا بھی کھانا مل جائے، خواہ وہ لذیذ ہو خواہ بدمزہ، تناول فرماتے ہیں۔آپ کبھی کبھی جنگل کی طرف بھی نکل جاتے ہیں۔اگر کوئی چیز میسر نہ ہو تو دو تین دن بغیر کھائے پئے گزر جاتے ہیں۔آنحضرت کا مزاج مبارک چونکہ گرم ہے اس لیے زیادہ تر سرد چیزیں ہی استعمال

کرتے ہیں۔کبھی اپنے کاشانہ مبارک سے نہروں اور جنگلوں کی سیر کو تشریف لے جاتے ہیں۔کشمیر کے دریا کے اطراف واکناف بہت دلکش اور نہایت سرسبز اور خوش ہوا ہیں۔اس لیے وہ بہت زیادہ طراوت اور لطافت رکھتے ہیں۔موصوف اللہ تعالی کی صنعت کو دیکھنے اور سیر وتفریح کے ارادے سے شہر کے گردونواح میں بھی چلے جاتے ہیں اور چند روز شہر سے باہر رہ کر دوبارہ شہر کو اپنے مبارک قدموں سے منور فرماتے ہیں۔آپ کبھی کبھی گھوڑے کی سواری بھی فرماتے ہیں۔لیکن زیادہ تر بے تکلفی کے ساتھ یا پیارہ سیر فرماتے ہیں۔اس علاقے میں لوگ زیادہ تر کشتی کے ذریعے سفر کرتے ہیں اس لیے کبھی کبھی کشتی میں بھی سوار ہوجاتے ہیں۔۲ے

در حقیقت حضرت والا کشمیر میں، جو (ہمارے) ملک کا ایک گوشہ ہے تشریف رکھتے ہیں۔ایک عالم ان کے فیض سے بہرہ یاب ہورہا ہے اور حضرت والا، اللہ انہیں سلامت اور باقی رکھے، کے مرید درجہ کمال کو پہنچ کر کامل و اکمل ہوگئے ہیں۔ان دنوں میرے مرشد والا کے مریدوں میں سے ملا محمد سعید سب سے آگے نکل گئے ہیں۔انہوں نے ظاہری اور باطنی علم حضرت استاد کی صحبت فیض بخش میں رہ کر حاصل کیا ہے۔موصوف صاحب حال ہونے کے علاوہ (روحانیت) کے بلند مقام پر بھی فائز ہیں۔میرے مرشد والا ان پر خصوصی توجہ اور عنایت فرماتے ہیں۔اگر ملا محمد سعید موجود ہوں تو کسی دوسرے شخص کو نماز پڑھانے کے لیے نہیں کہتے ہیں۔حضرت ان کا بڑا ادب کرتے ہیں۔ملا محمد سعید کا گھر چونکہ حضرت کے کاشانہ مبارک سے متصل ہے اس لیے حضرت اکثر ان کے ہاں قدم رنجہ فرماتے ہیں۔آپ ان کے بچوں کو اپنے بچے سمجھ کر ان پر بڑی شفقت فرماتے ہیں۔۳ے

ان کے علاوہ حضرت ارشاد پناہ کے صاحب نسبت مریدوں میں ملا مسکین بھی شامل ہیں۔وہ بھی بدخشاں کے رہنے والے ہیں۔موصوف نے بڑی ریاضت اور مجاہدہ کیا ہے۔وہ صاحب حال ہونے کے ساتھ بلند مقام پر فائز ہین۔حضرت اپنے نئے مریدوں کو سلوک کی ابتدائی تلقین کر کے ملا محمد سعید اور ملا مسکین کے سپرد کردیتے ہیں اور انہیں ذکر و شغل میں لگانے کا حکم دیتے ہیں۔ملا مسکین ظاہری علوم سے بھی بہرہ ور ہیں اور باطنی علم حضرت مرشد والا کی خدمت میں رہ کر، ان کی صحبت میں بیٹھ کر اور ان کی خدمت کر کے حاصل کیا ہے وہ ابتداء میں سپاہی پیشہ تھے جب ان پر راہ حق پر چلنے اور خدا کی جستجو کا غلبہ ہوا تو سپاہگری چھوڑ کر تقریباً دس سال مرشد کی تلاش میں

سرگردان رہے۔ انہوں نے کئی بار حضرت غفران پناہ میاں میر قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہونے اور شغل سیکھنے کی درخواست کی لیکن ان کی درخواست منظور نہ ہوئی۔ وہاں سے مایوس ہو کر میرے مرشد والا کی خدمت میں آئے لیکن انہوں نے بھی ان کی درخواست رد کردی۔ جب آخری بار وہ مرشد گرامی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے انہیں طلب میں سچا اور عقیدت پکا دیکھ کر ان کی التجا قبول کرلی اور انہیں مرید کر کے ذکر و شغل میں لگا دیا۔ ملا مسکین بڑی جلدی کامل اور عارف ہو گئے۔ ان دنوں وہ کشمیر میں قیام پذیر ہیں اور دن رات حضرت کے آستان سعادت نشان پر موجود رہتے ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتی ہوں کہ مجھے اس عظیم دولت سے بہرہ ور کرے۔ اس کے علاوہ اب اور کوئی آرزو یا تمنا دل میں نہیں رہی۔

ان کے علاوہ میرے مرشد والا کے سعادت مند مریدوں میں محمد حلیم بھی ہے۔ اسے آپ نے فرزند کا خطاب دے کر دین و دنیا میں سربلند ہے۔ وہ بھی بدخشان کا رہنے والا ہے۔ میرے مرشد محمد حلیم پر حد سے زیادہ عنایت اور مہربانی فرماتے اور بڑے اعلیٰ طریقے سے باطنی توجہ دیتے ہیں۔ آپ نے اسے ذکر و شغل سکھا کر طریقہ شاہی کے مطابق ریاضت و مجاہدہ کرایا اور صاحب حال بنا کر (بلند) مقام پر پہنچا دیا ہے۔ میرے مرشد والا محمد حلیم کی بڑی تعریف کیا کرتے ہیں۔ وہ حضرت کے ساتھ ویسی ہی نسبت رکھتا ہے جیسی سعادت مند بیٹے اپنے والد مہربان کے ساتھ رکھتے ہیں۔ وہ چونکہ ایک جوان سپاہی ہے اس لیے حضرت استاذی نے اسے ملازمت کرنے کا حکم دیا ہے۔

ان کے مریدوں میں سے ملا مسکین، ملا محمد امین کشمیری، ملا عبدالنبی کشمیری اور ملا حبیب اللہ سب کے علوم ظاہری اور باطنی سے بہرہ ور ہیں۔

میں چونکہ اپنے دین و دنیا کے مرشد، راہ ہدایت کی دلیل، ہدایت و ولایت پناہ، حضرت مولانا شاہ والا جاہ، سلمہ اللہ، کے باسعادت حالات (کے بیان) سے مطمئن ہوں۔ اب اپنے مختصر سے حالات، اپنے مرید ہونے، توجہ کرنے، ان سے عقیدت اور ارادت رکھنے اور اس رسالہ کے لکھنے کا سبب بیان کرتی ہو۔

اگر چہ یہ بات ادب سے بعید ہے کہ میں اپنے احوال اپنے مرشد والا کے احوال باکمال کے فوراً بعد

لکھوں۔اب چونکہ حضرت کے مریدوں کے نام لکھے جا چکے ہیں، اس لیے میں یہ سعادت سمجھتی ہوں کہ ان کی صف میں اپنا نام بھی لکھوں۔

جب ہم نے کابل میں پڑاو کیا تو برادر عالم قدر بھی تھوڑی مدت بعد وہاں تشریف لے آئے۔فوج کی کثرت کی وجہ سے کابل میں قحط رونما ہوا اور والد بزرگوار جس علاقے کی تسخیر کا ارادہ دل میں رکھتے تھے اور ان کی یہ خواہش تھی کہ وہ برادر عالی کو اس مہم پر روانہ کریں، اسے ترک کر دیا۔اس عنایت خداوندی کے ظہور پر اس ضعیفہ کے دل میں خوشی و مسرت کی لہر روڑ گئی۔میں نے خدا کی ہزار تعریفیں کیں اور بارگاہ الٰہی میں شکر کے ان گنت (سجدے) بجالائی۔میں نے دعا میں اللہ کریم سے یہ مانگا تھا کہ جدائی کی مدت کم کر دے اور ان کی ذات کو آنچ نہ آنے پائے اور ان کی ملاقات میسر آئے۔میں اکثر اوقات صاحب فیض برادر عارف کے ساتھ بیٹھ کر خدا کی جستجو اور طلب حق کا ذکر کیا کرتی تھی۔یہ مراد حاصل کرنے کی خواہش میں میرا شوق ہزار گنا بڑھ گیا تھا لور معرفت الٰہی کے شوق کی آگ میرے (دل میں) بھڑک اٹھی تھی۔

کچھ عرصہ کابل میں گزار کر والد بزرگوار، جن پر اللہ تعالیٰ کی عنایات تھیں لاہور کی طرف متوجہ ہوئے اور ۲۴ ماہ رجب ۱۰۴۹ ہجری کو شہر مذکور میں داخل ہوئے۔ حقیقت و عرفان الٰہی کے ادراک میں میرا شوق بہت بڑھا ہوا تھا۔لاہور شہر میں چونکہ بہت سے مشائخ اور اکابرین سکونت پذیر ہیں، اس لیے میں مرشد کی تلاش کرنے لگی جو معرفت کا سیدھا راستہ دکھائے اور خدائے واحد سے ملا دے۔میں نے یہ عہد کیا کہ جب تک مرشد کامل و عارف باللہ نہ ملے اور میں اسے دیکھ نہ لوں اور اس کے حالات اور مقامات اچھی طرح مجھ پر ظاہر نہ ہو جائیں اور مجھے حکم نہ دیں، میں مرید نہ ہوں گی۔میں خاص کر خانوادہ چشت کے مشائخ کی تلاش اور جستجو میں لگ گئی۔جہاں کہیں کسی گوشہ نشین یا شیخ کے بارے میں سنتی، لوگوں کو بھیج کر اس بزرگ کے حالات کی جانچ پڑتال کرتی اور ان کے بارے میں اطلاعات حاصل کرتی۔میں ان کی خدمت میں نذر و نیاز بھیج کر ذکر و شغل کی خواہش کا اظہار کرتی اور بعض اکابرین سے مجھے اس سے کوئی فائدہ نہ پہنچا۔حضرت میاں میرؒ کے مریدوں اور مصاحبوں کے بارے میں معلوم کیا اور خاص طور پر ملا خواجہ بہاری سے جو حضرت میاں میر کے بڑے اچھے مصاحب اور مرید ہیں، بڑی التجا اور التماس

کی۔انہوں نے کسی شخص کو مرید نہیں کیا اور نہ ہی اب کرتے ہیں۔انہوں نے مجھے بھی شغل نہیں سکھایا۔وہ چونکہ بڑے مہربان اور خوش خلق فقیر ہیں، اس لیے کبھی کبھی ان کے بارے میں پوچھتی رہی۔ مجھے اس جستجو اور گفتگو میں کافی عرصہ گزر گیا لیکن ایسا شیخ، جس کے ارشاد و تلقین سے دل کی مکمل تشفی اور پوری طرح تسلی ہوتی، مجھے نہ ملا۔اس کا نہ ملنا اس لیے نہ تھا کہ یہ عہد اور زمانہ اولیاء اللہ کے وجود سے خالی تھا۔اس بزرگ گروہ سے دنیا خالی نہیں تھی اور نہ ہے اور نہ ہی رہے گی۔دنیا ان کے وجود سے قائم ہے۔مثال کے طور پر اگر دنیا ایک دن یا ایک گھڑی نقبا، اولیاء، اخیار، ابرار، اوتار، ابدال، قطب اور غوث ایسے اولیاء اللہ، رضوان اللہ علیھم اجمعین، کے وجود سے خالی ہو جائے تو عالم کا مدار قائم نہیں رہ سکتا اور دنیا اور اس میں جو کچھ بھی ہے درہم برہم ہو جائے۔ بہر حال، شیخ کامل کی تلاش چونکہ سالک پر فرض عین اور عین عبادت ہے۔امیر کا ہمیشہ ایسے بزرگ کے بارے میں آواز سننے کے لیے تیار رہتے تھے اور انتظار کی آنکھیں ایسے عارف کے آوازے کی راہ کو دیتی رہتی تھیں۔ کیونکہ جب تک مرید اور راہ حق کا متلاشی پورے فرض کے ساتھ اپنے دست ارادت سے کسی پیر کامل کا دامن نہ تھامے، محال ہے اور حقیقۃ الحقایق (خدا تعالی) کا قرب حاصل نہیں کر سکتا۔اگر چہ میری پوری خواہش یہ تھی کہ اگر اس طرح کا کوئی شیخ سلسلہ شریفہ چشتیہ میں مل جائے، تو بہتر اور مناسب تر ہے۔اس وقت اس سلسلہ معظمہ کا بلند مرتبہ اور اونچا پایہ اس سے کہیں بلند ہے کہ اس کی تعریف کی جائے یا مناقب بیان کرنے کسی کاوش کی جائے۔اس گروہ کے افراد چونکہ اکثر اپنے حالات کو چھپائے رکھتے ہیں اور خود کو عام لوگوں سے پوشیدہ رکھتے ہیں۔اس لیے میں ان میں سے کسی کے بارے میں جلد اطلاع حاصل نہ کر سکی۔

اسی سال انہی سعادت سے شروع ہونے اور سعادت پر بھی ختم ہونے والے ایام میں نائب خدا والد بزرگوار کشمیر دل پذیر بے نظیر، جو محتاج تعریف و توصیف نہیں، کی سیر کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہ ضعیفہ نو ماہ ذی الحجہ سال مذکور (۱۰۴۹ھ) کو ان کی خدمت میں کشمیر جنت نظیر میں پہنچ گئی۔ میں چونکہ یہاں کے مشائخ کے حالات سعادت مال سے بے خبر تھی اس لیے کشمیر میں داخل ہوتے ہی بعض لوگوں سے سنا کہ سری نگر ان دنوں حضرت ولایت پناہ، راہ نما، برگزیدہ الہ، حضرت مولانا شاہ، خدا انہیں سلامت اور باقی رکھے، کے وجود مسعود کے فیض سے

مزین ہے اور یہ سرزمین ان کے مبارک قدموں کی برکت سے آسمان کی ہمسر بنی ہوئی ہے بلکہ اس سے ایک درجہ بلند ہونے کا دعوی کر رہی ہے حضرت والا قدر سلسلہ معظمہ ومکرمہ قادریہ میں حضرت ولایت منقبت، سر دفتر اولیائے کبار پیشوائے مشائخ نامدار، بینائے روزگار، دانائے ضمایر، مشرف خواطر، مطلع بواطن وظواہر، مقتدائے صغیر وکبیر، حضرت میاں میر، قدس اللہ سرہ کے احباب کی شان اوران کے مریدوں میں سب سے افضل ہیں۔ برادر کامگار، والا گوہر، بلند مقدار، عالی قدر، عارف باللہ، جودرحقیقت آغاز سلوک میں مجھ غریب کے مرشد ہیں، حضرت میاں میر صاحب ہی سے نسبت ارادت رکھتے ہیں ان بابرکت ایام میں حضرت شاہ کی خدمت میں آمد ورفت رکھتے ہیں۔ انہوں نے مشغول ہوکر بے حدوحساب فیوض حاصل کیے۔ وہ صاحب حال ہیں اور بلند مقامات پر فائز ہیں۔ وہ وحدت کے بلند مقامات پر فائز ہیں۔ وہ وحدت کے بلند مرتبے اور کے اونچے درجے طے کر کے حضرت ذوالجلال کے قرب کے انتہائی بلند مرتبہ پر پہنچ گئے ہیں۔

نذر ونیاز بھیجنے کوادب سے بعید جانتے ہوئے پہلی دفعہ میں نے اپنے ہاتھ سے نان اور ساگ پکا کر ایک خط کے ساتھ اپنے ایک بے نظیر خواجہ سرا کے ہاتھ ان کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت بے نیاز نے تقریباً ایک ماہ تک کوئی جواب نہ دیا بلکہ تقاضائے بے نیازی کے تحت اور زیادہ بے نیازی برتی، لیکن وہ میرے عرضداشتوں کو پڑھتے اور فرماتے کہ ہمیں دنیاداروں اور بادشاہوں سے کیا سروکار ہے؟ اس ضعیفہ نے بھی عریضہ بھیجنے، اظہار خواص و بندگی کرنے اور کسی بھی قسم کی خدمت سے ہاتھ نہ روکا۔ برادر والا جاہ، جو حقیقت کا راستہ طے کر چکے تھے، جب بھی ان کی خدمت میں جاتے میرے اخلاص وعقیدت کا بڑا اظہار کرتے۔ جب انہوں نے اس حقیرہ کو اپنے کشف اور نور باطن سے طلب اور نیازمندی میں سچا پایا اور یہ معلوم کرلیا کہ میرا اصل مقصد طلب راہ حق کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے، تو عنایت فرمانے لگے اور کبھی کبھی میرے عریضوں کا جواب بھی دینے لگے۔ اس امید کی خوشبو کہ حضرت مجھے ارشاد وتلقین فرمائیں گے میرے دماغ تک پہنچنے لگی۔ جب برادر عارف کی تقریر صدیق پذیر سے حضرت کے حالات اور مقامات کی حقیقت، اونچا مرتبہ اور بلند درجہ اس ضعیفہ کو معلوم ہوا تو دل میں کسی بھی قسم کا شک وشبہ باقی نہ رہا۔ ان کے جمال مبارک کو ظاہری طور پر دیکھنے کی آرزو تھی۔ میری حد سے بڑھی ہوئی خواہش کے مطابق اس

بیمقدار کے والد بزرگوار نے انہیں بلایا اور حضرت قرآن مجید کی اس آیت کریمہ :اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور تم میں سے جو صاحب امر ہوں۔

ملاشاہ بدخشی سے جہان آرا کی عقیدت کا یہ حال تھا کہ اس نے حضرت شاہ کی مدح میں یہ رباعی کہی۔۔

"اے شاہ ملک عافیت تیری سلطنت ہے تیری گدڑی کا ہر بخیہ تیرے لشکر کی صف ہے تیرا چہرہ آئینہ حق نما ہے اور سورج موتی کی پاکیزگی کے سامنے شرمندہ ہے"۔۷۴

ملاشاہ بدخشی اور داراشکوہ:

داراشکوہ لکھتا ہے کہ ایک روز مجھے مسئلہ رویت حق میں شبہ ہوا کہ آیا خدا تعالیٰ کی رویت جو قرآن سے ثابت ہے کیونکر ہوگی اور اس مشکل کو حل کرنے کے لئے میں حضرت ملاشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا مگر رعب کے باعث کچھ نہ کہہ سکا اور الٹے پاوں گھر آ گیا، گھر آ کر حضرت رسالت مآب ﷺ کی روح پرفتوح کی جانب متوجہ ہوا وہاں سے ارشاد ہوا کہ فکر کی کیا بات ہے خدا قادر ہے جس طرح چاہے اپنے مومنوں کو دیدار کروائے گا۔ یہ دیکھتے ہی بہت تسلی ہوئی دوسرے دن حضرت ملاشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا موصوف فرمانے لگے اے داراشکوہ مسئلہ رویت سے تیری تسلی ہوگئی میں نے عرض کیا کہ اس حال سے انکو کس طرح واقفیت ہوئی۔ موصوف نے فرمایا کہ جس نے مجھ کو یہ حال سنایا اس نے مجھ کو بھی بتلادیا۔۷۵

حضرت ملاشاہ صاحب کی وفات ۱۰۶۹ھ/۱۶۵۹ء میں ہوئی۔۷۶

مخزالواصلین، تحقیقات چشتی اور صاحب خزینۃ الاصفیاء ۱۰۶۹ھ/۱۶۵۹ء ہی لکھتے ہیں کہ اگر تاکرخ لاہور کے مطابق سن وفات ۱۰۷۱ھ دیکھا جائے تو یہ درست نہیں جبکہ اسکے ساتھ یہ لکھا گیا ہے کہ ملاشاہ بدخشی کا مزار داراشکوہ نے تیار کروایا مگر داراشکوہ اور اورنگ زیب کے واقعات وحالات بتاتے ہیں کہ شاہ جہان ۱۰۶۸ء میں تاج وتخت سے محروم ہوا اور داراشکوہ عالمگیر کے حکم سے ۱۰۷۰ھ/۱۶۶۰ء میں قتل ہوا شاہ جہان کی معزولی کے بعد داراشکوہ کا اقتدار ختم ہو چکا تھا وہ اپنی جان بچانے کے لئے پھر رہا تھا ان حالات میں وہ ملاشاہ بدخشی کا مقبرہ کس طرح تیار کروا سکتا تھا انکا مقبرہ یقیناً داراشکوہ کے بعد تعمیر ہوا ہے۔۷۷ موصوف کا سن وفات



45. *Dara Shikoh visiting a Sufi faqir*, c. 1640–50, drawing on paper.

derived from
Ann Marie Schimmel's
The History of Great
Mughals.

۱۰۶۸ھ/ ۱۶۵۸ءیا۱۰۶۹ھ/ ۱۶۵۹ءہی قریب قیاس ہے۔

شہزادہ محمد داراشکوہ بن شہاب الدین محمد شاہ جہان بادشاہ

حضرت ملاشاہ کا نامور مرید وخلیفہ ظاہری اور باطنی اوصاف کا جامع، بادشاہ صورت اور درویش سیرت اپنے مرشد کی طرح نظریہ وحدت الوجود (همہ اوست) کا زبردست حامی اور مبلغ تھا۔ نثر ونظم پر کافی مہارت تھی۔ ۱۰۶۹ھ/ ۱۶۵۹ء میں اورنگ زیب عالمگیر کے حکم سے قتل ہوا۔ سفینۃ الاولیاء رسالہ حق نما، حسنات العارفین، مجمع البحرین، سراکبر، دیوان اکبر اعظم داراشکوہ کی مشہور تصانیف ہیں۔ سفینۃ الاولیا میں دنیائے اسلام کے ۴۱۱ بزرگان دین کے مختصر حالات یہ حالات تذکرہ نفحات الانس اور دوسرے قدیمی تذکروں سے ماخوذ ہیں۔ اس کتاب کے شروع میں داراشکوہ نے اپنے آپ کو حنفی قادری لکھا ہے اور صوفی سلسلوں کا ذکر کرتے ہوئے قادریہ سلسلہ کو پہلی جگہ دی ہے۔ ۱ جس سال سفینۃ الاولیاء ختم ہوئی اسی سال ۲۱ اپریل کو داراشکوہ نے ملاشاہ بدخشی کے ہاتھ پر بیعت کی اور اسکے تین سال بعد سکینۃ الاولیاء لکھی جس میں حضرت میاں میر، ملاشاہ بدخشی اور حضرت میاں میر کے دوسرے خلفاء کے حالت ہیں۔ ۱۶۴۶ء میں صوفیانہ رسالہ حق نما کے نام سے لکھا۔ ۱۰۶۲ھ/۱۶۵۲ء میں حسنات العارفین جمع کئے شروع میں دارا کا روحانی تجسس صرف مسلمان صوفیاء تک محدود تھا۔ مگر فلسفہ وحدت الوجود سے وحدت ادیان تک پہنچنے میں کوئی نا قابل عبور مشکل نہ تھی۔ ۷۸ چنانچہ اس نے دوسرے مذاہب خصوصاً ہندو ویدانت میں چھان بین شروع کی جسکا پہلا نتیجہ مجمع البحرین کی صورت میں ۵۵-۱۶۵۴ء میں نمودار ہوا۔ ۲

دارا کے مذہبی رجحانات کی وجہ سے لوگوں میں احساس پیدا ہوگیا کہ اکبری الحاد دوبارہ جنم لے لے گا اور دارا کی بادشاہت میں اکبر کی مذہبی بے قاعدگیاں ہندوستان میں پھر عام ہوجائیں گی۔ اس وجہ سے دارا کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے۔ ۷۹

برہان پور کے سندھی اولیاء

پس منظر:

دسویں صدی ھجری میں سندھ پر ارغونون کے تسلط اور جام فیروز کی بساط سلطنت الٹنے کے بعد ملک کی عام بدامنی کو دیکھ کر سندھ کے بہت سے اولیاء اور علماء ترک وطن کرنے پر مجبور ہوئے۔ ان میں بعض نے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کا رخ کیا اور بعض نے گجرات اور دکن کی خانقاہیں آراستہ کیں ان میں سندھ کے وہ صوفیائے کرام بھی تھے جنہوں نے رشد و ہدایت کے لئے اپنا وطن برہانپور کو بنایا۔

سندھ کا وہ عہد جسے تاریخ لحاظ سے زرین دور کہا جاتا ہے سمہ عہد ہے۔ سمہ حکمرانوں نے سندھ کو ترقی باکمال کے انتہائی عروج تک پہنچایا کہ اچانک جام نظام الدین متوفی (۹۱۴ھ/۱۵۳۶ء) کے بعد سندھ کے امن و سکون کا شیرازہ بکھرا۔ ۹۲۸ھ/۱۵۵۰ء میں سندھ پر غلامی کی شام مسلط ہوگئی۔ ارغون جو شاہ اسماعیل، بابر اور محمد خان شعبانی کے دباؤ سے بابل اور قندہار چھوڑنے پر مجبور تھے۔ اپنی پریشانیوں میں ایک نئے وطن کی تلاش میں تھے وہ سمہ خاندان کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر سندھ پر بلائے بے درمان کی طرح ٹوٹ پڑے۔ اور مسلط ہوگئے۔ ان کے خاتمہ کے بعد ان کے قائم مقام ترخان ہوئے، ارغونا اور ترخانون کی حکومت تقریباً سو سال رہی لیکن ان کی حکومت کا ہر دن اس امن و عافیت کے گہوارہ کو تباہی و بربادی کی آماجگاہ بناتا رہا۔ ارغون کے دور میں ہمایوں شیر شاہ سوری سے شکست کھا کر یہاں آیا، چار ارغون اور ہمایوں میں آویزش رہی۔ شاہ حسین ارغون کی پوری زندگی لڑائیوں اور معرکوں میں گزری اس نے سندھ سے لیکر ملتان تک خونریزی کی جو بساط بچھائی اس سے تاریخ کے اوراق آج تک رنگین نظر آتے ہیں۔

عرض یہ کہ ۹۱۴ھ/۱۵۰۹ء سے ۱۰۰۰ھ/۱۵۹۲ء تک پوری ایک صدی علمی اور مادی حیثیت سے بالکل تباہ و برباد ہوگیا اور علم و ادب کی وہ بساطیں جو صدیوں سے بچھی ہوئی تھیں الٹ گئیں۔ روحانی فیض و ارشاد کی وہ سندین جن سے عرفان و تصوف کے چشمے ابلتے تھے خالی ہوگئیں اور وہ خانقاہیں جن میں معرفت اور عظمت الٰہی کے نغمے

گونجتے تھے ویران ہوگئیں۔ علماء وصوفیائے کرام یہاں کے غیر محفوظ حالات دیکھ کرترک وطن پر مجبور ہوئے اور اس طرح گئے کہ پھر کسی نے سندھ کارخ نہ کیا۔ انہیں میں دربیکہ کے علماء اور باٹ کے صوفیاء بھی تھے جنہوں نے اس دورانتشار میں یہاں سے نکل کر مکہ معظمہ منورہ کارخ کیا اور بعض نے گجرات اور دکن کی طرف اپنے لئے نئی خانقاہیں آراستہ کیں۔

حضرت شیخ عیسی جنداللہ کا خاندان اس دورابتلا میں ترک وطن کر کے برہان پور میں آباد ہوا اور وہاں رشد و ہدایت کی وہ مسند آراستہ کی کہ جن کے فیوض وبرکات ہندوستان کے ہر حصے میں پہنچے یہاں تک کہ صدیاں گزرنے کے بعد آج بھی برہان پور میں سندھی پورہ ان بزرگوں کی یاددلاتا ہے۔

یہ مشائخ وعلماء صوفیانہ مذاق کے ساتھ ساتھ دینی علوم کی ترویج میں عشق کے درجے کا شغف رکھتے تھے ان بزرگوں نے جام نظام الدین المعروف بہ جام نندا کا وہ پرائن اور شعائر اسلام پر عامل عہد دیکھا تھا۔ ۸۶۶ھ، ۱۴۶۲ء/ ۱۵۰۹ء جسکے متعلق مولانا محمد معصوم نامی لکھتے ہیں:

"جام نظام الدین ہر ہفتہ بہ اصطبل خودمی رسید ودست پر یشانی اسپان می کند و می گفتہ کہ اے دولتمندان بخیر عزائمی خواہم کہ سواری برشما واقع شد چرا کہ درحدود اربعہ حکام اسلام اند دعا کنید کہ بے سبب شرعی بجائے مردم کے نیز اینجانیاید۔ مبادا خون مسلمانان بیگناہ ریختہ شود وعنداللہ شرمسار گردم۔ درزمان دولت او احیائے سنن بنوع شیوع یافتہ بود کہ مافوق آن تصور نہ توان کرد۔ ۸۰

برخلاف اس کے بابر کے خروج اور سعی ملک گیری نے اطراف ملک میں فتنہ وفساد اور شورش اور بدامنی کا ماحول پیدا کردیا اور سب سے پہلے سندھ ہی اس ماحول سے متاثر ہوا۔

تاریخ معصومی سے ان مقتدر مشاہیر علماء کے ترک وطن کی شہادت ملتی ہے۔ قاضی عبداللہ معہ اہل وعیال ۹۳۶ھ/ ۱۵۳۰ء میں گجرات چلے گئے اور وہاں سے حجاز مقدس جا پہنچے اور وہیں وفات پائی۔ ۸۱

اسی اثنا میں قاضی قاضن بھی حجاز پہنچ کر مدینہ منورہ میں رہنے لگے۔ تاریخ سندھ, معصومی" میں ضمنا" صداقت ملتی ہے۔

اسی اثنا میں مسیح الاولیاء کے والد شیخ قاسم اور عم حضرت شیخ طاہر محدث ہجرت کر کے گجرات، برار اور وہاں سے برہان پور تشریف لے گئے۔ عین المعانی کشف الحقائق اور گلزار میں ان کے مفصل حالات مذکور ہیں۔۸۲

اس وقت برہانپور ملکی ماحول کی شورش انگریزوں سے مستثنیٰ تھا۔ آل فاروق کے سلسلے کے تمام بادشاہ راسخ العقیدہ حنفی تھے اور ہر بادشاہ ایسے صوفیانہ مسلک، علم وفضل، معارف پروی اور مشائخ نوازی میں ایک دوسرے پر فائق تھا۔۸۳

دسویں صدی ہجری کے آخر میں حضرت مسیح الاولیاء اور ان کے چچا حضرت شیخ طاہر محدث برہانپور تشریف لائے تو ان کی وطنی نسبت کی بنا پر ان کی سکونت گاہ سندھی پورہ کے نام سے شہرت پذیر ہوئی لیکن اس کی وسعتیں جب سندھی مہاجرین کو جذب نہ کر سکیں تو اسکے متصل ایک اور محلّہ بس گیا جسکو صحت کنوان کہا جاتا ہے۔ جو بعد میں نواب ابوالخیر خان کی نسبت سے خیر خالی موسوم ہوا۔ یہاں صرف ٹھٹھہ کے مہاجرین آباد ہوئے۔۸۴

خانوادہ حضرت مسیح الاولیاء حضرت شیخ طاہر محمد قدس سرہ

شیخ یوسف سندھی کے فرزند اور شیخ شہاب الدین سندھی کے شاگرد تھے۔۸۵ ہمایوں کی آمد سے پہلے سندھ میں جب ابتری پھیلی تو یہ بزرگان ہجرت کر گئے۔ فرق کے الفاظ ہیں۔

"درآن ایام از آمدن ہمایوں بادشاہ در ملک سندھ تفرقہ وحادثہ افتادہ بود پدر و مادر وعم حضرت مسیح منقبت و بعضے از خویشان از قصبہ یات انتقال نمودند"۔۸۶

شیخ طاہر ہجرت کے بعد احمد آباد میں مقیم ہوئے۔ احمد آباد میں حضرت غوث الاولیاء محمد غوث گوالیاری کے یہیں موجود ہونے اور ان کے فضل وکمال کا شہرہ سن تو اپنے چھوٹے بھائی شیخ قاسم کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔۸۷

غوث الاولیاء نے ان کو اپنا مرید کیا اور چودہ خانوادہ کی خلافت عطا فرمائی۔۸۸

۲۲ سال برار میں رہ کر طالبان علوم کو فیض پہنچاتے رہے۔۹۸۲ھ/ ۱۵۷۵ء میں برہان پور چلے آئے۔

والی برہان پور نے ان شایان شان پذیرائی کی۔ شیخ طاہر کو علم وفضل ،طلب علم پر مستعدی، حیرت انگیز ذہانت ،علوم دینیہ کے درس اور بلند پایہ تصانیف کے اعتبار سے اس دور کا انسان کامل اور عالم باعمل تسلیم کیا گیا ہے۔اس دور کے بزرگ ترین علماء وصوفیا آپ کی صحبت و درس میں شرکت کو باعث سعادت جانتے تھے۔انکی تصنیف میں آٹھ معرکۃ آلارا کتابیں یادگار ہیں۔

ا۔ تفسیری مجمع البحار۔۸۹

۲۔ مختصر قوت القلوب۔

۳۔ منتخب مواھب لدینہ۔

۴۔ ملتقط جمیع الجوامع سیوطی۔

۵۔ موجز قسطلانی۔

۵۔ تفسیر مدارک۔

۷۔ اساقی رجال صحیح بخاری۔

۸۔ ریاض الصالحین اسکی فہرست وترتیب تین روضوں پر رکھی گئی ہے۔

روضہ اول۔ احادیث صحیحہ کا بیان۔

روضہ ثانی۔ مشائخ عظام کے نصائح ۔غوث پاک

امام غزالی۔ ابو طالب مکی ۔شہاب الدین شہروردی۔زین الدین خوانی شیخ علی متقی۔

روضہ ثالث۔ عبارات اہل عرفان ووجدان ،عین القضاۃ ہمدانی صدرالدین قونیوی فرحی نے لکھا ہے

"بندگی شیخ طاہر محدث سی ہزار حدیث یاداشتند"۔

شیخ طاہر کا انتقال ۱۰۰۴ھ/۱۵۹۶ء میں ہوااور اپنے حجرہ عبادت میں دفن ہوئے۔کچھ عرصہ بعد عبدالرحیم خان خانان نے حجرہ کی جگہ پختہ بارہ دری تعمیر کرادی۔

علامہ غوثی نے گلزار ابرار میں تفسیر مجمع البحار کی کچھ عبارت درج کی۔۹۱

حضرت قاسم بن شیخ یوسف سندھی م ۹۸۱ھ/۱۵۷۴ء

شیخ طاہر محدث کے چھوٹے بھائی تھے۔آبائی وطن سندھ تھا۔قبل ہجرت وطن اپنے بھائی کے دوش بدوش علوم ظاہری وبطنی کی تحصیل پر کاربندر ہے۔شیخ بہارالدین کے مرید تھے جو شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی کے آستانہ کے سجادہ نشین تھے۔۹۲ ہجرت کے بعد انکو مزید حصول علوم وتکمیل کا شاید موقع نہ ملا۔ کیونکہ اسکی کوئی صراحت نگاہ سے نہیں گزری کیونکہ برار میں جب محدث صاحب درس وتدریس میں مشغول نظر آتے ہیں تو آپ جاگیر کے مواضعات کے انتظامی امور میں مصروف پائے جاتے ہیں۔۹۳

شیخ طاہر محدث فرمایا کرتے تھے کہ میرے بھائی قاسم کا مشرب صوفیانہ تھا۔۹۴ ۹۸۱ھ/۱۵۷۴ء میں بمقام ایلچپور میں وفات پائی۔

حضرت شیخ سلیمان سیفی سندھی الراری البراری البرہانپوری م ۱۰۰۵ھ/ ۱۵۹۷ء

شیخ عیسی جنداللہ کے حقیقی بھائی تھے ولادت ۹۶۶ھ/ ۱۵۵۹ء بمقام ایلچپور برار میں ہوئی۔تصوف میں ان کا بلند مقام ہے۔فنون حرب کے بھی ماہر تھے۔عادل شاہ فاروقی کی فوج میں ملازم تھے۔جب شاہ لشکر عارف باللہ کے مرید ہوئے تو سیفی تخلص پایا۔۹۵

اکبر نے خان اعظم کی سرکردگی میں جب احمد نگر پر مہم بھیجی اور عادلشاہ فاروقی کو بھی پیغام بھیجا کہ اس مہم میں تعاون کریں۔عادل شاہ نے اس پیغام کو رد نہیں کیا نہ صرف فوجیں بھیجیں بلکہ خود اپنے چیدہ رسالے کولیکر برہانپور سے روانہ ہو گیا اس مہم میں عادل شاہ کے ہمراہ سیفی بھی تھے۔۹۶

شاعری میں بھی سیفی کا اعلی ذوق تھا۔روائح الانفاس ملفوظات حضرت شیخ برہان الدین راز الہی قلمی میں سیفی کی ایک رباعی ملتی ہے۔۹۷

سیفی رخ خود از رہ کثرت پرتاب
ھان گوھرے از بحر حقیقت دریاب

از خود گذر رو بخود ہمہ اور ار دریاب

گہ لطف کند گاہ ستم گاہ عتاب

سیفی کی وفات بھی میدان کارزار میں واقع ہوئی۔ فرحی نے کشف الحقائق میں ان کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مسیح الاولیاء کا قول نقل کیا ہے۔

"میفر مودند کہ برادرم شیخ سلیمان چون مرید حضرت پیر من گشتند، تخلص نہ داشتند بعد التماس حضرت ایشان سیفی تخلص دارند بعدہ ہمراہ میران عادل خان فاروقی در جنگ سہیل خان دکنی گشتہ شدند۔ ۹۸

علامہ محمد حسین آزاد نے دربار اکبری میں تاریخی واقعات کی روشنی میں یہ بات مرتب کی ہے۔

آزاد لکھتے ہیں:

"قضا ساعت کی منتظر تھی۔ حریف نے سپہ سالار کو سامنے سمجھ کر حملہ کر دیا۔ یہاں راجے علی خان اپنی فوج لئے کھڑا تھا۔ عجب گھمان کا دن پڑا افسوس کہ ملک دکن کی کنجی اسی میدان کی خاک میں کھوئی گئی۔ لڑائی کا فیصلہ علی الصبح خان خانان کی فتح کی صورت میں ہوا۔ راجہ علی خان ۳۵ سردار نامدار اور پانچسو وفادار غلاموں کے ساتھ ناموری کے میدان میں سوتا ہوا ملا۔ قیاس ہے کہ سیفی منجملہ دیگر جانبازوں کے سپر خاک ہوئے"۔ ۹۹

مسیح الاولیاء حضرت شیخ عیسی جند اللہ ابن شیخ قاسم سندھی

۹۶۲ھ/۱۵۵۵ء تا ۱۰۳۱ھ/۱۶۲۲ء

ہمایوں کی لشکر کشی سے جب سندھ کا علاقہ متاثر ہوا تو شورش و بدامنی سے دل برداشتہ ہو کر آپ کے والد شیخ قاسم آپ کے چچا شیخ طاہر محدث ۹۵۰ھ/۱۵۴۴ء میں وطن سے ہجرت کی۔ مولانا شیخ اسماعیل فرحی نے مسیح الاولیاء کے ملفوظات میں ہجرت کی صراحت اس طرح لکھی ہے۔ ۱۰۰

در آن ایام کہ از آمدن ہمایوں بادشاہ در ملک سندھ تعزقہ و حادثہ افتادہ بود۔ پدر و مادر و عم حضرت مسیح و بعضے از خویشان از قصبہ یات انتقال نمودہ در احمد آباد آمدند"۔

مسیح الاولیاء نے اپنی تصنیف عین المعانی کی تمہید میں اپنے مولد ابراری ہونے پر فخر کرتے ہوئے یہ عبارت لکھی ہے:

"عیسی بن قاسم بن یوسف بن رکن الدین بن معروف بن شہاب الدین المعروف بہ الشہابی الجندی السندھی الہندی البراری الشطاری القادری کہ ملقب بہ عین العرفا بہ ابوالبرکات است میگوید" ۔۱۰۱

سقوط سلطنت برار کے فوراً بعد حضرت محدث صاحب دیگر سندھی اعزا کو لے کر برہانپور چلے آئے۔ انکے علاوہ دیگر سندھی بزرگوار بھی برہانپور میں آپ کے قریب آ کر آباد ہونے لگے۔ اوران کی وطنی نسبت کی وجہ سے یہ محلہ سندھی پورہ کہلایا۔۱۰۲

تصوف سے ذاتی لگاؤ تھا۔ اس لئے حضرت شیخ لشکر محمد عارف کے مرید ہوئے۔۱۰۳

حضرت شیخ عیسی جنداللہ کے ملفوظات کا ایک نسخہ ان کے ایک خلیفہ شیخ اسماعیل فرجی نے بیس سال حاضر خدمت رہ کر حالات قلمبند کئے۔ اور کشف الحقائق نام رکھا۔۱۰۴

مولانا حسن غوثی کا گلزار ابرار بھی انکی زندگی میں پایہ تکمیل تک پہنچا انے خلیفہ شیخ برہان الدین راز الہی کے چند ملفوظات بھی مسیح الاولیاء کے اذکار سے معمور ہیں۔

ذوق خداطلبی میں آپ کے فقر وتوکل کے بہت سے شواہد ہیں۔ ایک روایت مولانا فرجی نے لکھی ہے کہ ایک مرتبہ خان خاناں عبدالرحیم حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رخصت ہوتے وقت تین چار سو یا کم وبیش روپیہ نذر کیا اور چلے گئے۔ حضرت عیسی جنداللہ کی عادت تھی کہ روپیہ پیسہ کبھی پاس نہ رکھتے تھے اور نذرانہ کی رقم ایک معتمد خلیفہ شیخ محمد سندھی کی تحویل میں رہتی تھی جب کہ رقم تقسیم نہ فرمالیتے چین کی نیند نہ سوتے۔۱۰۵

کشف الحقائق، روائح الانفاس میں کئی جگہ ذکر ہے انہوں نے تعمیرات میں بھی کافی دلچسپی لی۔ فی زمانہ ان مدرسوں اور خانقاہوں کی قدیم حدود بھی قائم نہیں ہیں۔۱۰۶

برہانپور کی تاریخ میں وہ سانحہ تاریخی حیثیت رکھتا ہے کہ ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۹ء آتش زدگی سے جو عمارات خاکستر ہوئیں ان میں سندھی پور کا محلہ بھی تھا بجز حضرت شیخ طاہر محدث کے مسکونہ محلات کے کسی اور مکان کے باقی

رہنے کا پتہ نہیں چلتا۔۱۰۷

ایک مرتبہ خان خاناں اور انکا بیٹا درآب خان آپ سے ملتجی ہوئے کہ ہمیں بو بور استی [۱۰۸] کے درس سننے کا اشتیاق ہے۔ آپ ان کے ساتھ راستی پورہ [۱۰۹] تشریف لے گئے۔ حضرت موصوف لمحات [۱۱۰] ونزہتہ الارواح [۱۱۱] جیسی اعلی کتب تصوف پڑھانے میں شہرت رکھتی تھیں۔ یہ لوگ کافی عرصہ تک اس دن کی درس سے مستفید ہوئے۔ واپسی پر مسیح الاولیاء دراب خان کی سواری کے رتھ پر اپنی خانقاہ میں تشریف لائے۔

مولانا فرحی لکھتے ہیں ۱۰۰۵ھ/۱۶۰۰ء میں اکبر بادشاہ اپنی سلطنت کی پوری طاقت کے ساتھ قلعہ اسیر کی تسخیر کے لئے خود موجود رہ کر سخت جدوجہد کی۔ جب کچھ نہ بن سکا اور والئی برہانپور مع اپنے مٹھی بھر رفقاء کے اطمینان سے قلعہ میں محفوظ بیٹھا رہا۔ بادشاہ کا خیال تھا کہ برہان پور کے اہل علم فاروقی بادشاہ کی بلائیں دور کرنے کے لئے وظیفے پڑھتے ہیں۔ اس لئے قلعہ فتح نہیں ہوتا اس نے صوفیاء اور مشائخ کو جس طرح ہوا قابو کیا۔ اکثر کو جبر وتعدی اور بعض کو حکمت عملی سے اپنے لشکر کے ہمراہ آگرہ لے گیا۔۱۱۲ لیکن مسیح الاولیاء کی عام مقبولیت دیکھ کر اس قسم کی کاروائی نہ کی۔ بلکہ نیازمندی سے پیغام دیا۔ کہ آپ کی ذات گرامی تو فیض وبرکات کا سمندر ہے یہاں رہ کر چند مریدین کو فائدہ پہنچانے کی بجائے میری فوج کے لاکھوں طالبان ہدایت کو سیراب فرمائیے اور آپ کو لشکر گاہ میں طلب کرلیا۔ کچھ صوفیائے کرام کو آگرہ لے جا کر نظر بند کردیا۔ حضرت مجدد الف ثانی کے ممتاز خلیفہ محمد نعمان نقشبندی کا آگرہ میں ہی وصال ہوگیا۔ مسیح الاولیاء ان گونا گون پابندیوں سے تنگ آکر بارگاہ ایزدی میں آزادی کے لئے دعائیں مانگا کرتے تھے۔ اور اس طرح انکو آزادی اور برہانپور جانے کی اجازت مل گئی۔۱۱۳

مسیح الاولیاء کا وصال ۱۴ شوال ۱۰۱۳ھ/۱۶۰۴ء میں ہوا اپنے حجرہ عبادت میں دفن کئے گئے۔ خان خانان عبدالرحیم خان نے مزار پر شاندار گنبد تعمیر کروایا۔

حضرت مسیح الاولیاء کی اولاد واحفاد میں بھی آپ کے علم وعمل اور تعلیمات کے فیضان کا سلسلہ جاری رہا۔ ان کی تصنیفات کی فیض رسانی سے ظاہر ہے کہ ان کی افادیت مسلم ہے چند مشہور تصانیف حسب ذیل

ہیں:

۱) <u>شرح رسالہ وحدت الوجود (فارسی):</u>

حضرت شیخ عبداللہ بلبانی کے عربی رسالہ کی شرح ہے۔ جو آپ نے مرشد کے حکم کے مطابق لکھی تھی۔ یہ رسالہ سندھ یونیورسٹی حیدرآباد کے ذخیرہ کتب میں موجود ہے۔

۲) <u>رسالہ دقیقہ:</u>

یہ مختصر رسالہ حقیقت محمدیہ کے بیان میں نظم و نثر سر مرصع ہے۔

۳) روضۃ الحسنی ۴) عین المعانی ۵) تفسیر انوار الاسرار

۱۔ علامہ غوثی، گلزار ابرار، ص، ۴۸۰

۶۔ رسالہ حواس پنجگانہ

۷۔ حاشیہ بر اشارہ غربیہ

۸۔ شرح قصیدہ بروح

۹۔ قبلہ المذاہب الاربعہ۔ تصوف کی کتاب ہے

۱۰۔ حاشیہ بر شرح ضیائیہ

۱۱۔ فتح محمدی۔ علم التفسیر

۱۲۔ تعیتم شرح مائیۃ عامل

۱۳۔ رسالہ عقود

۱۴۔ ترجمہ اسرار الوحی

یہ فہرست ۱۰۲۲ھ/۱۶۱۴ء تک کی ہے۔۱۱۴

حضرت بابا فتح محمد محدث

شیخ عیسی جنداللہ کے صاحبزادے تھے۔ان کی خانقاہ میں ایک مجذوب شاہ بجو آئے جنکا تعلق اہل مراقبہ سے تھا۔روائح الانفاس (قلمی) میں لکھا ہے کہ شاہ بجو کے بارے میں یہ علم نہیں کہ انکا تعلق کس خانوادے سے تھا۔

سید مطیع اللہ راشد برہانپوری، برہانپور کے سندھی اولیاء، ص، ۷۰-۷۲

مقامی طور پر مشہور ہے کہ اورنگ ذیب کے توپخانہ میں ملازم تھے۔حواس قائم رہنے تک شاہی فوجوں کے ساتھ قلعہ کشائی کی خدمات انجام دیں۔برہان پور میں انکا مزار ہے۔۱۱۵

بابا فتح محمد نے برہانپور سے ہجرت کی اور سولہ سال بارگاہ رسول میں گزار کر وہیں دفن ہونے کی سعادت حاصل کی۔تاریخ وصال ۱۰۸۰ھ/۱۶۷۰ء ثابت ہوتا ہے۔۱۱۶

ملا محب علی سمرقندی السندی البرہانپوری (۹۸۲ھ/۱۵۷۵ء)

ملا محب علی کے آباواجداد کا وطن سمرقند تھا۔سندھ میں پیدا ہوئے۔عمر کا بڑا حصہ برہانپور میں بسر ہوا۔اس لئے سمرقندی السندھی البرہانپوری مشور ہیں۔تاریخ کے روشن عہد کے مجمع فضائل بزرگ ہیں۔

ان کی زندگی کے حالات مآثر رحیمی ۱۰۲۵ھ/۱۶۱۷ء سن تالیف بادشاہ نامہ ۱۰۴۷ھ/۱۶۳۸ء عمل صالح ۱۰۶۵ھ/۱۶۵۵ء میں مذکور ہیں۔

ملا محب علی کے والد کا نام حیدر علی تھا۔۱۱۷ سندھ اس زمانے میں علوم وفنون کا گہوارہ تھا۔سن شعور کو پہنچنے تک مرجع فضل وکمال ومنبع علوم وفنون ہو چکے تھے۔۱۱۸

جب اکبر کے دور میں عبدالرحیم خان خانان نے ٹھٹھہ کو اسیر کیا تو جشن فتح میں اسکے ساتھ شکیبی بھی تھا۔اس نے ملا محب علی کے فضل وکمال کی شہرت سن کران سے ملاقات کی۔بہ اصرار خان خانان کے پاس لے گیا۔۱۱۹

ملا محب علی خان خانان کے مصاحبت کے ساتھ ساتھ برہانپور کے محدث ومشائخ کی درسگاہوں میں بھی

نظر آتے ہیں۔۱۲۰ ملا صاحب حضرت شیخ محمد ابن فضل اللہ نائب رسول اللہ کے مرید تھے۔ حضرت محمد فضل اللہ وہ بزرگ ہیں جو برہانپور میں عشق رسول اللہ میں شہرت رکھتے تھے۔ محبؔ علی تو فطرتاً صوفی منش اور فقر و توکل والے انسان تھے۔ شاہ جہان بزمانہ شہزادگی جب وہ نوجوان تھا۔ جب برہانپور آتا تو شیخ سے بکمال عقیدت و خلوص ملتا ان کی خانقاہ میں حاضر ہوکر ملتا۔ ان ملاقاتوں سے وہ اتنا متاثر ہوا تھا کہ بادشاہ ہوجانے کے بعد بھی بار باران تاثرات کا ذکر کرتا تھا۔ ملا عبدالحمید لاہوری کی شہادت موجود ہے۔ وہ بادشاہ نامہ میں لکھتے ہیں:

" مکرر بر زبان حقیقت بنیان خاقانی گذشتہ کہ از مرتاضان ہندوستان بہشت نشان دو کس را مرتضی بدرجہ کمال یافتہ شد میاں میر (لاہور) و محمد ابن فضل اللہ کہ در برہانپور حل اقامت انداختہ بہ رہنموئی سالکان، جادہ حق طلبی اشتغال داشت اعلی حضرت در ایام میمنت انتظام شہزادگی غزل شیخ تشریف فرمودہ ایشان را در یافتہ بودند۔۱۲۱

شاہ جہان نے اسی خانقاہ میں ملا محبؔ علی کو دیکھا تپاک سے ملا۔ ملاقاتیں بڑھیں۔ سیر و تفریح کے مواقع بھی انہیں ساتھ رکھنے لگا۔ برہانپور میں بھی شاہ جہان نے تعمیرات میں مغلیہ آرٹ کی بنیادیں رکھیں۔۱۲۲ ایک تفریح گاہ بنوائی۔ شاہ جہان نے اسکی سیر سے لطف اندوز ہونے کے لئے اولین موقع پر بھی ملا محبؔ علی کو ساتھ رکھا تھا۔ اس تعمیر کی شاہانہ آرائش پر ملا محبؔ علی نے متاثر ہوکر اپنے تاثرات اشعار کی صورت میں چھوڑے۔

" کردم از نظارہ این گلشن دائم بہار
سیر فردوس معلٰی در حیات مستعار "

ملا صاحب خان خانان، اسکے فرزندوں بلکہ شاہ جہان اور اسکے امراء پر بھی گہرا اثر و رسوخ رکھتے تھے۔ آپ نے آزاد فطرت اور بے ریا صوفی ہونے کے باوجود مذکورہ درباروں سے روابط و مراسم رکھے۔

مآثر رحیمی کا مصنف ملا صاحب کو خان خانان کی وفات تک انکا معزز مصاحب لکھتا ہے بلکہ خان خانان کے فرزند میرزا ایرج کے ندعان خاص کی جب فہرست پیش کرتا ہے تو اس فہرست میں ملا محبؔ علی کا نام بھی ملتا ہے۔۱۲۳

عبدالحمید لاہوری نے بادشاہ نامہ میں ملا محبؔ علی کے بارے میں کوئی صراحت نہیں لکھی بلکہ حضرت محمد بن

فضل نائب رسول اللہ کے بارے میں لکھا ہے کہ شاہجہان کی شادی میرزا ایرج کی دختر خان خانان کی پوتی سے کر کے اسکو برہان پور بھیجا تھا۔ یہی وقت تھا جب شاہ جہان نائب رسول اللہ کی خانقاہ میں نیاز مندانہ حاضر ہوا تھا۔

جب شاہ جہان بادشاہ ہو کر ۱۰۳۹ھ/ ۱۶۳۹ء میں خان جہان لودھی کے استیصال کے لئے برہان پور آیا تھا اس وقت بھی ملا صاحب نے مدحیہ اشعار پیش کئے تھے اور شاہ جہان نے حسب سابق انہیں اپنے پاس ٹھہرالیا تھا۔۱۲۴

شاہ جہان کو حضرت محمد بن فضل اللہ سے اتنی عقیدت تھی کہ اپنی عقیدت کے مطابق حصول سلطنت کے لئے انکی توجہ اور دعاؤں کا آرزومند تھا۔ اور جانتا تھا کہ اس بزرگ کے دربار میں زوروزر سے کام نہیں چلے گا۔ ملامحب علی اس دربار کے مقبول فرد تھے۔ اس لئے شاہ جہان نے کچھ فطری درویش دوستی اور بہت کچھ حصول مقصد کے لئے کارآمد ہستی خیال کر کے ملا صاحب کو دوست بنایا۔۱۲۵

ملامحب اللہ ہر طبقے میں مقبول تھے۔ امراء میں عبدالرحیم خان خانان، عقیدت خان، آصف خان، شائستہ خان سے اچھے مراسم تھے۔ شعراء میں شکیبی، نظیری، حیاتی، فیضی، ملا عبدالباقی نہاوندی وغیرہ سے صحبتیں رہیں۔ مشائخ میں شیخ علی، جنداللہ، ملا حسن غوثی، اسماعیل فرحی، میر محمد نعمان نقشبندی، شیخ ہاشم کشی، شیخ جلال الدین صاحب ملفوظات جلالی، شیخ برہان الدین راز الٰہی سے ربط وضبط تھا۔

۱۰۵۵ھ/ ۱۶۴۶ء میں انتقال فرمایا اور اپنے مرشد کے مزار کے قریب مدفون ہیں۔ ۱۲۶

حضرت شیخ برہان الدین راز الٰہی و ۹۹۸ھ/ ۱۵۹۰ء، م ۱۰۸۳ھ/ ۱۶۷۳ء

نوعمری میں برہان پور آگئے۔ ۱۰۱۷ھ/ ۱۶۰۹ء میں مسیح الاولیاء نے محبت سے شرف نیاز عطا کیا۔ ۱۲۷ معرفت کے سلسلہ میں آپ کا لقب راز الٰہی تھا۔ آپ دولت دنیا سے طبعاً گریز رکھتے تھے۔ اورنگ زیب کو اگرچہ سلطنت آپ کی توجہ اور دعا کی برکت سے حاصل ہوئی تھی لیکن آپکو شہزادہ سے اس قدر گریز تھا کہ برملا اسکی حاضری کو کبھی پسند نہیں کیا۔ اورنگ ذیب کو بھی شدت سے اعتقاد اور کامل یقین تھا۔ شہزادگی کی شخصی خودداری کو بالائے طاق رکھ کر عام لوگوں کے ہجوم میں حاضر مجلس ہوتا رہا۔ آپ پہچان جاتے اور تبرک عطا کئے بغیر رخصت کر

دیتے۔ایک مرتبہ تو آپ نے اورنگ ذیب کو پہچان کر کہا کہ آپ کو یہ فقیر خانہ اتنا پسند آ گیا ہے کہ آپ یہاں آتے سے باز نہیں رہ سکتے۔اس لئے میں اپنے لئے دوسرا مقام تجویز کر لیتا ہوں۔۱۲۸

ایک مرتبہ اورنگ ذیب نے موقع حاصل کر کے داراشکوہ کی خالف شرع حرکات کی ترویج اور اپنا اسلامی اصولوں پر حکومت کرنے کا عزم ظاہر کر کے دعا کرنے کی درخواست کی۔حضرت نے فرمایا۔ہم فقیروں کی دعا سے کیا ہوتا ہے تم بادشاہ ہو دعا کرو ہم آمین کہ دیں گے۔ہمراہیوں نے شہزادہ کے کان میں مژدہ سنایا"بادشاہی مبارک ہو"۔۱۲۹

آپ کا وصال ۱۰۸۳ھ/۱۶۷۳ء کو ہوا۔آپ کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ جنازہ میں ہزار ہا خواص وعوام نے شرکت کی۔معروف مورخ خافی خان کا بیان ہے کہ وہ بھی حاضر تھا۔غور سے دیکھنے پر ہی یہ اندازہ نہیں ہوسکتا تھا کہ جنازہ ہوا کے دوش پر جارہا ہے یا لوگوں کی انگلیوں پر"۔۱۳۰

آپ کو خانقاہ کے حجرہ میں دفن کیا گیا اور نہایت سادگی سے خام مزار بنایا گیا۔دس بارہ سال تک کوئی تبدیلی یا وسعت نہ آئی حتی کہ اورنگ ذیب برہان پور تشریف لایا اور حضرت سے دیرینہ عقیدت کی بنا پر عظیم الشان مقبرہ تعمیر کرنے کا انتظام کیا۔اور اپنے کسب حلال کی وہ رقم جو کلاہ سازی اور کتابت قرآن مجید سے بہم پہنچائی تھی اس کام میں صرف کی۔۱۳۱

ان بزرگوں کے علاوہ انکی درگاہوں کے سجادہ نشیوں نے بھی ان کی تعلیمات کو پھیلایا۔حضرت شیخ محمد عبداللہ جو حضرت مسیح الاولیاء کی درسگاہ کے سجادہ نشین تھے۔فرخ سیر بادشاہ ان کا عقیدت مند تھا۔تخت نشین ہوتے ہی اس نے خانقاہ کے مصارف کے لئے کچھ جاگیر پیش کرنا چاہی جو انہوں نے قبول نہ کی۔

"واللہ العلم بالصواب"

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر شیخ محمد اکرام ،رود کوثر ،ص ، ۴۲۵

۲۔ داراشکوہ، سکینۃ الاولیاء۔ص ۳۷۔

۳۔ شیخ محمد اکرام ،رود کوثر ،ص ۱۹۷۔

۴۔ محمد صالح کینوہ لاھوری، شاھجہاں نامہ۔ص،۳۵۔

۵۔ رسالہ محکمہ اوقاف شعبہ تعلقات عامہ ،حضرت میاں میر قادری لاہوری حیات وتعلیمات۔
داراشکوہ ،سکینۃ الاولیاء،ص،۵۔

۶۔ خزینۃ الاصفیاء مفتی غلام سرور لاہوری ،ص،۲۳۴۔

۷۔ داراشکوہ ،سکینۃ الاولیاء،ص،۵۳۔مترجم محمد اکرم رہبر ،مکتبہ عالیہ لاہور۔

۸۔ رسالہ ،حیات وتعلیمات حضرت میاں میر ،کتابچہ محکمہ اوقاف

۹۔ داراشکوہ ،سکینۃ الاولیاء،ص،۵۳۔

۱۰۔ میر علی شیر قانع ٹھٹھوی ،تحفۃ الکرام ،ص،۴۳۴

۱۱۔ ایضاً (اردو ترجمہ)ص،۴۳۵

۱۲۔ داداشکوہ ،سکینۃ الاولیاء اردو ترجمہ از مقبول بیگ بدخشانی ،ص،۵۴۔

۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ کتابچہ ،حیات وتعلیمات حضرت میاں میر ،محکمہ اوقاف پنجاب لاہور ،ص،۹
حضرت میاں میر کے عرس پر شائع ہوا۔

۱۵۔ ایضاً

۱۶۔ داراشکوہ، سکینۃ الاولیاء، مترجم محمد اکرم رہبر مکتبہ عالیہ، ص، ۵۳

۱۷۔ داراشکوہ، سکینۃ الاولیاء مترجم محمد اکبر رہبر، ص، ۵۴

۱۸۔ مفتی غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، جلد اول، ص، ۱۳۶

۱۹۔ مفتی غلام سرور لاہوری، حدیقہ الاولیاء، ص، ۴۸

نور احمد چشتی، تحقیقات چشتی، ص، ۳۴۸

۲۰۔ ڈاکٹر شیخ محمد اکرام، رودکوثر، ص، ۴۲۷

۲۱۔ داراشکو، سکینۃ الاولیاء، ص، ۱۵۰

۲۲۔ ایضاً۔ ص، ۱۵۱

۲۳۔ ایضاً، ص، ۵۷

۲۴۔ نورالدین جہانگیر، توزک جہانگیری، ص، ۴۰

۲۵۔ نورالدین جہانگیر، توزک جہانگیری، ص، ۴۱

۲۶۔ مفتی غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، ص، ۲۳۵

۲۷۔ ملا عبدالحمید لاہوری، بادشاہ نامہ، ج ۱ حصہ دوم، ص، ۳۳۴

۲۸۔ داراشکوہ، سکینۃ الاولیاء مترجم محمد اکبر رہبر۔ ص، ۴

۲۹۔ مفتی غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، ص، ۲۴۳

۳۰۔ عبدالحمید لاہوری، بادشاہ نامہ، ص، ۳۳۶

۳۱۔ داراشکوہ، سکینۃ الاولیاء، ترجمہ محمد اکبر رہبر، مکتبہ عالیہ، ص، ۸۰

۳۲۔ ایضاً

۳۳۔ عبدالحمید لاہوری، بادشاہ نامہ، ص، ۳۴

۳۴۔ عبدالحمید لاہوری، بادشاہ نامہ، ص،۳۴
داراشکوہ، سکینۃ الاولیاء، ص،۸۴

۳۵۔ نورالدین جہانگیر، توزک جہانگیری، ص،۱۸۹

۳۶۔ نورالدین جہانگیر، توزک جہانگیری، ص،۱۸۹

۳۷۔ کرنل بھولا ناتھ آئی ایم ایس، کتاب شہر لاہور دی تاریخ۔۱۰

۳۸۔ داراشکوہ، سکینۃ الاولیاء، ص،۱۴۸

۳۹۔ ملا عبدالحمید لاہوری، بادشاہ نامہ، ص،۳۵۹

۴۰۔ داراشکوہ، سکینۃ الاولیاء، ص،۴۵

۴۱۔ شمس العلماء مولوی ذکاءاللہ دہلوی، تاریخ ہندوستان جلد ہفتم، ص،۱۱۷

۴۲۔ پروفیسر محمد جمیل خان، تاریخی عمارات (قدیم)، ص،۱۰۲

۴۳۔ ایضاً ص،۱۰۲

۴۴۔ محمد صالح کنبوہ لاہوری، عمل صالح، ص،۴۲

۴۵۔ داراشکوہ، سکینۃ الاولیاء، ص،۱۰

۴۶۔ رسالہ گل خندان لاہور (بزرگان دین نمبر) ملک سراج الدین اینڈ سنز،۱۹۶۲ء۔

۴۷۔ عبدالحمید لاہوری، بادشاہ نامہ۔ص،۱۰۳

۴۸۔ داراشکوہ، سکینۃ الاولیاء، ص،۴۸

۴۹۔ ایضاً

۵۰۔ ایضاً

۵۱۔ مفتی غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، ص،۲۶۰

۵۲۔ زمرد، ڈاکٹر، احوال و آثار ملا شاہ بدخشی، مقالہ پی ایچ ڈی، ص،۲۲

۵۳۔ داراشکوہ، سکینۃ الاولیاء، ص، ۲۱۶

۵۴۔ ایضاً ص، ۲۱۷

۵۵۔ ایضاً ص، ۲۱۸

۵۶۔ داراشکوہ، سکینۃ الاولیاء، ص، ۲۲۱

۵۷۔ توکل بیگ، نقش احوال شاہی، ص، ۲۴۔۲۶

۵۸۔ ایضاً ص، ۴۷

۵۹۔ توکل بیگ، نقش احوال شاہی، ص، ۴۷

۶۰۔ ڈاکٹر زمرد، احوال وآثار، ملاشاہ بدخشی، تحقیقی مقالہ، ص

۶۱۔ توکل بیگ، نقش احوال شاہی، ص، ۴۲

۶۲۔ ایضاً ص، ۷۶

۶۳۔ ڈاکٹر غزالہ فاطمہ بلگرامی، نقش احوال شاہی، بشمولہ جرنل آف ہسٹاریکل سوسائٹی ۱۹۸۵ء، ص، ۱۵

۶۴۔ جہان آرا بیگم، رسالہ صاحبیہ، ص، ۷۱

۶۵۔ جہاں آرا بیگم، رسالہ صاحبیہ، ص، ۷۷

۶۶۔ جہان آرا بیگم، رسالہ صاحبیہ، ص، ۷۸

۶۷۔ جہاں آرا بیگم، رسالہ صاحبیہ، ص، ۱۰۵

۶۸۔ شاہ دولہ گجراتی ۱۵۸۱ء میں پیدا ہوئے ان کے والد عبدالرحیم خان سطان ابراہیم لودھی کی اولاد سے تھے

۶۹۔ جہاں آرا بیگم، رسالہ صاحبیہ، ص، ۱۰۳

۷۰۔ کتاب مذکور، ص، ۱۰۳

۷۱۔ جہان آرا بیگم، رسالہ صاحبیہ، ص، ۱۰۵۔۱۰۷

۷۲۔ کتاب مذکور، ایضاً

۷۳۔ جہان آراء بیگم ،رسالہ صاحبیہ ،ص،۱۰۷۔۱۰۹

۷۴۔ جہان آرا بیگم ،رسالہ صاحبیہ ، ص،۱۱۵۔

۷۵۔ داراشکوہ،سکینۃ الاولیاء، ص،۲۹

۷۶۔ محمد دین فوق ،مآثر لاہور، ص،۵۷۔

اسکے علاوہ محمد لطیف مصنف تاریخ لاہور نے ملا شاہ کی وفات کا سن ۱۰۷۱ لکھا ہے جبکہ فہرست کتب بانکی پور لائبریری میں ۱۰۷۲ھ ظاہر کیا گیا ہے۔

۷۷۔ مفتی غلام سرور لاہوری،خزینۃ الاصفیاء،ص،۱۶۱۔

۷۸۔ شیخ محمد اکرام ،رودکوثر ،ص،۴۱۱

۷۹۔ پروفیسر محمد اسلم ،سرمایہ عمر مقالہ داراشکوہ کے مذہبی رجحانات ،ص،۱۹۸

۸۰۔ محمد معصوم، تاریخ سندھ معصومی، ص،۷۵۔۷۶

۸۱۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی،اخبار الاخیار، ص،۲۸۰

۸۲۔ سید محمد مطیع اللہ راشد برہانپور کے سندھی اولیاء المعروف بہ تذکرہ اولیائے سندھ ،ص،۲۰

۸۳۔ ایضاً۔ص،۲۱

۸۴۔ کتاب مذکور،ص،۲۳

۸۵۔ علامہ غوثی،اذکار ابرار مطبوعہ اردو،ص،۴۲۶

۸۶۔ فرحی ۔ کشف الحقائق، قلمی،ص،۳

۸۷۔ ایضاً

۸۸۔ سید محمد مطیع اللہ برہانپوری، برہانپور کے سندھی اولیاء۔ص،۳۲

۸۹۔ سید محمد مطیع اللہ راشد برہانپوری، مقالہ تفسیر مجمع البحار مارچ ۱۹۵۵ء، رسالہ معارف۔

۹۰۔ فرحی، کشف الحقائق،ص،۴۷

۹۱۔ علامہ غوثی، گلزار ابرار، ص، ۴۲۷۔۴۳۲

۹۲۔ سید مطیع اللہ راشد برہانپوری، تذکرہ اولیائے سندھ، ص، ۱۷۔

۹۳۔ فرحی، کشف الحقائق قلمی، ص، ۱۳

۹۴۔ محمد حسین آزاد، دربار اکبری، ص، ۲۱۶

۹۵۔ فرحی، کشف الحقائق، ص، ۱۰

۱۹۶۔ مولانا محمد حسین آزاد، دربار اکبری، ص، ۲۱۶

۹۷۔ شیخ برہان الدین راز الٰہی، روائح الانفاس ملفوظات، ص، ۳۶۸

۹۸۔ فرحی، کشف الحقائق، ص، ۵۰

۹۹۔ مولانا محمد حسین آزاد، دربار اکبری، ص، ۶۱۶۔۶۱۹

۱۰۰۔ مولانا شیخ اسماعیل فرحی، کشف الحقائق، ص۔ ۵۸

۱۰۱۔ شیخ عیسی جنداللہ، عین المعانی، ص، ۳

۱۰۲۔ سید مطیع اللہ راشد برہانپوری، تذکرہ اولیائے سندھ، ص، ۳۴

۱۰۳۔ شیخ برہان الدین راز الٰہی، روائح الانفاس قلمی، ص، ۶

۱۰۴۔ سید مطیع اللہ راشد برہانپوری، تذکرہ اولیائے سندھ، ص، ۳۸

۱۰۵۔ ایضاً، ص، ۴۱

۱۰۶۔ فرحی، کشف الحقائق، ص، ۶۰

۱۰۷۔ ایضاً، کتاب مذکور، ص، ۶۱

۱۰۸۔ حضرت بوبوراستی مسیح الاولیاء کے مرشد شیخ لشکر عارف باللہ کی دختر تھیں۔ عالمہ فاضلہ ولیہ اور تصوف میں بلند پایہ رکھتی تھیں۔

۱۰۹۔ راستی پورہ برہان پور کا دوسرا حصہ جہاں حضرت لشکر کا قیام تھا۔ حضرت بوبوراستی کے انتساب سے اس محلّہ

کا نام راستی پور پڑ گیا۔

۱۱۰۔ لمعات علامہ فخر الدین عراقی کی بلند پایہ تصنیف ہے جسکی شرح مولانا جامی نے ۸۸۱ھ/۱۵۰۳ء میں لکھی۔

۱۱۱۔ نزہۃ الارواح حضرت سادات حسینی کی عارفانہ تصنیف ہے۔

۱۱۲۔ مولانا فرحی، کشف الحقائق، ص،۶۵

۱۱۳۔ علامہ غوثی، گلزار ابرار، ص،۴۸۰

۱۱۴۔ علامہ غوثی، گلزار ابرار، ص،۵۰۵۔۵۰۱

سید مطیع اللہ راشد برہانپوری، برہانپور کے سندھی اولیا، ص،۷۰۔۷۲

۱۱۵۔ شیخ برہان الدین راز الہی، روائح الانفاس (قلمی) ص،۹

۱۱۶۔ مولانا فرحی، کشف الحقائق، ص،۵۶

۱۱۷۔ ملا عبدالباقی نہاوندی، مآثر رحیمی، جلد سوم، ص،۴۸۰

۱۱۸۔ ایضاً، ص،۴۸۱

۱۱۹۔ ملا عبدالباقی نہاوندی، مآثر رحیمی، جلد سوم، ص،۴۹۰

۱۲۰۔ مولانا فرحی، کشف الحقائق، ص،۳۵

۱۲۱۔ ملا عبدالحمید لاہوری، بادشاہ نامہ، جلد اول حصہ دوم، ص،۳۳۱

۱۲۲۔ ایضاً، ص،۳۳۲

۱۲۳۔ ملا عبدالباقی نہاوندی، مآثر رحیمی، جلد سوم، ص،۴۹۰

۱۲۴۔ عبدالحمید لاہوری، بادشاہ نامہ، جلد اول، ص،۳۳۶

۱۲۵۔ ایضاً، ص،۳۳۵

۱۲۶۔ عبدالباقی نہاوندی، ماثر رحیمی، جلد سوم، ص،۴۵۰

۱۲۷۔ سید عبدالحی، روائح الانفاس قلمی، ص،۱۳

۱۲۸۔ بختاور خان، مراۃ العالم، ص، ۵۹

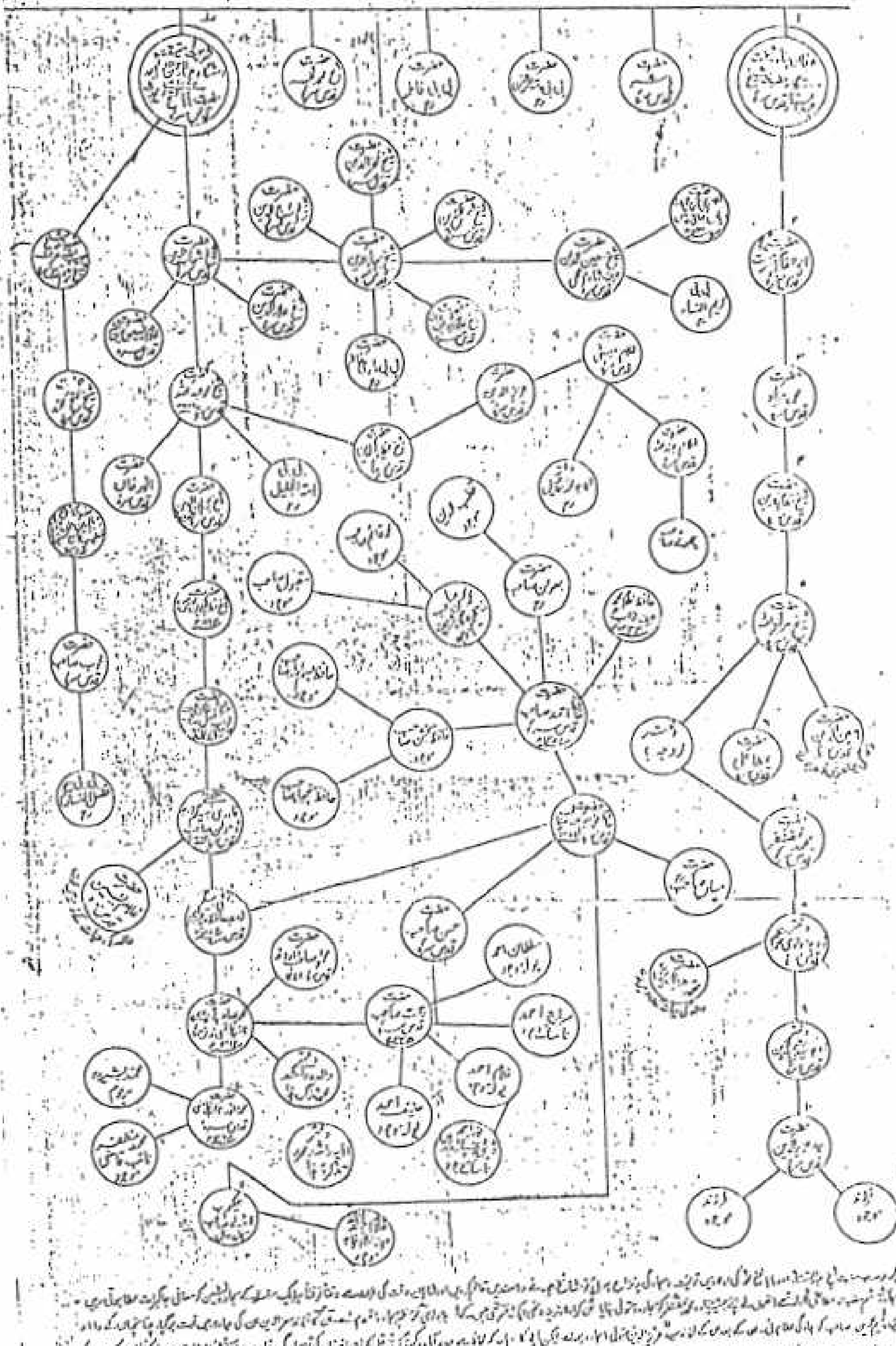
۱۲۹۔ سید مطیع اللہ راشد برہانپوری، برہانپور کے سندھی اولیاء، ص، ۲۹۵

۱۳۰۔ خافی خان، منتخب اللباب، جلد دوم، ص، ۱۰۲

۱۳۱۔ بشیر محمد خان، مقالہ شیخ برہان الدین راز الٰہی، رسالہ معارف، ص، ۱۶

شجرہ سلسلہ نسب و تولیت و سجادگی اخلاف حضرت یمین العرفا شیخ الاولیاء

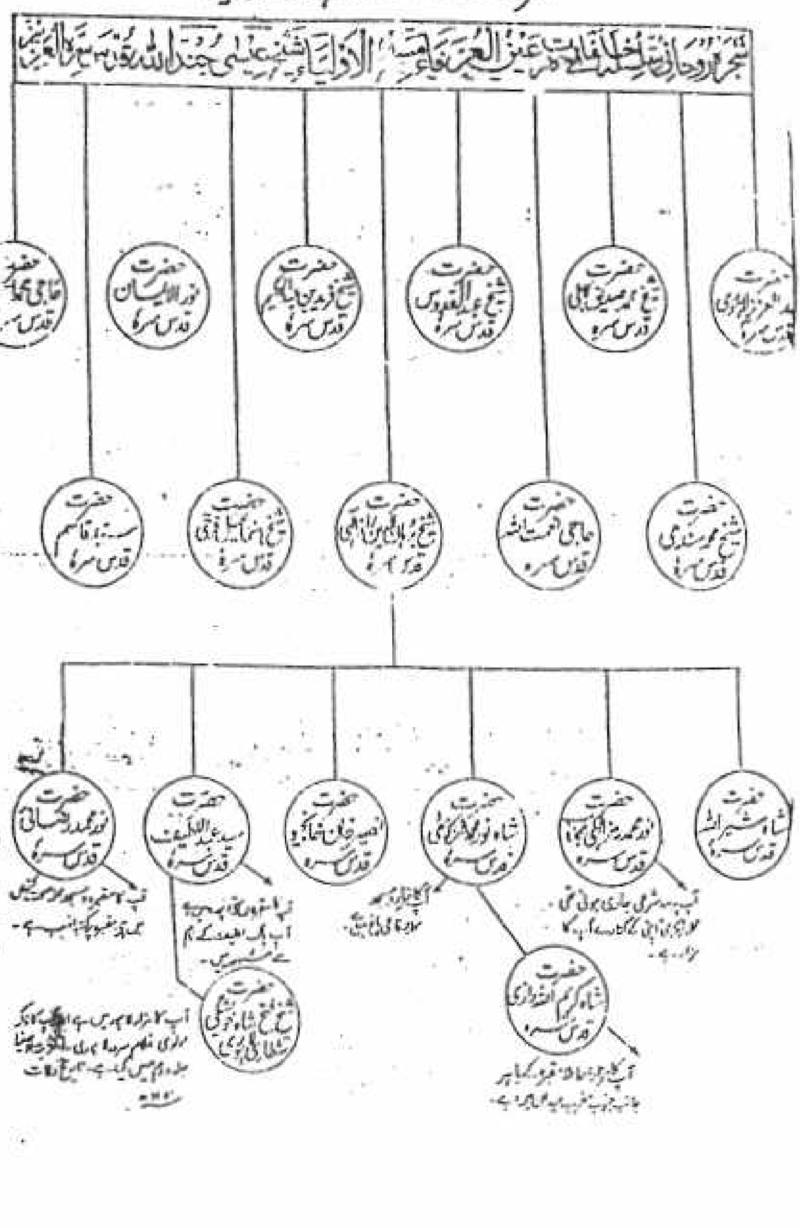
شیخ عیسیٰ ابن قاسم بن یوسف بن رکن الدین ابن [illegible] ابن المعروف شاہ ابی الجندی السندی الہندی البروی [illegible] الملقب [illegible] ابو البرکات قدس اللہ سرہ العزیز



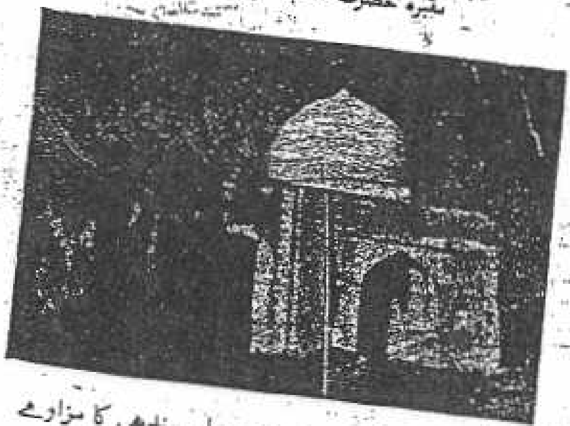
[illegible]

(متعلق صفحہ ۱۰۴)

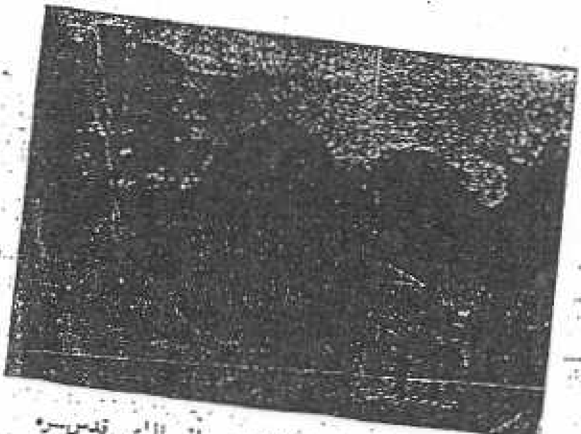
حضرت شیخ الاولیاء کے بیشمار نیاز اور کثیر التعداد خلفاء تھے - چند خلفاء کے نام یہاں درج ہیں
اکثر کے حالات تذکرہ ہذا میں مذکور ہیں



مقبرہ حضرت نائب رسول اللہ



جس کے باہر گوشہ میں محب علی سندھی کا مزار ہے
— متعلق ص ۳۰۳



مقبرہ حضرت شیخ برہان الدین راز الٰہی قدس سرہ
خلیفہ خاص حضرت مسیح الاولیا قدس سرہ
— متعلق ص ۳۳۱

نمونه عبارت تفسیر مجمع البحار
منقول از ترجمه گلزار ابرار صفحه ۲۲۱، ۲۲۲

في تفسير قوله تعالى - في قلوبهم مرض الخ   المرض
حقيقة ما يعرض للبدن فيخرجه عن الاعتدال الخاص
ويوجب الخلل في افعاله ومجازاً في الاعراض النفسانية التي
يخل بكمالها كالجهل وسوء العقيدة والزيغة وحب المعاصي لانها
مانعة عن نيل الفضائل ومؤدية الى زوال الحقيقة الابدية والاية
تحتملها فان قلوبهم كانت متالمة تحرقاً على ما فات عنهم من الرياسة
وحسداً على ما يرون من اثبات امر الرسول واستعلاء شانه يوماً
فيوماً فزاد الله غمهم بما زاد في اعلاء امره واشادة ذكره
ونفوسهم كانت مأوفة بالكفر وسوء الاعتقاد ومعاداة النبي
صلى الله عليه وسلم ونحوها فزاد الله ذالك بالطبع او بازدياد التكاليف
وتكرير الوحي وتضاعيف النصر -
وفي الرحماني - في قلوبهم مرض - هو تفريطهم في القوة
الحكمية وافراطهم في الشهوية
في الاحياء - اعلم ان جندي الغضب والشهوة قد

ينقادان للقلب انقياداً تاما فيعينانه على طريقه الذي
يسلكه وقد يستعصيان عليه استعصاء بغي وتمرد حتى
يملكاه ويستعبداه وفيه هلاكه وانقطاعه عن سفره
الذي به وصوله الى سعادة الابد وللقلب جند آخر وهو
العلم والحكمة والتفكر وحقه ان يستعين بهذا الجند
فانه حزب الله تعالى على الجنديين الآخرين فانهما قد يلحقان
بحزب الشيطان فانه من ترك الاستعانة وسلط على نفسه
جندي الغضب والشهوة هلك هلاكاً يقيناً وخسر خسراناً
مبيناً - وذلك حال اكثر الخلق فان عقولهم صارت مسخرة
لشهواتهم في استنباط الحيل لقضاء الشهوة وكان ينبغي
ان يكون الشهوة مسخرة لعقولهم -
اما بيان علامات مرض القلب فكما ان كل عضو من اعضاء
البدن خلق لفعل خاص به   ومرضه ان يتعذر
فعله الذي خلق لاجله كذالك مرض القلب ان يتعذر
عليه فعله الذي خلق لاجله وهو العلم والحكمة والمعرفة
وحب الله تعالى وعبادته والتلذذ به وايثار ذالك على شهوة
سواه وخاصية النفس التي للآدمي ما يتميز به عن البهائم
ولم يتميز بها بقوة الاكل والوقاع بل بمعرفة الاشياء
على ما هي عليه واصل الاشياء موجدها ومخترعها الذي

جعلها اشياء هواسه تعالى فاو عرف كل شيء ولو يعرف
الله تعالى فكانه لو يعرف شيئا فان الناس كلهم قد هجروا
هذه العلوم واندرست في هذه الاعصار واشتغلوا
بتوسيط الخلق في الخصومات الناشئة من اتباع الشهوات
وقالوا هو ام الفقه واخرجوا هذه العلم الذى هو فقه
الدين من جملة العلوم وتجردوا لفقه الدنيا الذى
ما قصد بها الا رفع الشواغل ليتفرغ لفقه الدين فكان
فقه الدنيا من فقه الدين بواسطة هذا الفقه -

وفي بعض الكتب اعلم ان القلب بمنزلة القالب
في الشريعة ولا معول الا على القلب لانه موضع نظر الله
تعالى كما قال عليه السلام ان الله تعالى لا ينظر الى صوركم
فالقلب علل وامراض مثل امراض الاشخاص فان القلب
الانسان حقيقي وله من الاعضاء حقائق فللقلب راس
يحيى به كما يحيى البدن براسه فاذا جز راس البدن لا يحيى
فكذلك القلب وراس القلب ادراكه لطائف الغيب و
هذا الادراك ينقسم مثل انقسام حواس الراس واقسامه
البصيرة والتذكر والمراقبة والتميز والتفكر فالبصيرة
عين القلب والتذكر لسان القلب والمراقبة سمع القلب
والتفكر خيال القلب والتميز تجاربه وفعله فاذا

اراد الله تعالى بعبد خيرا فتح عين قلبه وشرح لسانه
وا سمع اذنه واذا اراد الله تعالى بعبد شرا ختم على
سمعه وبصره ومنعه عن ادراكاته وذلك المنع مرض
روحاني يكون صداع القلب منه ومصادره المنع تولدت
الغفلة والغفلة للقلب بمنزلة الصرع وغلبة الظنون
الفاسدة مثل الماليخوليا للراس فان الراس اذا يبتلى به
تتخبط اعماله والقلب اذا انفعل بالظنون الفاسدة تظهر
فيه تخبطات كثيرة ويصير كالمجنون المتحير الممنوع
من معرفة الله تعالى وحسن الظن به وامتلاء القلب
لفضول الطمع والطمع به يورث الاستغراق في القلب
حتى انه لا يروى من المال والجاه والدخان الغفلة يورث
عمى البصيرة فان البصيرة تظلم ويقل نورها بدخان
الهوى كما يظلم البصر ببخار الهوى في عالم الدنيا -

باب چہارم

آخری مغل حکمران اور قادری بزرگ

شیخ مادھولال حسین، شیخ مادھو، شاہ عنایت قادری، حضرت بلھے شاہ
شاہ محمد غوث، شیخ الشیوخ محمد عابد سنامی، میرزا مظہر جان جانان

باب چہارم

مغل حکمران اور لاہور کے قادری بزرگ

شیخ مادھولال حسین لاہوری

پنجاب کے نامور ولی اور پنجابی کے مشہور شاعر ۹۵۴ھ/ ۱۵۳۸ء میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ا شیخ پیر محمد صاحب جنکا نام شیخ محمود ہے اور جو حضرت لال حسین کے خاص خادم تھے، ان کے حالات صادقہ یوں بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسین ڈاھڈ سے تعلق رکھتے ہیں، یہ راجپوتوں کی ایک ذات ہے ان کے خاندان کے ایک فرد کلسرائے فیروز شاہ تغلق کے عہد میں ۷۹۰ھ/ ۱۳۸۸ء میں مسلمان ہوئے۔شاہ حسین کے والد عثمان ڈھڈہ کے عرف سے مشہور تھے۔۲ ان کے بزرگوں میں جو شخص مشرف باسلام ہوا اسکا نام کلسرائے تھا جب وہ مسلمان ہوا تو شیخ الاسلام خطاب پایا۔اس وجہ سے اسکی اولاد کلسرائے مشہور ہوئی۔۳

شیخ حسین لاہوری حضرت شیخ بہلول دریائی کے مرید اور خلیفہ تھے۔۹۶۴ھ/۱۵۹۴ء میں بعمر دس سال شاہ حسین حافظ ابوبکر کی خدمت میں قرآن کریم پڑھنے کے لئے حاضر ہوئے۔۴ مروجہ علوم کے تحصیل کے لئے وہ شیخ سعداللہ (م ۹۹۹ھ/ ۱۵۹۰ء) لاہور کی خدمت میں پہنچے۔۵ شاہ حسین ملامتیہ طریقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ داراشکوہ نے انہیں اہل ملامت کا استاد لکھا ہے۔۶ شاہ حسین ابتدائی ۲۶ برس کی عمر تک متبع شرع صوفی تھے۔۷

اسی اثنا میں شیخ بہلول وارد لاہور ہوئے۔ایک روز وہ شیخ ابوبکر کی مسجد میں تشریف لائے اور شیخ حسین کو دریا سے ایک کوزہ پانی کا لانے کے لئے کہا۔اس وقت دریائے راوی ٹکسالی دروازے کے باہر بہتا تھا۔۸ شیخ حسین دریا پر گئے اور کوزہ میں پانی بھر لائے۔شیخ بہلول نے وضو کیا اور نماز ادا کی۔انہوں نے شیخ حسین کے حق میں دعا کی کہ اے الٰہی! اس لڑکے کو عارف بنا۔۹ شیخ حسین ان کے حلقہ ارادت میں شامل ہوگئے۔انہی ایام میں

ماہ رمضان شروع ہو گیا۔ شیخ بہلول نے شیخ حسین کو نماز تراویح میں امام بنایا۔ شیخ حسین نے مرشد کی توجہ سے پورا قرآن سنا دیا۔۱۰

شیخ بہلول نے چند سالوں میں شاہ حسین کو درجہ کمال تک پہنچا دیا اور اپنے وطن (چند یوٹ) چنیوٹ میں چلے گئے۔۱۱ اسکے بعد شیخ حسین نے ۲۶ سال آبادی سے دور رہ کر ویرانے میں شب و روز ریاضت و مجاہدہ میں گزارے۔۱۲

رات کو حضرت شیخ ابوالحسن علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش کے مزار پر آ کر اعتکاف میں بیٹھے اس طرح حضرت حسین کامل و اکمل ہو گئے۔۱۳

صاحب حقیقت الفقراء لکھتے ہیں:

بہ ناگاھی زمرقد پرنور۔ گرددر دیدہ حسین نور

پیکری خوش زنور ربانی۔ مظہر نور پاک رحمانی

گشت از دیدش چوست حسین۔ بی خود از جای خویش جست حسین

از ارادت فتاد در پایش سر خدمت بہار در پایش۔۱۴

شیخ حسین اپنے استاد شیخ سعد اللہ سے تفسیر مبارک پڑھ رہے تھے کہ جب استاد نے آیت وما الحیوۃ الدنیا کے معنی بیان کئے۔ تو شاہ حسین سمجھے کہ دنیا محض لہو ولہب کا نام ہے۔ استاد سے کہا مجھے حال درکار ہے، قال نہیں۔ اسکے بعد انہوں نے ملامتی طریقہ اختیار کیا۔۱۵

اکابر مشائخ طریقت اس طریقہ کے متعلق جو رائے رکھتے ہیں حضرت مخدوم سید علی ہجویری نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں اسکی تین صورتیں بیان کی ہیں۔ اول ایک شخص سیدھی راہ چلتا ہے۔ نیک نیتی سے اپنا کام کرتا ہے۔ احکام خداوندی بجالاتا ہے۔ اس پر لوگ اسکی ملامت کرتے ہیں ایسے ہی مومنوں کی صفت قرآن کریم میں یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ خاصان خدا ملامت سے نہیں ڈرتے یہ صفت اللہ تعالی کے فضل سے ہے، جسکو وہ چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ کا علم بہت وسیع ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص لوگوں میں ہر دلعزیز اور صاحب عزت ہو۔ اسکی طبیعت اسکی طرف لگ جائے۔ مگر اپنا دل اس طرف سے موڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور تکلف سے ایسا طریق اختیار کرلے کہ جس سے لوگ متنفر ہو کر اس سے الگ ہو جائیں اور اسے برا بھلا کہنے لگیں لیکن شریعت کو اس سے کچھ نقصان نہ ہو۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی کو کفر اور گمراہی دامن گیر ہو جائے اور وہ شریعت کی متابعت ترک کرکے کہے کہ یہ ملامتی طریقہ ہے جو میں نے اختیار کیا ہے۔ اس قسم کی ملامت ریا کاری ہے اور تارک فرض دائرہ اسلام سے خارج ہے۔۱۶

شیخ حسین ملامتیہ طریقہ اختیار کرنے کے بعد اعلانیہ شراب پیتے، گانا سنتے، طوائفین ان کی مجلس میں آتیں اور ان کی محفل کو گرماتی تھیں۔ شیخ حسین خود بھی اپنے محبوب ومنظور نظر مادھو کے ساتھ رقص کرتے۔ ان کے حلقہ نشین بھی اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے اور انہیں نماز، روزہ کے ساتھ کوئی سروکار نہیں تھا۔۱۷ ان ظاہری بدعتوں اور خلافت شریعت باتوں کے باوجود وہ ایک صاحب کرامت ولی سمجھتے جاتے تھے۔ حالانکہ استقامت، فوق السکر امت کے مسلمہ اصول کے مطابق استقامت دین ہی ولی کی کرامت ہے۔

خلاف شریعت امور کے باوجود شاہ حسین صاحب کرامت سمجھے جاتے تھے۔ خیال ہے کہ شاہ حسین اپنے استاد شیخ سعد اللہ کے نظریات سے ضرور متاثر ہوں گے، جو ملامتی طریقہ رکھتے تھے۔

مورخ نظام الدین احمد نے ان کے بارے میں لکھا ہے:

"(پرورش ملامتیہ سلوک می نمود")۔۱۸

ان کے مرشد شیخ بہلول کو علم ہوا تو وہ محض شاہ حسین کو تنبیہہ کرنے کے لئے لاہور تشریف لائے ۱۹ اور شاہ حسین سے کہا کہ آج میرے ساتھ نماز پڑھو اور نماز میں ہی سارا قرآن ختم کرو چنانچہ شیخ حسین نے نماز شروع کی اور جب الم نشرح لک صدرک پر پہنچے تو بے اختیار ہنس پڑے اور نماز ختم کردی۔۲۰

دارا شکوہ اسکی یہ تاویل کرتا ہے کہ شیخ حسین نے اس سورہ پاک کا یہ مفہوم سمجھا تھا کہ آیا ہم نے تیرے سینے کو توحید اور معرفت سے نہیں کھولا" کیا ہم نے تجھے ذکر سے مذکور تک نہیں پہنچایا۔ اس لئے ہر فنا کے بعد بقا ہے اور

بے شک ہم نے جسکو فنا بخشی اسے بقادے کر ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا پس تو نے جب انانیت اور ھستی موھوم سے فراعت حاصل کر لی تو ہماری ھستی پر قائم ہو جا اور اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو جو ظاہر اور باطن کا رب ہے"۔۲۱

اس قسم کی تاویلات دارا شکوہ کے مرشد ملا شاہ بدخشی اور حضرت میاں میر " ختم اللہ علی قلوبھم وعلی سمعھم وعلی ابصارھم غشاوۃ ولھم عذاب عظیم " کی تفسیر فرماتے ہیں۔

"درحق خاصان ست ختم ست بر دلہائے ایشان کہ در دل ایشان غیر نیاید و چشم ایشان غیر نہ بیند، و گوش ایشان غیر نشنود و مرا ایشان لذت و حلاوت بسیار است از ان کفر "۲۲

ملا شاہ بدخشانی کا ایک مشہور شعر ہے

پنجہ در پنجہ خدا دارم

من چہ پروائے مصطفیٰ دارم

اس پر علمائے کشمیر نے کفر کا فتوی صادر کر دیا اور شاہ جہان سے شکایت بھی کر دی۔۲۳

ذھنی اور مذہبی معتقدات کے لحاظ سے دارا شکوہ اسی قسم کے افعال و اعمال کا مرید تھا۔ اسی لئے اپنی کتاب حسنات العارفین یا شطحیات میں ان اقوال کی تائید کرتا ہے۔

اسی رسالہ میں دارا شکوہ یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ توحید و معرفت کی منازل طے کرتے ہوئے ایک ایسا مقام بھی آتا ہے جہاں سالک شریعت و طریقت کفر و ایمان اور خیر و شر سے بالکل بے نیاز ہو جاتا ہے اور اسکی زبان سے بے خودی کی حالت میں بعض کلمات ایسے بھی نکل جاتے ہیں جو بظاہر مذہب اور ایمان کے منافی ہوتے ہیں لیکن ان کلمات کو قابل مواخذہ قرار دیا نہیں جا سکتا۔ جسکو سن کر زاہد خشک اسے تکفیر سے گردانتے ہیں۔ اس چیز سے بچنے کے لئے میں نے یہ کتاب لکھی ہے۔۲۴

لیکن اگر دور کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات پوری طرح واضع ہو جاتی ہے کہ شیخ احمد سرھندی مجدد الف ثانی نے جہان اکبری الحاد کے استیصال کے لئے اکبر کے جانشین جہانگیر سے ٹکر لی اور اسلام کو اصلی حالت پر قائم رکھا۔

وہاں ان غیر اسلامی نظریات کی اصلاح کی طرف بھی قدم اٹھایا۔ آپ نے اپنے مکتوبات میں جگہ جگہ اتباع کتاب و سنت کی تکید فرمائی ہے۔۲۵ وہ فرماتیں ہیں۔ جو چیز سنت کے خلاف ہے وہ بدعت ہے اور بدعت شیطان کی پسندیدہ ہے۔۲۶ اسکے علاوہ انہوں نے صوفیاء خام کے خلاف بھی محاذ کھولا۔ اور انہیں علماء سو کی طرح خصوص دین قرار دیا۔

شاہ حسین آلات موسیقی کے ساتھ بازاروں میں نظر آنے لگے۔ شیخ الاسلام عبداللہ سلطانپوری نے انہیں اس حالت میں سزا دینی چاہی لیکن ان کے دلائل سے متاثر ہو کر انہیں چھوڑ دیا۔۲۷

بعض ذی علم حضرات شاہ حسین سے ملتے رہتے تھے چنانچہ شیخ طیبب سرھندی اور ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کی زبانی داراشکوہ نے شاہ حسین کی آوادمشربی کے اقوال نقل کیے ہیں۔۲۸

عبدالرحیم خان خانان تسخیر ٹھٹھہ کے لئے روانہ ہونے سے بیشتر دعا کے لئے شاہ حسین کی خدمت میں آیا تھا۔۲۹ ان کے علاوہ ملا اسماعیل عرب صدر مدرس مدرسہ ہمایونی دھلی کا نام بھی ملتا ہے۔

<u>شیخ حسین اور مغلیہ حکمران</u>

روایت ہے کہ شیخ حسین کے دشمنوں نے اکبر بادشاہ سے شکایت کی کہ لاہور میں حسین نام ایک درویش ہے جو داڑھی مونچھیں منڈواتا اور سرخ لباس پہنتا ہے وہ کھلے بندوں خلاف شریعت امور کا مرتکب ہوت ہے۔۔ ایک حسین لڑکے مادھو کو اپنے پاس رکھتا ہے اسکے باوجود باطنی ولایت کا دعویدار بھی ہے۔۳۰

اکبر نے ملک علی کوتوال شہر کو حکم دیا کہ حسین کو گرفتار کر کے دربار میں پیش کیا جائے۔ کوتوال کی تلاش کے باوجود شاہ حسین گرفتار نہ ہو سکے۔ ایک دن اتفاقاً حسین اور کوتوال کا بازار میں آمنا سامنا ہو گیا اس نے شاہ حسین کو گرفتار کر لیا کوتوال شاہ حسین کو جو زنجیر ڈالتا تھا وہ خود بخود ٹوٹ جاتی تھی۔ شاہ حسین نے اسے پوچھا کہ انہیں کیوں گرفتار کر رہا ہے تو اس نے کہا کہ مے نوشی اور غیر شرعی حرکات کے باوجود سوال کر رہا ہے۔ حضرت شاہ حسین نے کہا کہ مجھے چھوڑ دے اس نے کہا کہ وہ جادوگر ہے اور وہ انہیں ایسی میخ مارے گا کہ وہ جانبر نہ ہو سکے گا۔

اسی اثنامیں اکبر کا فرمان اسکے نام پہنچا کہ دلا بھٹی کر جلد پھانسی دے اور دار پر جو گفتگو کرے اسکی رپورٹ بادشاہ کو بھیجے۔ دلا بھٹی نے پھانسی سے پہلے اکبر کو ہزاروں گالیاں دیں۔ پھانسی دینے کے بعد کوتوال نے ہو بہو اکبر کو رپورٹ بھجوادی۔ جس پر ناراض ہوکر اکبر نے حکم دیا کہ کوتوال کے جسم میں میخیں ٹھونک دی جائیں۔ ۳۱

اس واقعہ کے بعد شیخ حسین کو حاضر دربار کیا گیا تو اکبر بادشاہ نے کہا کہ تو سلسلہ قادریہ کا پیرو ہوکر مے نوشی کیوں کرتا ہے؟ انہوں نے اپنی صراحی سے ایک پیالہ بھر کر اکبر کے سامنے پیش کیا تو وہ سرد پانی سے بھرا تھا۔ اکبر نہایت متعجب ہوا اور بغرض امتحان انہیں جیل میں بھجوادیا کہ اگر وہ صاحب کرامت ہیں تو زندان میں نہیں رہ سکیں گے چنانچہ اکبر جب شیخ حسین کو جیل بھجوا کر زنان خانے میں گیا تو شیخ حسین کو بادشاہ بیگم کے پاس کھڑا پایا پھر قید خانے میں جا کر دیکھا تو شاہ حسین کو وہاں بھی موجود پایا۔ یہ دیکھ کر اکبر نے شیخ کو رہا کر دیا۔ ۳۲

صاحب معارج الولایت لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری نے شیخ حسین کو ڈھول کی آواز پر رقص کرتے ہوئے دیکھا اور سخت سرزنش کی۔ شیخ نے مخدوم الملک کے گھوڑے کی باگ تھام کر کہا اے قاضی ارکان اسلام پانچ ہیں۔ اول کلمہ توحید اور اقرار رسالت حضرت سرور عالم ﷺ اس میں ہم دونوں شریک ہیں۔ میں نماز روزہ کا تارک ہوں اور تو حج اور زکوۃ کا تعزیر صرف مجھ پر ہی نہیں تجھ پر بھی ہے۔ مخدوم الملک یہ سن کر ہنسا اور چل دیا۔ ۳۳

حضرت شاہ کا معمول تھا کہ پچھلے پہر رات کو ہر شب قرآن ختم کرتے تھے۔ ۳۴ لیکن وہ نماز نہ پڑھتے تھے۔

داراشکوہ کی روایت

داراشکوہ اپنی کتاب شطحیات میں تحریر کرتا ہے کہ لوگوں نے حضرت حسین سے پوچھا "آپ کون ہیں" تو حضرت نے فرمایا۔ "میں نہ مقیم ہوں اور نہ مسافر نہ مسلمان ہوں اور نہ کافر"۔ ۳۵

راراشکوہ لکھتا ہے کہ اکبر نے اپنے وزیر کو لاہور آپ کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ حضرت حسین غیر شرع

ریش مقرض رکھتے ہیں اس پر انکو تعزیر کرو جب وزیر حضرت کے روبرو آیا تو آپ نے اپنی ریش مبارک کو ہاتھ میں پکڑ کر اسی وقت دراز کر دکھایا اور جو چیزیں وہاں شراب وغیرہ موجود تھیں سب دودھ بن گئیں یہ دیکھ کر جو وزیر تعزیر کے واسطے آیا تھا انکا مرید بن گیا۔ ۳۶

شاہ حسین کی آزاد مشربی کی داستانیں ایک مصنف پیر محمد کی کتاب حقیقت الفقراء کے ذریعے عام ہوئیں اسکے مطالعہ سے شاہ حسین ایک غیر مشروع مجذوب نظر آتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کی زندگی کے تین دور تھے۔ طالب علمی کا زمانہ اس سے توبہ کر کے دوبارہ صوم وصلوۃ کی پابندی کی۔ ۳۷

عبداللہ خویشگی قصوری نے غایت درجہ پابند شریعت بزرگ اور حضرت مجدد الف ثانی کے مرید حضرت شیخ محمد طاہر لاہوری (م ۱۰۴۰ھ/۱۶۳۰ء) کا شاہ حسین کے بارے میں ایک قول نقل کیا ہے کہ اگر علمائے ظاہر کے طعنوں کا خدشہ نہ ہوتا تو میں اکثر شیخ حسین کے مزار پر جا کر استعداد کرتا۔ ۳۸ یہ قول اس بات کا بین ثبوت ہے کہ شاہ حسین ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھے اور ان کی ولایت مسلمہ تھی۔ شاہ حسین کے سال وفات میں اختلاف ہے۔ اکثر مقامی تذکرہ نگاروں نے انکا سال وفات ۱۰۰۸ھ/ ۱۵۹۹ء لکھا ہے۔ حقیقت الفقراء کے چند سال بعد مفتاح العارفین تالیف ہوئی۔ جس میں انکا سال وفات ۱۰۱۳ھ/۱۶۰۴ء درج کیا گیا ہے۔ ۳۹

لیکن معاصر مورخ ملا عبدالقادر بدایونی نے وضاحت کی ہے کہ نجات الرشید کی تصنیف (۹۹۹ھ/۱۵۹۰ء) کے دوران مجھے لاہور میں معلوم ہوا کہ شاہ حسین نغمہ سے بے خود ہو کر مکان کی چھت سے گرے اور وفات پا گئے۔ ۴۰

ابتداء میں شاہ حسین کا مزار شاہدرہ میں بنایا گیا۔ مگر جب دریائے راوی نے اپنا رخ بدلا تو انکا تابوت وہاں سے نکلوا کر موجودہ باغبانپورہ لاہور میں دفن کیا گیا۔ ۴۱ سالانہ عرس مارچ کے آخری ہفتہ میں ہوتا ہے۔

پنجابی کافیوں کے علاوہ شاہ حسین کا ایک فارسی میں بھی نثری رسالہ تہنیت بھی دریافت ہو چکا ہے اس میں انہوں نے تصوف کے مسائل سہل طریقہ سے پیش کئے ہیں۔ محمد اقبال مجددی کی تصحیح وتعلیق کے ساتھ اسکا مکمل متن مجلہ معارف اعظم گڑھ اگست ۱۹۷۰ء اور رسالہ صحیفہ لاہور جولائی ۱۹۷۲ء میں شائع ہو چکا ہے۔ ۴۲ یہ رسالہ سات

قصوں پر مشتمل ہے اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ شاہ حسین فی الواقعہ ذی علم اور راسخ العقیدہ مسلمان تھے اور لوگوں نے ان کی طرف فرضی حکایات منسوب کر رکھی تھیں۔۴۳

شاہ حسین نے کافیوں کو اظہار جذبات کا ذریعہ بنایا اور ان کافیوں کی بنیاد راگنیوں پر رکھی۔ کسی کافی کو بھیروں کے آہنگ میں اور کسی کو آسا کے رنگ میں بعض بھیروین، اساوری اور جوگ بہاگ میں ہیں اور بعض جسے جسے ونتی بلاول اور کھماج وغیرہ میں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ حسین کو موسیقی سے بہت شغف تھا ان کی کافیوں کے اہم مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔۴۴

شاہ حسین ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد بہلول دریائی چنیوٹی کے مرید ہوئے جو قادری سلسلے کے پیرو تھے۔ شاہ حسین تصوف کی تربیت کے سلسلے میں نظریہ وحدت الوجود سے بہت متاثر ہوئے۔ ان کی بیشتر کافیوں کی بنیاد نظریہ وحدت الوجود پر ہے مثلاً

"اندر توں باہر توں ہیں روم روم وچ توں
توں ہے تانا، توں ہی پانا سب کچھ میرا توں
کہے حسین فقیر نمانا میں ناہیں سب تو"

شاہ حسین اس بات کے بھی قائل تھے کہ ریاضت شاقہ سے انسان فنافی اللہ کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔۴۵

موھن سنگھ دیوانہ نے کلام حسین کے سلسلے میں چند کتابوں کا ذکر کیا ہے لیکن اس میں اصل اہمیت وہ ایک مجہول الاسم گورمکھی پشک کو دیتے ہیں جو کسی نامعلوم سندھی مولف نے تدوین کی اور جس میں شاہ حسین سمیت ۴۷ ہندو سکھ اور مسلمان فقیروں، صوفیوں اور جوگیوں کا کلام راگوں کی ترتیب سے جمع کیا گیا ہے۔ بقول موھن سنگھ یہ کتاب آخر کار لاہور پہنچی اور ۱۹۰۰ء کے لگ بھگ مفید عام پریس لاہور میں طبع ہوئی۔ اس میں شاہ حسین کی ۱۲۸ کافیاں شامل ہیں۔۴۶

شاہ حسین کی کافیوں کے مطبوعہ نسخے (۱) مکمل کلام شاہ حسین طبع موھن سنگھ دیوانہ لاہور ۱۹۴۲ء تعداد کافیاں شاہ حسین مع منظوم اردو ترجمہ، طبع عبدالحمید بھٹی مطبوعہ پنجابی اکیڈمی لاہور ۱۹۶۱ء (کافیاں شاہ حسین طبع افضل

خان) (کلام شاہ حسین طبع نذیر احمد مطبوعہ پیکجز لمیٹڈ لاہور ۱۹۸۲ء) کافیان شاہ حسین انگریزی ترجمہ غلام یعقوب انور ہیں۔ ۴۷

شاہ حسین کے خلفاء

شاہ حسین کے سولہ خلفاء مشہور ہیں۔ ان میں چار کا خطاب "غریب" چار کا "دیوان" چار کا "خاکی" اور چار کا بلاول تھا۔ دیوانوں میں پہلے دیوان انکے مرید میاں میر مادھو تھے جو برھمن زادے تھے لیکن ان کے زیر اثر پرورش پانے کی وجہ سے اسلام قبول کرلیا تھا۔ ۴۸

صاحب حقیقت الفقراء لکھتے ہیں کہ شیخ حسین کے نو ہزار مرید تھے۔ ۴۹

بعض مورخین نے ان کے مریدوں کی تعداد ایک لاکھ ۲۵ ہزار لکھی ہے۔ ۵۰ شاہ حسین کو مادھو سے بہت انس تھا۔ مرشد اور مرید کی محبت کا نتیجہ یہ نکلا کہ عوام الناس ان کا اصلی نام تک بھول گئے اور وہ شاہ حسین کی بجائے مادھو لال حسین کے عرف سے مشہور ہوئے۔ ۵۱

شاہ حسین کی رند مشربی کے قصے تذکرہ نویسوں نے بیان کئے ہیں لیکن شاہ حسین نے آخری عمر میں تمام خلاف شرح حرکات ترک کردی تھیں اور ارکان اسلام کی پابندی کرنے لگے تھے۔

"وگویند وقتے کہ وفات او رنزدیک رسید ھمہ امور نامشروعہ را ترک نمودہ بہ نماز و روزہ مشغول گشت۔ گفتند درین حکمت چیست۔ فرمود بزمینے می روم کہ آن راندیدہ و ساکنان آن موضع معرفت حاصل نہ گردانیدہ نمی دانم تا حال من چوں خواھد شد و در ھمین حال برحمت حق پیوست رحمۃ اللہ علیہ۔ ۵۲

اقوال شاہ حسین

وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ لفظ فقر کے تین حرف ہیں۔ طالب کو چاہیے کہ ان حروف کے راز سے واقف ہو۔

اولاً ف سے مراد فقر و فاقہ وفنا اور فرائض حق کا گزارنا اور راہ تجوید میں فیروزی حاصل کرنی اور فسق و فجوز سے ترک۔ ثانیاً قاف سے قناعت اور قصید دل با خدا عہد خدا پر قیام اور اقرار کرنا اور قرب حق کو ڈھونڈنا۔ ثالثاً دے سے ریاضت اور رضا، راہ راست پر چلنا اور نفس امارہ کی خیانت سے آگاہ رہنا۔۵۳

شیخ مادھو لاہوری

شیخ مادھو شیخ حسین لاہوری کے خلفاء ارجمند میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کے حالات کتاب حقیقت الفقراء میں یوں درج ہیں کہ وہ ایک برہمن کے بیٹے تھے جو شاہدرہ لاہور میں رہتا تھا۔ موصوف بڑے صاحب جمال اور خوش شکل تھے۔ ایک دن گھوڑے پر سوار کہیں جا رہے تھے کہ شاہ حسین کی نگاہ ان کے حسن و جمال پر پڑی۔ عشق مجازی نے شاہ حسین کا دل چھین لیا۔ چنانچہ شاہ حسین لاہور چھوڑ کر شاہدرہ میں قیام پذیر ہو گئے۔ ان کی محبت کا یہ عالم تھا کہ ساری رات دیوانہ وار مادھو کے مکان کا طواف کرتے اور دن کے وقت جہاں خبر ملتی کہ مادھو فلاں جگہ ہے بسر و چشم وہاں پہنچ جاتے۔ مادھو آپ کے عشق جہان سوز سے بے تعلق تھا۔ البتہ رات کے وقت جو اہل خانہ سے راز دارانہ باتیں کرتا شیخ حسین علی الصبح بازار میں فاش کر دیتے۔ ان حالات نے حسین لاہوری کے عشق کو زمانہ بھر میں مشہور کر دیا۔۵۴

ایک وقت ایسا بھی آیا کہ شاہ حسین کی خدمت میں مادھو حاضر رہنے لگا۔ مادھو کے والدین کو جب اس حقیقت کا پتہ چلا تو انہیں اس بات سے سخت کوفت ہوئی۔ وہ اپنے بیٹے کو شاہ حسین کے پاس جانے سے روکتے مگر اس پر کچھ اثر نہ ہوتا۔۵۵

والدین کو یہ ترکیب سوجھی اور انہوں نے مادھو سے کہا کہ وہ دریائے گنگا پر اشنان کے لئے جا رہے ہیں وہ بھی ان کے ساتھ چلے۔ مادھو شاہ حسین سے اجازت لینے کے لئے آئے تو آپ نے فرمایا وہ اپنے والدین سے کہہ دے کہ وہ گنگا اشنان کے لئے چلے جائیں۔ بوقت غسل وہاں موجود ہوگا۔

مادھو بھی شاہ حسین کی اس کرامت کے مظاہرے کے لئے لاہور میں رہ گئے۔ جس دن مادھو کے والدین

گنگا میں اشنان کے لئے اترے۔اسی دن شاہ حسین نے مادھو کو شہر سے باہر لیجا کر کہا" آنکھیں بند کر کے میرے قدم پر قدم رکھتے آو" جب مادھو نے یوں کیا تو آپ نے کہا کہ آنکھیں کھول لے۔مادھو نے دیکھا کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ دریائے گنگا میں اشنان کر رہے ہیں اور شاہ حسین بھی کنارے پر موجود ہیں۔مادھو اسی دن حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔۵٦

دو ماہ بعد بسنت اور ہولی کے تہوار آ گئے تو مادھو کی دلدہی کے لئے شہ حسین نے مجلس سماع وسرود منعقد کی اور عالم مستی میں ایک دوسرے پر گلال پھینکا اور تا حال ان کے سلسلے میں یہ رسم جاری ہے۔

اسی مجلس میں شاہ حسین کے معتقد مادھو سے بیعت ہوئے اور نگاہ کیمیا اثر نے آپ کو کمالات پر پہنچا دیا۔۵۷

شیخ مادھو پورے کمالات حاصل کر چکے تو شاہ حسین نے فرمایا کہ اب تمہیں راجہ مان سنگھ کے فوجی رسالے میں بھرتی ہو کر دکن کی مہم پر چلے جانا چاہیے اور کچھ عرصہ ہم سے جدا رہنا چاہیے۔چنانچہ مادھو آپ کے حکم سے راجہ مان سنگھ کے ساتھ اس مہم پر روانہ ہو گئے۔مان سنگھ نے شکست کی صورت سے شیخ مادھو سے التجا کی کہ فتح کے لئے دعا فرمائیں دیکھتے ہی دیکھتے دشمن کو شکست ہو گئی۔

جب شیخ حسین کی وفات کا وقت آیا تو شاہدرہ کے قریب توانھوں نے ایک باغیچہ بنوایا اور فرمایا ان کے مرنے کے بعد انہیں اس باغ میں دفنا دیا جائے۔لیکن یہ عارضی مدفن ہوگا۔ایک سال بعد مادھو لاہور آئیں گے اور ان کی نعش یہاں سے اٹھا کر بمقام بابو پورہ (باغبان پورہ) دفن کریں گے۔پھر بارہ سال راجہ مان سنگھ کی فوج میں رہیں گے۔اسکے بعد یہاں آکر ان کی قبر کی مجاوری کریں گے۔

چنانچہ آپ کی وفات کے بعد مادھو لاہور آئے اور پھر بارہ سال فوج میں رہے۔تیرہ سال بعد مادھو لال ۹۸۰ھ/۱۵۷۳ء میں پیدا ہوئے۔اور ۱۰۵٦ھ/ ۱٦۴۷ء میں وفات پائی۔حقیقت الفقراء میں لکھا ہے

حسینے بندہ مادھو شیخ عالم　　　　که بودے ست از پیمانہ عشق

عیان گردید سال ارتحالش　　　　زھادی ھدی مستانہ عشق۔۵۸

۱۰　　　　۵٦ھ

شاہ عنایت قادری

شاہ عنایت قادری حضرت شاہ رضا قادری شطاری لاہوری کے خلفائے عظام سے ہیں۔۵۹ اور صاحب مرابت عظیم، جامع علوم ظاہری و باطنی تھے۔ حضرت قوم کے باغبان یعنی زمیندار تھے۔ مدت تک پیر کی خدمت میں حاضر رہ کر تکمیل کو پہنچے اور خرقہ خلافت حاصل کر کے قصور میں مامور ہوئے۔ سینکڑوں لوگ آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔۶۰

حسین خان حاکم قصور کے کہنے پر قصور سے لاہور تشریف لے آئے۔ آپ پر ہر وقت استغراق کا غلبہ رہتا تھا انہوں نے گیارہ سال تک طعام نہیں کھایا۔ وہ صائم الدھر اور قائم اللیل تھے۔۶۱

صاحب تذکرہ نوشاہی بختاور نام ایک شخص کی زبانی جو موضع ٹھٹھہ کا رہنے والا تھا، بیان کرتے ہیں کہ شاہ عنایت اللہ زیادہ تر اپنی زرعی اراضی پر رہا کرتے تھے اور وہاں انہوں نے اپنے رہنے کے لئے حجرہ بنالیا تھا۔ شاہ عنایت اللہ قادری نے ۱۱۵۸ھ/ ۱۷۴۵ء میں وفات پائی۔۶۲ ہزاروں طالبان خدا حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر مراتب تکمیل کو پہنچے۔ انکے بہت سے خلفاء کامل ہوئے۔ قطعہ تاریخ وفات یہ ہے۔

چو از فضل و عنایات الٰہی	عنایت رفت از دنیا بجنت
ز مشتاق مکرم جسو و صالش	دگر تاج یقین اہل عنایت۔۶۳

حضرت کا مزار کوئینز روڈ پر ہے۔ یہ مزار ایک بلند چبوترے پر ہے اور پہلوؤں میں دو صاحبزادوں کی قبریں ہیں۔ لوح مزار پر تاریخ وفات ۱۱۵۸ھ/ ۱۷۳۵ء لکھی ہے۔۶۴ شاہ عنایت قادری کے ایک خلیفہ حضرت سید بلھے شاہ تھے۔

حضرت بلھے شاہ

بلھے شاہ اس توانا اور بلیغ آواز کا نام ہے جس نے پنجابی شاعری کو ابن العربی کے صوفیانہ معارف سے روشناس کرایا۔ اپنے دور کے زوال پذیر معاشرے کے عیوب کا پردہ چاک کیا اور موسیقی کے دلکش ساز پر اسلام کے لئے لٹے قافلے کو مقصدیت کی شمع دیکر منزل کی جانب گامزن ہونے کی ترغیب دی۔ ٦٥

بلھے شاہ کا اسم گرامی عبداللہ تھا۔ والدین پیار سے بلھا کہتے تھے۔ شاعری کی شہرت کی وجہ سے بلھے شاہ ہو گیا۔ اپنے اس نام کو اپنی کافیوں میں کئی جگہ استعمال کیا ہے۔ آپ کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات کے بارے میں تذکرہ نگاروں میں اختلاف ہے۔ کتاب سات ستارے کے مصنف نے آپ کا سال ولادت ١١٤٨ھ/ ١٧٣٦ء تحریر کیا ہے جو درست نہیں۔ ٦٦ کیونکہ ان کے مرشد حضرت شاہ عنایت قادری نے ١١٤٧ھ/ ١٧٣٥ء میں وفات پائی ہے۔ اس لئے ان کی ولادت کو تسلیم کرنا درست نہیں ہے۔ ٦٧

مسٹر چارلس فریڈرک اسبورن نے اپنی کتاب بلھا شاہ میں ان کا سال ولادت ١٦٨٠ء اور سال وفات ١٧٨٥ء لکھا ہے۔ اس طرح آپ کی عمر ١٠٥ سال بنتی ہے۔ آپ کی کافیوں سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا عہد بارھویں صدی ھجری یا اٹھارویں صدی عیسوی کا تھا۔ مثلاً وہ کہتے ہیں۔

منہ بارھویں صدی پیاریا
سانوں آمل یار پیاریا

حضرت بابا بلھے شاہ اوچ گیلانیاں ضلع بہاولپور کے ایک سید گھرانے میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام سید سخی شاہ تھا۔ صاحب خزینۃ الاصفیاء کے مطابق انکا سلسلہ نسب چودھویں پشت میں حضرت عبدالقادر جیلانی سے جاملتا ہے۔ ٦٨ صاحب تاریخ اوچ نے حضرت شیخ عبدالوحاب فرزند شیخ عبدالقادر جیلانی کے توسط سے حضرت عبدالقادر جیلانی تک پہنچایا ہے۔ ٦٩

کلیات بلھے شاہ کے مرتب ڈاکٹر فقیر محمد فقیر کا خیال ہے کہ یہ حضرت غوث اعظم کے فرزند حضرت شیخ عبدالرزاق کی اولاد سے ہیں۔۷۰ ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے اجداد میں سے سب سے پہلے حضرت شیخ بندگی محمد غوث ۸۸۷ھ/۱۴۸۲ء میں ۵۴ سال کی عمر میں حلب سے اوچ ائے۔ ان سے ڈھائی سو سال قبل بخاری سادات بزرگوں میں سے سید جلال الدین زکریا (م/۱۲۰۰ء) کے دست مبارک پر بیعت ہوئے اور خرقہ خلافت ملنے پر اوچ تشریف لے آئے۔

حضرت بلھے شاہ سن بلوغ کو پہنچے تو حصول تعلیم کے لئے قصور آ گئے اور مسجد کوٹ قصور کے دینی مدرسہ میں داخلہ لے لیا۔ یہاں انہیں خواجہ حافظ غلام مرتضی قصوری جیسے فاضل استاد کی سر پرستی حاصل ہوئی۔ حضرت وارث شاہ بھی ان کے شاگرد تھے۔ حافظ صاحب ان دونوں شاگردوں پر بہت فخر کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے:

"مینوں دو شاگرد عجیب ملے ہیں اک بلھے شاہ جنے علم پڑھ کے سرنگی بھڑلئی تے دوجا وارث جہیڑا عالم ہو کے ہیر رانجھے دے گیت گون لگ پیا اے"۔۷۱

ایک روایت میں مخدوم غلام محی الدین قصوری کو حضرت بلھے شاہ کا استاد قرار دیا گیا ہے۔ لیکن یہ درست نہیں ہے کیونکہ ان دونوں کے زمانے میں بڑا فرق ہے۔ حضرت بلھے شاہ کے کلام کا غائر مطالعہ کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے دور کی مروجہ دینی تعلیم کو انتہائی سطح تک حاصل کیا تھا۔۷۲ وہ مختلف علوم کی عربی فارسی اصطلاحات کو بے تکلف اپنے کلام میں جابجا استعمال کرتے تھے۔ انکا مطالعہ اسلامی تصوف کی کتب کے بارے میں خصوصی ہے۔ حضوصاً ابن العربی کی فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ کے مضامین انہوں نے خوب ادا کیئے۔۷۳

آپ کا طبعی میلان تصوف کی طرف تھا۔ تصوف کی کتابیں پڑھنے سے یہ تشنگی مزید بڑھ گئی تو آپ نے تسکین قلب کے لئے مرشد کامل کی تلاش شروع کر دی، حتی کہ لاہور کے ایک ارائیں بزرگ حضرت شاہ عنایت قادری کے دست مبارک پر بیعت کر لی۔۷۴

حضرت شاہ عنایت قادری اپنے زمانے کے ایک معروف صوفی تھے۔ علم و فضل میں آپ کا مقام بہت بلند تھا۔ فقہ حنفی پر آپ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے عربی زبان میں قیمتی حواشی پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود

ہیں۔۷۵

حضرت بلھے شاہ کے عزیز و اقارب اس بیعت پر خوش نہیں تھے۔انہیں شکایت تھی کہ بلھے شاہ سید ہو کر ایک آرائیں بزرگ کے مرید کیوں بنے۔برادری کی مخالفت کے باوجد مرشد کے حد سے زیادہ گرویدہ رہے۔گھر والوں سے قطع تعلق کرلیا اور مرشد کی خانقاہ میں رہنے لگے۔

حضرت بلھے شاہ کی شاعری اور انکا مقام

حضرت بلھے شاہ کے دور کے حالات نہایت مخدوش اور خراب تھے۔سیاسی عدم استحکام معاشرتی ناہمواریاں اور مذہبی فرقہ بندیاں عروج کو پہنچ چکی تھیں۔ظلم و ستم کی حکمرانی تھی۔بلھے شاہ ان سے متاثر ضرور ہوئے۔مگر ان میں پھنس کر نہیں رہ گئے۔

اللہ تعالی نے انہوں ناقدانہ اعلی مشعور بخشا۔انہوں نے اپنی بلیغ زبان میں اپنے دور کی ان خرابیوں کو واضح کیا اور لوگوں کو مثالی پرسکون اور پر امن دنیا کی جانب دعوت دیتے ہوئے آفاقی قدروں پر عمل کرنے کی طرف رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا۔۷۶ وہ پنجابی کے صوفی شاعر ہیں آپ کا کلام ایک ایسی برہنہ تلوار ہے جو نفاق اور جھوٹ کی گردن پر پڑتی ہے۔وہ ساری عمر رب کی بات کرتے رہے۔۷۷

حضرت بلھے شاہ اور تصوف

حضرت بلھے شاہ کا نظریہ ہے کہ انسان خدا کا عکس ہے اور اسکے کمالات کا نمونہ اسکی ذات میں نمایاں ہے۔ چنانچہ یہ اسفل سافلین میں اگر خدا کو بھول جاتا ہے۔ چنانچہ جملہ خرابیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔اسکی نجات اپنی اصل یعنی خدا سے اتصال میں پنہان ہے۔

ان کی تعلیمات میں دنیا فانی ہے۔ اور عمل کا وقت مختصر ہے۔ لہذا اس میں غفلت نقصان دہ ہے۔ اس بارے میں بلھے شاہ کہتے ہیں۔۷۸

اک پلک جھلک دا میلا اے　　　　　کجھ کرلوایہو ویلا اے

اٹھ جاگ گھرارے مارنہیں　　　　　ایہہ سون تیرے درکارنہیں

حضرت بلھے شاہ تصوف میں وحدت الوجودی مسلک پر کاربند تھے۔ اس مسلک کے عاملین عام طور پر وسیع المشرب ہوتے ہیں لیکن حضرت بلھے شاہ کا ایک امتیاز یہ ہے کہ وسیع المشربی برقرار رکھتے ہوئے وہ اپنے دور کی خرابیوں اور برائیوں سے مفاہمت پر آمادہ نہیں ہوئے۔ ان کے کلام کی روشنی میں دیکھا جائے تو آپ اپنے وقت کے لازوال عکاس تھے۔ آپ نے اس دور کے سیاسی انقلابات اور سکھوں اور مرھٹوں کے اقتدار میں ظلم و ستم کی جو تصویر پیش کی ہے وہ ایک تاریخی دستاویز ہے۔ " کہ گھٹیا لوگ حکومت پا گئے اور اہل اقتدار شرفاء زوال پذیر ہو گئے "۔ ۷۹

بلھے شاہ کا دور کا یہ حصہ جنوبی ایشیاء خاص طور پر پنجاب کے سیاسی اور سماجی حوالے سے ابتری کا دور ہے کیونکہ مغل راج کی کمزوری سے چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو بھی سر اٹھانے کا موقع ملا۔ ۸۰ اس صورتحال میں ظاہر ہے کہ ایسے وقت میں لوگوں کی سماجی اور معاشی حالت پر بھی اثر پڑا خصوصاً مسلمان سماجی اقتصادی اور اخلاقی طور پر بھی پستی میں گر گئے۔ ۸۱ اس لئے ذات باری تعالی نے مسلمان قوم میں بلھے شاہ جیسے لوگ کو جنم دیا۔ جنہوں نے اس صورت حال کو بڑی دردمندی سے محسوس کیا لیکن اس دور کو اگر پنجابی ادب کے حوالے کے ساتھ دیکھا جائے تو یہ دور ادب کی گنتی کے حوالے سے سنہری دور کہا جا سکتا ہے۔ اس دور میں جو بھی کہانیاں لکھی گئیں۔ اس میں بہادری کے جذبات کو ابھارا گیا۔ خدا اور انسان کے رشتے کو پکا کرنے کے لئے ایک طرف دینی لٹریچر تھا تو دوسری طرف داستانیں لکھی گئیں۔ اس حوالے سے سید وارث شاہ نے اپنی داستان " سسی وارث شاہ مع دوھڑہ جات " اور " سی حرفی دوم " میں احمد شاہ ابدالی کے ہندوستان پر پہلے حملے ۱۷۴۸ء کے بارے میں اس طرح بیان کیا اور اس حملے کی تباہی کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا۔

" طور لاہور داد یکھ کے جی دورز مین تے سخت بھوچال ہویا

عرش گبند کے کیونکر ہے تھرھیا کیا شہر کے متہر کمال ہویا

وارث شاہ جل باجھ ماھی جیوین تو ین شہر لاہور دا اال ہویا"۔۸۲

اس صورت حال سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاعروں نے ایک طرف پنجاب کی حالت زار کا نقشہ کھینچا۔ وہاں اپنے مقامی سرداروں کو بھی سخت سست کہا کہ انکی سستی اور بزدلی کی بدولت دیس کی حفاظت نہ ہو سکی۔ اس لئے سید وارث شاہ بلھے شاہ جیسے شاعروں کی آواز میں بے باکی اور جرات پیدا ہو گئی۔ بلھے شاہ نے اپنی شاعری میں طاہر دار علماء اور زاہدوں کو بھی معاف نہیں کیا۔

ان شاعروں کی دوسری مشترک قدر وحدت الوجود کا مسلک تھا اصلاح احوال، فرد اور ذات باری تعالی کے رشتے کو پکا کرنے کے لئے ادب کا سہارا لیا۔۸۳

بلھے شاہ نے وحدت الوجود کو ایک مکمل نظام کے حوالے سے اپنایا وہ فرماتے ہیں:

"اک لازم شرط ادب دی ہے\
سانوں بات معلوم سب دی اے\
ھر ھر وچ صورت رب دی اے\
کتھے ظاہر کتھے چھیندی اے\
منہ آئی بات نہ رھندی اے۔۸۴

وحدت الوجود کے حوالے سے انکا کلام قابل ذکر ہے۔

پیارا پہن پوشاکان آیا\
آدم اپنا نام دھرایا\
احدا تے بن احمد آیا\
نیاں دا سردار\
ھن میں لکھیا سوھنا یار\
جس دے حسن دا گرم بازار۔۸۵

سید بلھے شاہ کے بارے میں ایک غیر مسلم ڈاکٹر لاجونتی رام کرشن نے لکھا:

"بلھے شاہ دے رب دے جلوے وچ اسلام دا رنگ اے اوہ ایس جلوے بارے روایتی انداز وچ شعر کہندا اے رب تے رسول دی تعریف کردا اے تے قرآن دیاں آیتاں وچ لیوندا اے"۔ ۸۶

سید بلھے شاہ بارھویں صدی ھجری اتھ اٹھارویں صدی عیسوی کے ایسے دانشور شاعر تھے جنکو اپنے طور حقیقت کا گمان ہوتا تھا اور انسان اور خدا کے رشتے کو پکا کرنے کے لئے وحدت الوجود کا مسلک اختیار کر کے انسانوں کے اندر اللہ تعالی کے عشق کو اجاگر کیا۔ انہوں نے انسانوں کو اس دنیا میں نیکی اور پاکبازی کی تعلیم دی۔ وہ خدا کے علاوہ ہر چیز فانی کے مصداق انسانوں کو گناہوں سے پاک رہنے کی تعلیم دیتے رہے اس حوالے سے جہاں وہ مبلغ تھے وہاں اپنی کافیوں کی بدولت ایک بلند پایہ شاعر بھی تھے۔ ۸۷

"بلھے شاہ دے رب دے جلوے وچ اسلام دا رنگ اے وہ ایس جلوے بارے روایتی انداز وچ شعر کہندا اے رب تے رسول دی تعریف کردا اے تے قرآن دیاں آیتاں وچ لیوندا اے" ۔ ۸۸

سید بلھے شاہ بارھویں صدی ھجری اور اٹھارویں صدی عیسوی کے ایسے دانشور شاعر تھے جن کو اپنے طور حقیقت کا گمان ہوتا تھا۔ اور انسان اور خدا کے رشتے کو پکا کرنے کے لئے وحدت الوجود کا مسلک اختیار کر کے انسانوں کے اندر اللہ تعالی کے عشق کو اجاگر کیا۔ انہوں نے انسانوں کو اس دنیا میں نیکی اور پاکبازی کی تعلیم دی۔ وہ خدا کے علاوہ ہر چیز فانی کے مصداق انسانوں کو گناہوں سے پاک رہنے کی تعلیم دیتے رہے اس حوالے سے جہاں وہ مبلغ تھے وہاں اپنی کافیوں کی بدولت ایک بلند پایہ شاعر بھی تھے۔ ۸۹

بلھے شاہ کی صوفیانہ زندگی کو تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا دور وہ ہے جب وہ مرشد کی تلاش میں سرگردان تھے۔ اور تصوف کے مختلف مکاتیب فکر کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ دوسرا دور فنافی المرشد ہونے کا زمانہ ہے جب وہ مرشد کو وسیلہ نجات سمجھتے ہیں اور اسکی صورت میں خدا کا جلوہ دیکھتے ہیں۔ اس دور میں انہوں نے ہندو لسفے سے بھی آگاھی حاصل کی۔ تیسرا دور وہ ہے جب انکا جذبہ بے پناہ اور عشق بے کران ہو جاتا ہے اور وہ رسمی مذہب اور سطحی عقائد کی دیواروں کو توڑتے ہیں اس دور میں انکی شاعری عروج پر پہنچ گئی ہے۔ ۹۰

بلھے شاہ ایک مقبول عام صوفی شاعر تھے۔ان کے سارے کلام میں صوفیانہ شاعری کی آزاد خیالی اور توکل وفا کا رنگ چھلکتا ہے توحید باری تعالی اور عشق حقیقی ان کی شاعری کا بنیادی موضوع ہے اس موضوع کو انہوں نے متنوع انداز سے پیش کیا ہے۔ بلھے شاہ کا کلام کئی مرتبہ مرتب اور شائع ہو چکا ہے بعض قابل ذکر مطبوعہ نسخے یہ ہیں(۱) قانون عشق حصہ اول و دوم طبع مولوی انور علی رہتکی ،لاہور ۱۹۵۲ء،۱۹۵۹ء۔ (۲) کافی ھائے بلھے شاہ قصوری طبع بھائی پریم سنگھ زرگر قصوری قصور ۱۹۵۳ء کافیاں بلھے شاہ لاہور ۱۹۵۰ء ڈاکٹر فقیر محمد کے کلیات بلھے شاہ (لاہور ۱۹۶۰ء) میں مرتب کی ہے۔جس میں انکا تقریباً تمام مستند کلام آ گیا ہے۔اسکی تفصیل یہ ہے۔

۱۰۶ کافیاں ایک اٹھوار،ایک باران ماہ ۴۹۰ دوھڑے،سہ حرفیاں اور ۴۰ گنڈھان۔۹۱

اسبون کے کہنے کے مطابق بلھے شاہ نے ۱۷۵۳ء میں وفات پائی۔لیکن خزینۃ الاصفیاء کی رو سے انکی تاریخ وفات ۱۷۱ھ/ ۱۷۵۷ء ہے۔چنانچہ ان کے قطعہ تاریخ وفات کے دونوں مادوں سے یہی سال برآمد ہوتا ہے۔

جو بلھے شاہ شیخ ھردو عالم

مقام خویش اندر خلد ورزید

رقم کن شیخ اکرم ارتحالش

دگر ھاری اکبر مست توحید۔۹۲

اس سلسلے میں ڈاکٹر مولوی محمد شفیع کا ایک مضمون میر بہلی شاہ قادری شطاری قصوری ضمیمہ اورینٹل کالج میگزین مئی ۱۹۳۹ء بھی قابل ذکر ہے۔اس میں انہوں نے اوراد و وظائف کے ایک قلمی نسخے کا ذکر کیا ہے جس پر بلھا شاہ قادری ۱۱۸۱ھ کی مہر لگی ہوئی ہے۔اگر اسے درست مان لیا جائے کہ بلھے شاہ ۱۱۸۱ھ میں زندہ تھے تو ان کی تاریخ وفات ۱۱۷۱ھ نہیں ہو سکتی۔۹۳

شاہ محمد غوث پشاوری اور مغل حکمران

سید شاہ محمد غوث رحمتہ اللہ علیہ کی مذہبی بصیرت اور ژرف نگاہی و روحانی انوار و تجلیات کی عظمت و رفعت کو سمجھنے سے پہلے برعظیم میں قادریہ سلسلے کے قدیم بزرگان کرام کے حالات سے آگاہی ضروری ہے۔ جن کی مساعی جمیلہ کی بدولت، برعظیم کی سرزمین کے باشندے اس سلسلے کے فیوض و برکات سے مستفیض و متمتع ہوئے۔ "سیاسی انتشار، اجتماعی بدنظمی اور انحطاط کے باوجود یہ دور انفرادی طور پر علمی کمالات تدریسی و تصنیفی انہماک، روحانی یک سوئی، باطنی ترقی اور نفوس کے تزکیہ و اصلاح کا دور تھا جس میں متعدد ایسی باکمال اور ممتاز شخصیتیں پیدا ہوئی جن کو اس دور انحطاط سے کوئی مناسبت اور جن پر حالات سے یاس وہراس کا کوئی اثر نہیں معلوم ہوتا۔ ۹۴ کہتے ہیں کہ بہت سے علمی و ادبی شاہکاران افراد کی کوششوں اور کاوشوں کا نتیجہ ہیں جو کسی مزمن عرض میں مبتلا یا کسی معذور اور اندرونی صدمہ کا شکار تھے۔ علمائے نفسیات اس کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ ایسی حالت میں تو قوت مقابلہ اور اس مجبوری کی تلافی کا عزم ابھر آتا ہے۔ اور آدمی سے ایسے کام کرالیتا ہے جو معتدل حالات میں نہیں ہوتا۔ ۹۵

ہندوستان کے اس دور کا علمی اور روحانی پہلو اور اس دور انحطاط میں ایسی قد آور شخصیتوں کا ظہور ایک مریض اور برسر انحطاط معاشرہ کی اندرونی قوت مقابلہ کا ثبوت اور اسلام کی مردآفرینی اور آدم سازی کی صلاحیت کی دلیل ہے۔ وفور علم، ذہانت، قوت تدریس اور حسن تصنیف کے لحاظ سے ہمیں اس دور میں مولانا احمد بن ابوسعید عرف ملا جیون امیٹھوی (۱۰۴۷ھ تا ۱۱۳۰ھ) صاحب نورالانوار اور التفاسیرات الاحمدیہ ملا حمد اللہ سندیلوی (م ۱۱۶۰ھ) صاحب "شرح مسلم" مشہور بحمد اللہ، مولانا محمد حسن معروف بہ ملاحسن فرنگی محلی صاحب شرح سلم، مشہور بہ ملاحسن (م ۱۱۹۹ھ) مولانا رستم علی قنوجی (م ۱۰۰۷۸ھ) شیخ صفت اللہ خیرآبادی (م ۱۱۵۷ھ) شیخ علی اصغر قنوجی (م ۱۱۲۶ھ) مولانا علی آزاد بلگرامی (۱۱۱۰ھ تا ۱۲۰۰ھ) مولانا غلام نقشبند لکھنو (م ۱۱۲۶ھ) قاضی محب اللہ بہاری (م ۱۱۱۹ھ) مصنف "سلم العلوم و مسلم الثبوت، (جنہوں نے تقریباً ایک صدی تک ہندوستان کے علماء و مدرسین

کوان دونوں کتابوں کی شرح وتحشیہ میں مشغول رکھا اوران کی کتابیں مصر تک کے علماء کبار اور اساتذہ ازھر کی مرکز توجہ رہیں۔۹۶ سلوک وطریقت کے لحاظ سے دیکھئے تو اس صدی میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں (۱۱۱۱ھ تا ۱۱۹۵ھ) سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کی ہستی موجود تھی جن کے متعلق خود حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کی شہادت ہے کہ "ہر زمانے میں ایسے بزرگ زیادہ تعداد میں پائے نہیں جاتے چہ جائیکہ ایسے زمانہ میں جو فتنہ و فساد سے پر ہے"۹۷ سلسلہ قادریہ کے مشہور بزرگ اور ملا نظام الدین بانی درس نظامی کے مرشد حضرت سید عبدالرزاق بانسوی (م ۱۱۳۶ھ) سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے مجدد شاہ کلیم اللہ جہان آبادی م ۱۱۴۰ھ) اور اسی سلسلے کے ناشر وامام فخر الدین (شاہ فخر دہلوی) (م ۱۱۹۹ھ) سلسلہ قادریہ کے مشہور شیخ شاہ محمد غوث قادری لاہوری (م ۱۱۵۲ھ)۹۸ شیخ محمد عابد سنامی (م ۱۱۶۰ھ) خواجہ محمد ناصر عندلیب (والد خواجہ میر درد) (م ۱۱۷۲ھ) شاہ منیب اللہ بالا پوری اور حضرت شاہ نور محمد بدایونی (م ۱۱۳۶ھ) اس عہد میں مسند آراء اور فیض رسان نظر آتے ہیں"۔۹۹

حضرت محدث کبیر شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۰۹۱ھ میں منصہ شہود پر جلوہ گر ہوئے۔ یہ شہنشاہ ہند اورنگ زیب عالمگیر کے سن جلوس کا چوبیسواں سال تھا۔ جب حضرت شاہ صاحب واصل الی الحق ہوئے تو اس وقت سلطنت مغلیہ روبہ زوال ہو چکی تھی۔ پیدائش سے لے کر تا دم آخرین آپ نے جن مغلیہ بادشاہوں کا دور دیکھا، وہ مندرجہ ذیل ہیں:۱۰۰

نمبر شمار	اسماء	سن جلوس	سن وفات
۱۔	اورنگ زیب عالمگیر	۱۶۵۸ء	۱۷۰۷ء
۲۔	شاہ عالم بہادر شاہ اول	۱۷۰۷ء	۱۷۱۲ء
۳۔	جہاندار شاہ	۱۷۱۲ء	۱۷۱۳ء
۴۔	فرخ سیر	۱۷۱۳ء	۱۷۱۹ء

۵۔	نیکوسیر	۱۷۱۹ء	(مختصر عرصے کر بعد برطرف کر دیا گیا)
۶۔	رفیع الدرجات	۱۷۱۹ء	۱۷۱۹ء
۷۔	رفیع الدولہ	۱۷۱۹ء	(عرصہ تین ماہ۔ وفات)
۸۔	محمد شاہ بادشاہ	۱۷۱۹ء	۱۷۴۸ء
۹۔	احمد شاہ بن محمد شاہ	۱۷۴۸ء	۱۷۵۴ء
۱۰۔	عزیز الدین عالمگیر	۱۷۵۴ء تا ۱۷۵۹ء	
۱۱۔	محی السنۃ بن کام بخش بن عالمگیر	۱۷۵۷ء تا ۱۷۶۰ء	
۱۲۔	شاہ عالم بن ابن عزیز الدین	۱۷۶۱ء تا ۱۸۰۶ء	

اورنگزیب عالمگیر کے عہد کی آخری ربع صدی اگر ایک طرف ان تاریخ ساز حالات وواقعات پر محیط ہے جنہوں نے برصغیر کے اس دور کی تاریخ پر گہرے نقوش ثبت کئے ہیں تو دوسری طرف یہ دور شریعت مظہرہ کے احیاء اور ترویج کے سلسلے میں اورنگ زیب کی مذہبی جدوجہد کا نقطہ ارتقاء تھا۔ اورنگ زیب کی زندگی کی یہ آخری ربع صدی حضرت شیخ طریقت شاہ محمد غوث رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی حیات طیبہ کی پہلی ربع صدی تھی۔ آپ نے اپنی زندگی کے آخری تیس چالیس سال جس عہد میں گزارے وہ مغلیہ خاندان کی حکومت کا دور انحطاط تھا۔ بدقسمتی سے اورنگ زیب کے جانشین اپنے پیشرو کی ضد ثابت ہوئے۔ دراصل ساڑھے تین سو برس کا طویل دور حکومت برصغیر کی گرم مرطوب آب وہوا، مقامی باشندوں بالخصوص غیر مسلموں کے ساتھ نسلی اختلاط نے دلیر، جنگجو اور باعزم وہمت مغلوں کی صلاحیتوں کو دیمک کی طرح چاٹ ڈالا۔ اورنگ زیب کے بیٹے بہادر شاہ اول نے کسی حد تک شاہی وقار کو برقرار رکھا مگر اس کے بعد جہاندار شاہ سے لے کر محمد شاہ تک تمام بادشاہ بالکل نااہل ثابت ہوئے۔ وہ امراء کے ہاتھ کٹھ پتلی بن کر رہ گئے۔ جناب مولوی ذکاءاللہ لکھتے ہیں:

"عالمگیر کے مرنے کے بعد سلطنت کے کاموں میں انقلابات عظیم ہو گئے تھے اور تمام تعلقات کی صورت بدل گئی تھی مرھٹوں سے جو سلطنت تیموریہ کے تعلقات تھے وہ بھی بالکل بایا پلٹ ہو گئے تھے۔ سلطنت مغلیہ کمزور ہو

کر قریب المرگ تھی مگر مرتے دم تک اپنی نخوت و تکبر سے ہاتھ نہیں اٹھایا۔١٠١

الغرض امور مملکت میں دلچسپی لینے کی بجائے انہوں نے عیش ونشاط کی بزم آرائیوں کو اپنا شعار ٹھہرایا اور تمام تر وقت حرم کی چار دیواری میں شاہد وشراب کی محفلوں میں بسر ہونے لگا۔

مسلم معاشرہ بڑی سرعت کے ساتھ روبہ تنزل ہونے لگا۔اس میں جرات و پامردی، ایثار وقربانی جان نثاری، سخت کوشی، غیرت قومی بالخصوص اسلام کے ساتھ والہانہ شغف اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کی اطاعت کے پاکیزہ جذبات سرد پڑ چکے تھے۔مسلمانوں میں کوئی فاتح، مدبر، منتظم اور سرفروش سپوت منظر عام پر نہ آ سکا۔ ہر جگہ خودغرض، قوم فروش، سازشی، بے ضمیر اور معصیت اور گمراہی میں بدمست لوگوں کا دور دورہ تھا۔سیاسی، معاشرتی، ثقافتی، مذہبی اور اخلاقی پس منظر میں حضرت محدث کبیر سیدنا شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی عزم دینی اور روحانی زندگی کے شب وروز بسر کر کے لوگوں کو رشد وہدایت اور سلوک ومعرفت کی تعلیم دی۔١٠٢

محدث کبیر حضرت شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے آباواجداد کی روش کے مطابق کسی وقت بھی بادشاہاں، ارباب حکومت اور امراء کے ساتھ کسی قسم کا تعلق قائم نہیں رکھا۔اور نہ ہی آپ اس تعلق کو پسند کرتے تھے۔اس لئے کہ عموماً دیکھنے میں آتا ہے۔ان ارباب دول کی محفلوں اور مجلسوں میں گندم نما جوفروش علماء خوشامد، چاپلوسی اور جاہ طلبی کے لئے ان امراء کی ناجائز آؤبھگت کر کے دین فروشی کرتے ہیں۔جس سے دین اور علم کی ان درباروں میں تذلیل ہوتی ہے۔١٠٣

آپ جونکہ علماء حق کی شان تھے اور ہر وقت خلاف شرع امور کرنے والے امراء پر کھلے بندوں تنقید و ملامت کرتے تھے۔ اسی لئے آپ نے ان صاحبان ثروت کے ساتھ کوئی رابطہ قائم نہ رکھا بلکہ ہمیشہ کے لئے ان لوگوں سے کنارہ کش اور یکسو رہے۔ بوقت ضرورت ان کو تنبیہہ نصیحت اور راہ راست کی دعوت دیتے رہے۔

حضرت محدث کبیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کبھی بھی ارباب حکومت کی دی ہوئی بخشش وعطاء کو قبول نہیں فرمایا۔محی الدین اورنگ زیب عالمگیر نے آپ کے والد گرامی ابوالبرکات حضرت سید حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م ١١١٥ھ) کی وفات پر قصبہ بگرام (پشاور شہر) میں چالیس جریب زمین کی سند خانقاہ کے اخراجات کے لئے آپ

کی خدمت میں بھیجی۔ آپ نے وہ سند ان الفاظ کے ساتھ واپس کر دی کہ:

"جائے خدا تنگ نیست وپائے گدا لنگ نیست"۔۱۰۴

ان کا خاندان سبط رسول اللہ حضرت امام حسن بن امام الاولیاء حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بواسطہ غوث الاعظم سید شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔۲ نیز آپ کا سلسلہ نسب والدہ ماجدہ کی طرف بواسطہ شیخ الاسلام والمسلمین سید علی ترمذی المعروف بہ پیر بابا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سید الشہداء امام حسین علیہ السلام تک منتہی ہوتا ہے۔۱۰۶ آپ سلسلہ طریقت میں اپنے والد ماجد ابوالبرکات سید حسن سے لے کر ابوالبرکات سید حسن سے لے کر غوث الصمدانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی تک سب کے سب اپنے والد ہی کے مرید ہیں۔ اسی لئے آپ کے سلسلہ بیعت کو سلسلۃ الذہب کہا جاتا ہے یعنی اس سلسلے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے۔ آپ نے اپنے والد گرامی مرتبت سے تربیت اور حصول فیض کے بعد اپنے اس سلسلہ مبارک کو کما حقہ پھیلانے اور اشاعت وترویج میں کوئی کسر نہیں چھوڑی کیونکہ آپ کو برصغیر کے علمائے کرام سے تلمذ حاصل تھا۔۱۰۷ آپ علم توحید حدیث، فقہ تصوف، صرف ونحو، منطق الہیات، فصاحت وبلاغت اور دیگر متداولہ میں کمال دسترس رکھتے تھے۔ جس سے آپ نے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ نیز علم سلوک ومعرفت کے ذریعے دینی علمی، اخلاقی اور تزکیہ نفوس کی خدمات انجام دیں۔ آپ نے اپنے زمانہ حیات میں کئی بادشاہوں کو بدلتے ہوئے دیکھا۔ یہ دور افراتفری اور انحطاط علم واخلاق کا دور تھا۔ آپ نے نہایت استقامت، عزم راسخ اور بلند حوصلہ کے ساتھ اس تاریک اور خستہ حالت میں دین اسلام شریعت محمدیہ اور تصوف وسلوک کے چراغ کو برصغیر میں روشن رکھا۔ کابل، پشاور، پنجاب، کشمیر اور ہزارہ کے دور دراز علاقوں میں سفر کے ذریعے خلاف شریعت تحریکوں کا مقابلہ کیا اور ان علاقوں میں اپنے نائب یعنی خلفاء مقرر کیے۔ کابل میں حافظ اخوند محمد عظیم کاکڑ۔ قاضی محمد غوث پشاوری، پیر زھدی لاہوری، مولانا عبدالسلام گجرات۔ آپ کے صاحبزادے سید محمد عابد کشمیر۔ محی الدین المعروف بہ شاہ میر صاحب مظفر آباد۔ حضرت سید شاکر شاہ جہلم۔ محی الدین المعروف بہ شاہ غلام بن سید محمد عابد سرینگر کشمیر۔

یہ تمام حضرات اپنے اپنے مقام پر صاحب درس وتدریس اور صاحب سلوک ومعرفت ہوئے اورانہوں نے آپ کے ارشادات کے مطابق دین اسلام کی تبلیغ واشاعت میں اپنی تمام تر زندگیاں بسر کردیں۔۱۰۸ آپ کے فیوض وبرکات کا یہ نتیجہ کہ اس وقت تک آپ کے سلسلے کے مشائخ کرام تبلیغ اسلام اور تہذیب نفوس کرنے میں کمر بستہ ہیں۔ حصوصاً پنجاب مین الحاج آقا سید سکندر شاہ کشمیر میں میر مقبول شاہ، الحاج آقا پیر جان۔ حضرت علامہ آغا مقبول شاہ بن سید آغا فقیر شاہ اور سید شاہ غلام المعروف بہ سید میر جی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اجمعین نے آپ کے سلسلہ طریقت کونہایت ہی محنت صبر اور استقامت کے ساتھ پھیلایا۔۱۰۹

حضرت میرزا مظہر جان جاناں شہید

و۱۱۱۱ھ　　　م۱۱۹۵ھ

۱۷۰۰ء　　　۱۷۸۰ء

حضرت مظہر اور معاصر سلاطین مغلیہ

حضرت مظہر کی ولادت ۱۱۱۱ھ/۱۷۰۰ء میں اور وفات ۱۱۹۵ھ/۱۷۸۰ء میں ہوئی۔ اس دور میں حسب ذیل سلاطین مغلیہ تخت نشین ہوئے۔

۱۔	اورنگ زیب عالمگیر	۱۶۵۸ء۔۱۷۰۷ء
۲۔	بہادر شاہ اول	۱۷۰۷ء۔۱۷۱۲ء
۳۔	جہاندار شاہ معز الدین	۱۷۱۲ء۔۱۷۱۳ء
۴۔	فرخ سیر	۱۷۱۳ء۔۱۷۱۹ء
۵۔	نکوسیر	۱۷۱۹ء
۶۔	رفیع الدرجات	۱۷۱۹ء (سوا تین ماہ)
۷۔	محمد شاہ	۱۷۱۹ء۔۱۷۴۸ء
۸۔	احمد شاہ	۱۷۴۸ء۔۱۷۵۴ء
۹۔	عالمگیر ثانی	۱۷۵۴ء۔۱۷۵۹ء
۱۰۔	شاہ عالم ثانی	۱۷۵۹ء۔۱۸۰۶ء۔۱۱۰

امیر مجنون خان علوی سادات میں سے تھے چونکہ آٹھویں صدی ھجری میں اس خاندان کے ایک فرد کا سلسلہ ازرواج ترکستان کے قبیلہ قاقشلان سے ہوگیا تھا۔ ۱ اور یہ اس علاقے کے حاکم بھی بن گئے تھے اس لئے

اسکے بعد انہیں خانان قاقشال کہا جانے لگا۔

جب ہمایوں اپنی کھوئی ہوئی سلطنت شاہ ایران کی مدد سے واپس لینے کے لئے ہندوستان آیا تو دو بھائیوں (مجنون اور بابا خان) ہمراہ ہندوستان لے آیا۔ ہمایوں کی وفات کے بعد اکبر کے زمانے میں اعلی منصب پر فائز رہے۔ عارف قندھاری نے مجنون خان کو عمدۃ الامراء لکھا ہے۔

"عمدۃ الامراء فی الدوران مجنون خان کہ ہمراہ نواب خان خانان در بکسر بود۔۱۱۲

ہمایوں کے عہد میں نارنول کی جاگیرداری پر مقرر ہوئے اکبر کے عہد میں مالک پور کی جاگیر ملی۔ خان زمان کی بغاوت فرو کرنے کے دوران وہ اکبر بادشاہ کے ہمراہ تھے۔ چودہویں سال جلوس اکبر (۱۵۶۸ء) میں شاہی حکم کے مطابق وہ کالنجر کے قلعہ کے محاصرہ پر مقرر ہوئے اس فتح کے بعد وہاں کی حکومت بھی مجنون خاں کو سونپ دی گئی طبقات اکبری میں ہے کہ ان کا منصب پنج ہزاری تھا اور ماثر الامراء میں ہے کہ تین ہزاری اور پانچ ہزار سواران کے ملازم تھے۔۱۱۳

اپنے بھائی مجنون خان کی طرح بابا خان بھی عہد اکبر کی مہمات میں پیش پیش رہے۔ حتی کہ اکبر بادشاہ کے ہمراہ بعض معرکوں میں شرکت بھی کی۔۱۱۴

چوبیسویں سال جلوس اکبری میں بابا خان نے بنگال کے کچھ جاگیرداروں کے ہمراہ بغاوت کا اظہار کیا اور خان خانان خطاب مقرر کر کے صوبہ بنگال کی حکومت خود سنبھال لی۔ لیکن مولوی نعیم اللہ بہڑائچی نے بابا خان کی بغاوت کا یہ سبب بتایا ہے کہ چونکہ اکبر نے اپنے پچیسویں سال جلوس میں دین اسلام سے انحراف کیا تھا اس لئے بابا خان نے بغاوت کر دی۔۱۱۵

اس بغاوت کے جرم میں اس خاندان کے لئے اعلی مناصب کے دروازے بند ہو گئے۔۱۱۶ لیکن حضرت میرزا مظہر کا بیان ہے کہ سلاطین کورگانیہ کی خدمت و رفاقت اس خاندان کا شعار تھا۔۱۱۷ بقول نعیم بہڑائچی حضرت میرزا مظہر کے پردادا میرزا محمد امان کی شادی اکبر بادشاہ کی بیٹی سے ہوئی تھی۔۱۱۸ میرزا مظہر کے والد اورنگ زیب کے منصبدار تھے لیکن انہوں نے شاہی منصب ترک کر کے فقر و قناعت کی سلطنت اختیار کر لی

تھی ۔انہوں نے حضرت شاہ عبدالرحمٰن قادری سے طریقہ قادریہ حاصل کیا۔۱۱۹ وہ ۱۱۳۰ھ میں انتقال فرما گئے۔

حضرت میرزا مظہر کی ولادت ۱۱۱۳ھ/۱۷۰۲ء کو ہوئی۔بیس سال کی عمر میں دنیا سے کنارا کش ہو کر راہ فقر میں سعی شروع کردی۔۱۲۰ مروجہ علوم اپنے والد کی زندگی میں پڑھ لئے تھے۔حاجی محمد افضل سیالکوٹی شاگرد شیخ عبداللہ بن سالم مکی سے کتب وحدیث پڑھیں طریقہ نقشبندیہ کا ذکر سید نور محمد بدایونی جو دو واسطوں سے حضرت مجدد الف ثانی سے وابستہ تھی،خرقہ اور اجازت طلب کی۔

ذکر سلسلہ قادریہ

حضرت مظہر نے طریقہ قادریہ کی اجازت حضرت شیخ محمد عابد رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی یہ سلسلہ طریقت اس طرح ہے۔۱۲۱

سید عبدالقادر جیلانی ؒ

سید عبدالرزاق ؒ

سید شرف الدین

سید عبدالوہاب

سید عقیل

سید شمس الدین صحرائی

سید گدائی رحمٰن ثانی

شاہ فضیل ؒ

شاہ کمال کیتھلی ؒ

شیخ عبدالاحد ؒ

حضرت مجدد الف ثانی ؒ

حضرت خازنؒ

شیخ عبدالاحد سرہندی

شیخ محمد عابدؒ

حضرت میرزا مظہر

شیخ الشیوخ محمد عابد سنامی (م ۱۱۹۳ھ/۱۷۷۹ء)

حضرت شیخ عبدالاحد کے اعاظم خلفاء میں سے تھے۔ حضرت شیخ عبدالاحد سرھند کے اکابر خلفاء میں سے تھے۔۱۲۲ حضرت شیخ محمد عابد سنامی مولد قصبہ سنام ہے جو سرھند کے نواح میں واقع ہے۔

شیخ محمد عابد سنامی کے زمانہ میں سرھند میں تین حاکموں کے نام ملتے ہیں۔وزیر خان، فیروز خان میواتی اور علی محمد خان روھیلہ۔۱۲۳

شیخ محمد عابد حنفی نقشبندی، قادری سنامی کی پرورش لاہور میں ہوئی۔شیخ محمد عابد سنامی کی نسبت حضرت ابوبکر کی طرف سے ہے وہ کثیر العبادت اور کثیر الذکر بزرگ تھے۔جب آپ کو کامل قبول حاصل ہوا اور خاص و عام کے مرجع بنے تو موصوف کا آستانہ اور خانقاہ اھل اللہ کا ماوی بن گئے۔تقریباً دوسو علماء صلحاء موصوف کے حلقہ میں ھر وقت حاضر رہتے تھے۔۱۲۴

حضرت مرزا مظہر جانان ان کے حلقہ میں ھر وقت رہتے۔مرزا مظہر جانان فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ کی توجہ سے میری باطنی نسبت میں اتنی وسعت پیدا ہوگئی کہ نظر کشفی اسکے ادراک سے عاجز تھی۔نیز فرماتیں ہیں کہ حضرت شیخ میرے حال پر بہت عنایت فرماتے تھے ان کے اصحاب میں سے کسی کو یہ خصوصیت حاصل نہیں ہوسکتی تھی۔۱۲۵

مرزا مظہر جانان کا کہنا ہے کہ میں نے خاندان قادری میں اجازت کے لئے عرض کی تو فرمایا کہ ہم تمہیں اس خاندان کی اجازت جناب رسول اللہ ﷺ سے دلواتے ہیں اور جناب مراقبہ میں بیٹھ گئے تو میں نے دیکھا کہ

غوث الثقلین آنحضورﷺ کے ساتھ تشریف فرماہین اور حضرت شیخ عابد نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ مرزا مظہر جان جانان خاندان قادریہ کی اجازت کے امیدوار ہیں انہوں نے حضرت شیخ کے التماس کوقبول کرکے بندہ کو خرقہ تبرکاً عطا کیا اور اجازت سے ممتاز کیا اور مجھے اپنے باطن میں نسبت شریفہ قادریہ کے حالات و برکات کا احساس ہوا اور میرا سینہ اسکے انوار سے لبریز ہوگیا۔ کیونکہ نقشبندی نسبت میں وارفتگی اور ربودگی بہت ہے اور قادری نسبت میں صفا اور انوار کی چمک ہے۔ ۱۲۶

موصوف فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ نے مجھے طریقہ قادریہ چشتیہ اور سہروردیہ کی اجازت سے بھی سرفراز فرمایا تھا۔ ۱۲۷

شیخ محمد عابد سنامی کے معمولات اور ریاضات کا ذکر حضرت شاہ غلام علی دھلوی نے رسالہ درحالات مرزا مظہر میں کیا کہ حضرت مرزا مظہر نے موصوف سے باطنی استفادہ کیا تھا۔ ۱۲۸

حضرت مرزا صاحب کے اجداد میں سے دو بزرگ بابا خان اور مجنوں خان ہمایوں بادشاہ کے ساتھ ہندوستان آئے اور اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے۔ مرزا جانان اورنگ ذیب کے منصبدار تھے غالباً کسی اہم عہدے پر فائز نہیں تھے۔ اس لئے ان کا نام تاریخوں میں نہیں ملتا۔ جب اورنگ زیب دکن میں تھا تو انہوں نے ملازمت ترک کرکے سارا اثاثہ غریبوں میں تقسیم کردیا تھا۔ ۱۲۹

حضرت میرزا مظہر کے زمانے میں بادشاہوں کی حالت

حضرت میرزا مظہر نے اورنگ زیب عالمگیر سے لے کر شاہ عالم ثانی تک گیارہ بادشاہوں کا زمانہ پایا۔ ۱۳۰ اورنگ زیب کی وفات ۱۷۰۷ء سے لے کر ۱۷۱۹ء تک بارہ سالوں میں چھ مرتبہ تخت نشینی کے لئے جنگیں ہوتی رہیں۔ اس خانہ جنگی سے ناقابل تلافی اقتصادی بحران بھی پیدا ہوا۔ عیش وعشرت میں جو سرمایہ اڑ رہا تھا وہ ان مذکورہ جنگوں کے علاوہ تھا۔ جہاندار شاہ کے زمانے میں دربار میں امتیاز محل (لعل کنور) کا بہت زیادہ عمل دخل تھا۔ ملکہ نور جہان کی طرح اسکے نام کا سکہ بھی جاری ہوا تھا۔ فرخ سیر کے دور میں سیاسی جماعتوں کی رسہ کشی نے مستقبل

کی سیاست کو الجھا دیا۔ محمد شاہ نے اپنی طویل عہد حکومت میں ملکی نظم ونسق کی ساری ذمہ داریاں وزراء پر ڈال دیں عوام کو سلطنت کی بے بسی کا اس وقت خیال آیا جب نادر شاہ نے دہلی اور اسکے گردونواح کے تمام علاقوں کو غارت کر دیا۔۱۳۱

وارد تہرانی نے لکھا ہے کہ محمد شاہ اپنے ستائیس سالوں میں سوائے سیر وشکار کے دہلی سے باہر نہیں نکلا۔۱۳۲ محمد شاہ کے جانشین احمد شاہ نے مملکت کا تمام نظام جاوید خان خواجہ سرا کے سپرد کر دیا۔ احمد شاہ کے بعد عالمگیر ثانی تخت نشین ہوا۔ وہ خرابی صحت کے باعث ملکی معاملات کو درست نہ کر سکا۔

شاہ عالم ثانی آخری حکمران ہے جسکا تعلق حضرت مظہر کے زمانہ سے ہے اسکا عہد بھی پر آشوب تھا۔ باوجود یہ کہ وہ تعلیم یافتہ سنجیدہ اور تجربہ کار تھا۔ ان اوصاف کی وجہ سے اس سے بہتری کی امید تھی مگر ملکی حالات بہت بگڑ چکے تھے۔۱۳۳

بادشاہ نے حضرت شاہ ولی اللہؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر خود ان حالات کا ذکر کیا ہے۔

امراء کا کردار

اٹھارویں صدی کے امرائے سلطنت کا کردار بھی سلاطین سے زیادہ مشکوک، خود غرضانہ اور ملک دشمن کاروائیوں کا مرتکب تھا۔

ان حالات میں بعض بوریہ نشینوں اور خانقاہوں کے بے سروسامان مقیموں نے اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت مظہر اور حضرت شاہ فخر دہلوی نے باقاعدہ امراء کو ان کی حرکات پر متنبہ کیا۔۱۳۴ ان حضرات نے بعض محب وطن امراء سے روابط قائم کئے اور انکا باھمی اتحاد قائم کرنے کی کوشش کی۔ آصف جاہ اول کو شاہ ولی اللہ نے دعوت دی کہ وہ مسلم دشمن طاقتوں کا مقابلہ کرے اس طرح تورانی پارٹی کے تمام امراء کے براہ راست ان صوفیاء سے روابط تھے۔ سیاسی نقطہ نظر سے حضرت مظہر کے وہی نظریات تھے جو حضرت شاہ ولی اللہ کے تھے۔ فتنہ مرہٹہ کے استیصال کے لئے یہ دونوں حضرات کوشاں تھے۔۱۳۵

ان حالات میں بعض بوریہ نشینوں اور خانقاہوں کے بے سروسامان مقیموں نے اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت مظہر اور حضرت شاہ فخر دہلوی نے باقاعدہ امراء کو ان کی حرکات پر متنبہ کیا۔۱۳۴ ان حضرات نے بعض محبّ وطن امراء سے روابط قائم کئے اور انکا باھمی اتحاد قائم کرنے کی کوشش کی۔آصف جاہ اول کو شاہ ولی اللہ نے دعوت دی کہ وہ مسلم دشمن طاقتوں کا مقابلہ کرے اس طرح تورانی پارٹی کے تمام امراء کے براہ راست ان صوفیاء سے روابط تھے۔سیاسی نقطہ نظر سے حضرت مظہر کے وھی نظریات تھے جو حضرت شاہ ولی اللہ کے تھے۔فتنہ مرھٹہ کے استیصال کے لئے یہ دونوں حضرات کوشاں تھے۔۱۳۵

حضرت میرزا مظہر کے بہت سے مرید مختلف امراء کے ھاں ملازم تھے۔اس طرح موصوف ان مریدین کے ذریعے سیاست اور معاشرت کو آلودگی سے پاک کرنے کے مشن کو پورا کررہے تھے۔

حضرت میرزا مظہر کے عمائدین مملکت سے اچھے تعلقات تھے۔نواب عماد الملک جسکے عالمگیر ثانی کے ساتھ اچھے تعلقات تھے بادشاہ کو حضرت مظہر کی خدمت میں لے آیا بعد میں شہزادے آئے انہوں نے حضرت کو مجرا عرض کیا حضرت نے فرمایا۔ان لوگوں کا کوئی اتالیق ہے یا نہیں؟ مجرا صرف بادشاہ کو عرض کیا جاتا ہے فقیروں اور عالموں کے لئے سلام علیک ہی کافی ہے۔۱۳۶

حضرت مظہر نے بادشاہوں اور امراء کی عقیدت کے جاوجود کبھی تحائف قبول نہیں کرتے تھے۔موصوف کے بارے میں کہا جاتا ہے۔

"بیگانگی کے باوجود ایک ایک امیر کے حال سے باخبر تھے"۔۱۳۷

وہ امراء کو قدم قدم پر نصائح اور سیاسی امور میں مشورے دیتے تھے۔انہوں نے قنوطیت اور مایوسی کے دور میں شمع ہدایت روشن رکھی اور اپنے مریدین اور احباب کے لئے سفارشی رقعات لکھ کر انہیں امراء کے ہاں ملازم رکھوایا جس سے انہیں بیک وقت دو قسم کے فوائد ہوئے۔اول انہیں وجہ معاش میسر آئی۔دوم حضرت مظہر امراء اور سیاسی حالات سے براہ راست باخبر رہنے لگے۔۱۳۸

حضرت مظہر کی تعلیمات اور مسئلہ وحدت الوجود

حضرت مظہر کے مکتوبات وملفوظات ان کی تعلیمات اور ساری زندگی کے تجربات کا نچوڑ ہیں۔

مسئلہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود دونوں افکار کی انہوں نے اپنے مکتوبات میں جس طرح تشریحات کی ہیں۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اس دور کے اہم ترین مسائل تھے۔حضرت مظہر نے اپنے مکتوبات میں وضاحت کی کہ وحدت الوجود محض ایک کشفی مسئلہ ہے۔ضروریات دین میں الجھنے کسی ممانعت فرمائی۔

اس دور میں اس مسئلہ پر دو گروہ با قاعدہ متحارب رہنے لگے۔اس فضا کو درست کرنے کے لئے کئی کتابیں لکھی گئیں مشہور نقشبندی عالم شیخ محمد مراد کشمیری نے ایک مستقل رسالہ لکھ کر دونوں فریقین کو ایک دوسرے کی تکفیر سے منع کیا۔۱۳۹

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ان دونوں نظریات کی ایک دوسرے سے مطابقت کرنے کی کوشش کی۔۱۴۰

حضرت مظہر اور دیگر بزرگ اسے محض لفظی فریق تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔چنانچہ حضرت مظہر نے اپنے ایک فاضل خلیفہ مولانا غلام یحیٰی بہادی سے اس انطباق کے خلاف ایک مستقل رسالہ کلمات الحق لکھوایا اور اس رسالے پر خود ایک تقریظ لکھی۔۱۴۱ اس کے علاوہ انہوں نے شیخ قمر الدین اورنگ آبادی سے بھی اس موضوع پر ایک رسالہ لکھوایا جسکا نام مظہر النور ہے۔۱۴۲ اس رسالے کی ایک شرح سید نور الہدیٰ بن قمر الدین مذکور نے لکھی تھی۔

ردو قبول کا یہ سلسلہ اٹھارویں صدی کے آخر تک چلتا رہا۔ملا بحر العلوم کے رسالہ وحدت الوجود (۱۷۴۹ء سے لیکر شاہ عبدالعزیز کے رسالہ ۱۸۲۰ء) تک اس سلسلے کی کڑیاں ملتی ہیں"۔

حضرت مظہر کے مختلف مکاتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف ایک عظیم کتب خانے کے مالک تھے۔ خودنوشت خطی اور قلمی نسخے ان کے کتب خانہ میں تھے ان اور ان کی اہمیت سے بخوبی واقف تھے۔۱۴۳

حضرت مظہر نے وصیت کی تھیی کہ انکا کتب خانہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی کو دے دیا جائے۔۱۴۴

حضرت مظہر کی جو تصانیف ملی ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ دیوان مظہر (فارسی)

۲۔ خریطہ جواہر (فارسی کے معروف اور غیر معروف شعراء کے کلام کا انتخاب)

۳۔ مکاتیب کے مختلف مجموعے

۴۔ مجموعہ اردو اشعار

۵۔ ملفوظات

حضرت مظہر اپنی مصروفیات کے باعث کسی مستقل تصنیف کی طرف توجہ نہ دے سکے لیکن ان کے سامنے ان کے روحانی بزرگوں، مثلاً امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت خواجہ محمد سعید سرہندی، حضرت عبدالاحد وحدت، حضرت خواجہ سیف الدین سرہندی، حضرت خواجہ محمد معصوم، حضرت محمد نقشبند ثانی اور حضرت خواجہ عبیداللہ وغیرہ کے مکتوبات کتابی صورت میں مدون ہو چکے تھے اس لئے حضرت مظہر نے ان کی تقلید کی اور اپنی زندگی میں اپنے مکتوبات کا مجموعہ مرتب کروایا۔ موصوف لکھتے ہیں:

"احباب نے شریعت و طریقت کے بعض مسائل پوچھے تھے ان کے جواب مکاتیب کی صورت میں لکھے تھے جو عزیزوں نے جمع کر لئے ہیں"۔ ۱۴۵

ان مکتوبات کی تعداد ۲۳ ہے ان خطوط میں زیادہ تر مذہبی مسائل، رموز تصوف اور تعلیمات سلوک پائی جاتی ہیں۔

حضرت مظہر کے مکتوبات کے مطالعہ سے اٹھارویں صدی عیسوی کے بہت سے اہم سیاسی حالات بھی ملتے ہیں۔ ۱۴۶

حضرت مظہر سلوک و عرفان کی روحانی تعلیم اور فارسی زبان و ادب ہر شعبہ زندگی میں ایک مثالی زندگی کے ملک تھے لیکن موصوف اردو شاعری کے اس دور سے تعلق رکھتے تھے۔ جو اصلاح کا دور کہلاتا ہے۔ بقول مولوی عبدالحق: "اردو شاعری پر انکا بڑا احسان ہے کہ انہوں نے اردو شاعری کو ابہام کی دلدل سے نکال کر خوشگوار فضا میں پہنچادیا۔ ان کے کلام اور ذوق کی وجہ سے دلی کی شاعری کا رنگ بالکل بدل گیا۔ ۱۴۷

حضرت مظہر با قاعدہ ایک تحریک کی صورت میں اپنے تلامذہ کی ایک جماعت کے ساتھ ان مصلحانہ کوششوں میں سرگرم عمل رہے جہاں حضرت مظہر کے دامن تربیت سے بہت سے طالبان خدا نے روحانی فیض پایا وہاں شعراء کے ایک گروہ نے فیض حاصل کیا۔ ۱۴۸

حضرت میرزا مظہر نے اپنی زندگی کے تیس سال خود مشائخ کرام کی خدمت میں اضر ہو کر سلوک کی منزلیں طے کیں اور بقیہ تیس سال تک طالبان خدا کی رہنمائی کے لئے ہمہ تن مصروف رہے۔ ۱۴۹

آخری زمانہ حیات میں انتہائی ناتوانی کے باوجود ہر روز سو آدمیوں کو توجہ دیا کرتے تھے۔

گویا اس طرح مرجع خلائق بزرگ آغاز ارشاد سے لیکر آخری سانس تک تبلیغ وارشاد، تعلیم وسلوک اور حاجتمندون کی دستگیری کرنے کے بعد ۱۱۹۵ھ/ ۱۷۸۰ء میں شہید ہوئے اور پس ماندگان میں ایسے تربیت یافتہ خلفاء چھوڑے جنہوں نے اس نہایت پرخطر دور میں ہندوستان اور عالم اسلام میں دین اور تبلیغ دین کا بیڑا اٹھائے رکھا اور مسلمانوں کے سیاسی مرکز کی تباہی کے باوجود انہوں نے ریاستوں کے حاکموں اور امراء سے تعلقات قائم کر کے انہیں مسلمانان ہند کے اصلاح احوال کی طرف توجہ دلائی حضرت میرزا مظہر کے جانشین شاہ غلام علی مجددی کے مجموعہ مکاتیب میں بادشاہ ہند محمد اکبر شاہ ثانی کے نام "امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ایک مکتوب ملتا ہے۔ ۱۵۰

حوالہ جات

۱۔ پیر محمد، حقیقت الفقراء، ص، ۲۷

۲۔ عبداللہ خویشگی، معارج الولایت، قلمی ورق، ۱۹

۳۔ نور احمد چشتی، تحقیقات چشتی، ص، ۳۰۸

۴۔ پیر محمد، حقیقت الفقراء، ص، ۴۷

۵۔ ایضاً، ص، ۵۷

۶۔ دارا شکوہ، حسنات العارفین، اردو ترجمہ، ص، ۴۶

۷۔ نور احمد چشتی، تحقیقات چشتی، ص، ۳۹

مفتی غلام سرور لاہوری حدیقۃ الاولیاء میں مرقوم ہے کہ انکا دادا کلجس رائے ہندو تھا۔ جس نے فیروز شاہ تغلق کے عہد میں اسلام قبول کیا تھا۔

۸۔ مفتی غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، ص، ۲۱۶

۹۔ نور احمد چشتی، تحقیقات چشتی، ص، ۳۱۱

۱۰۔ محمد لطیف ملک، اولیائے لاہور، ص، ۱۴۵

۱۱۔ (چندیوٹ) آجکل چنیوٹ کہلاتا ہے۔

۱۲۔ نور احمد چشتی، تحقیقات چشتی، ص، ۳۹

۱۳۔ محمد لطیف ملک، اولیائے لاہور، ص، ۱۴۵

۱۴۔ مفتی غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، ص، ۲۱۷

۱۵۔ پیر محمد، حقیقت الفقراء، ص، ۵۷۔۶۴

۱۶۔ سید ابوالحسن علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش، کشف المحجوب، مطبوعہ المعارف، ص، ۱۰۳

۱۷۔ مفتی غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، ص، ۲۱۸

۱۸۔ نظام الدین احمد، طبقات اکبری، ص، ۳۹۱

۱۹۔ پیر محمد، حقیقت الفقراء، ص، ۶۵

۲۰۔ مفتی غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، ص، ۲۱۹

۲۱۔ داراشکوہ، حسنات العارفین، ص، ۳۲

۲۲۔ ایضاً، ص، ۳۳

۲۳۔ محمد دین فوق تذکرہ مشائخ کرام، ص، ۳۵

۲۴۔ داراشکوہ، مقدمہ حسنات العارفین، ص، ۲

۲۵۔ حضرت مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، ص، ۱۸

۲۶۔ ایضاً

۲۷۔ داراشکوہ، حسنات العارفین، ص، ۴۶

۲۸۔ ایضاً، ص، ۴۷

۲۹۔ پیر محمد، حقیقت الفقراء، ص، ۱۲۳ تا ۱۲۷

۳۰۔ مفتی غلام سرور لاہور، خزینۃ الاولیاء، ص، ۲۱۹

یہ واقعہ تحقیقات چشتی، بزرگان لاہور، تاریخ لاہور میں بھی مذکور ہے۔ نور احمد چشتی، غلام دستگیر نام، دین محمد فوق

۳۱۔ پیر محمد، حقیقت الفقراء، ص، ۱۲۸۔۱۲۹

۳۲۔ نور احمد چشتی، تحقیقات چشتی، ص، ۳۲۰

۳۳۔ عبدالفتاح بدخشی، مفتاح العارفین، ص، ۲۲۹

۳۴۔ نور احمد چشتی، تحقیقات چشتی، ص، ۳۲۰

۳۵۔ داراشکوہ، حسنات العارفین، ص، ۶۲

۳۶۔ قدرت اللہ ابن عبداللہ میر کن، یادداشت عرس بزرگان لاہور، اورینٹل کالج میگزین ضمیمہ فروری ۱۹۴۷ء

۳۷۔ محمد صالح کنبوہ، عمل صالح، جلد دوم، ص، ۲۱۰

۳۸۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانشگاہ پنجاب لاہور

۳۹۔ عبدالفتاح، مفتاح العارفین، قلمی ورق ۲۲۹

۴۰۔ عبدالقادر بدایونی، نجات الرشید، ص، ۳۲۰

۴۱۔ پیر محمد، حقیقت الفقراء، ص، ۱۶۱

۴۲۔ محمد اقبال مجددی، صحیح تے مکمل کافیاں شاہ حسین رسالہ صحیفہ لاہور جولائی ۱۹۷۲ء

۴۳۔ مفتی غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، ص، ۲

۴۴۔ ڈاکٹر نذیر احمد، کلام شاہ حسین، ص ۱۱ بحوالہ
(شبد شلوک بھگتاں دے)

۴۵۔ موھن سنگھ دیوانہ، کلام شاہ حسین کافی نمبر ۵۴، کافی نمبر ۱۰۵

۴۶۔ نذیر احمد ڈاکٹر، تعارف مکمل کلام شاہ حسین، ص، ۵

۴۷۔ لاجونتی، رام کرشن، ڈاکٹر، پنجاب دے صوفی شاعر، مطبوعہ مجلس شاہ حسین لاہور، ص، ۱۲

۴۸۔ پیر محمد، حقیقت الفقراء، ص، ۸۲

۴۹۔ ایضاً

۵۰۔ ان مریدوں کا تذکرہ ہر کتاب میں دیا ہے۔ مفتی غلام سرور، خزینۃ الاصفیاء نور احمد چشتی، تحقیقات چشتی، ص، ۳۵۰، دین محمد فوق، مآثر لاہور، ص، ۱۰۳

۵۱۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد، ۷، ص، ۳۰۷

۵۲۔ پروفیسر سراج الدین آزر، خطی نسخہ معارج الولایت، کتب خانہ دانشگاہ پنجاب ورق ۵۱۹ ب

۵۳۔ نوراحمد چشتی، تحقیقات چشتی، ص، ۳۴۳

مذکور ہے کہ سجادہ نشین خانقاہ شاہ حسین کے پاس ان کی بیاض ہے۔ جس میں یہ اقوال درج ہیں۔ شاہ حسین کے تمام حالات رسالہ بہاریہ از بہار خان ار وحقیقت الفقراء مولفہ حضرت پیر محمد سن تالیف ۱۰۷۱ھ سے ماخوذ ہیں۔

۵۴۔ مفتی غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، ص، ۲۵۰

۵۵۔ نوراحمد چشتی، تحقیقات چشتی، ص، ۳۲۰

۵۶۔ مفتی غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، ص، ۲۵۱

۵۷۔ ایضاً

۵۸۔ ماخوذ حقیقت الفقراء۔ ص، ۱۲

۵۹۔ محمد لطیف ملک، اولیائے لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور

مصنف نے یہ حالات خزینۃ الاصفیاء وحدیقۃ الاولیا مفتی غلام سرور لاہوری کی مدد سے مرتب کئے۔

۶۰۔ انکا سلسلہ طریقت شاہ محمد غوث گوالیاری کے ساتھ منتہی ہوتا ہے جنکی وفات ۱۱۱۸ھ میں ہوئی۔ مفتی غلام سرور لاہوری حدیقۃ الاولیاء۔ ص، ۳۰۸

۶۱۔ مفتی غلام سرور لاہوری، حدیقۃ الاولیاء۔ ص، ۳۰۹

۶۲۔ حضرت عنایت اللہ قادری کا سن وفات ۱۱۵۸ھ ہے۔

۶۳۔ خزینۃ الاصفیاء، مفتی غلام سرور لاہور، ص ۲۱۷، اذکار نوشاہیہ، ص، ۴۸

۶۴۔ ایضاً

۶۵۔ بحوالہ سمران سنگھ، سات ستارے، ص، ۴۳

۶۶۔ بخشی رام سنگھ، موسومہ سات ستارے، ص، ۴۳

۶۷۔ مسٹر چارلس فریڈرک اسیورن، بلھا شاہ، ص، ۶۹

۶۸۔ مفتی غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، ص، ۳۱۳

۶۹۔ شہاب مسعود حسن، تاریخ اوچ، ص، ۱۰۵

۷۰۔ ڈاکٹر فقیر محمد فقیر، کلیات بلھے شاہ، شائع کردہ پنجابی اکیڈیمی لاہور، ص، ۱۴

۷۱۔ ڈاکٹر لاجونتی رام کرشنا، پنجابی صوفی پوئٹس انگریزی سال طباعت، ۱۹۴۰ء

۷۲۔ ڈاکٹر فقیر محمد فقیر، کلیات بلھے شاہ، سال طباعت ۱۹۶۰ء۔ پنجابی ادبی اکیڈیمی

۷۳۔ منشی دیوان، گنجینہ معرفت، مطبع گیان پریس گوجرانوالہ، سال طباعت ۱۸۸۶ء

۷۴۔ ڈاکٹر لاجونتی راما کرشنا، پنجابی صوفی (پوئٹس انگریزی)، سال طباعت ۱۹۴۰ء، لاہور

۷۵۔ ڈاکٹر لاجونتی کرشنا رام، پنجابی صوفی پوئٹس، لاہور، ۱۹۴۰ء، ص، ۴۱

۷۶۔ بلھے شاہ، کافیاں بلھے شاہ سن طباعت ۱۸۸۲ء، ناشر ملک ہیرا کشمیری بازار لاہور، ص، ۲۲

۷۷۔ ایضاً

۷۸۔ ایضاً

۷۹۔ اتم سنگھ (مترجم) سونگز آف بلھا (انگریزی) سال طباعت ۱۹۴۰ء، سول اینڈ ملٹری گزٹ پریس لاہور

۸۰۔ عبدالغفور قریشی، پنجاب دی کہانی، ۱۹۷۳ء، ص، ۲۷۹

۸۱۔ ایضاً

۸۲۔ بحوالہ وارث شاہ، سسی وارث شاہ مع دوھڑا جات، ص، ۱۳

۸۳۔ شریف گنجاھی، چھماھی کھوج (۱۹) ص، ۲۴، مقالہ وارث شاہ

۸۴۔ مرتب ڈاکٹر نذیر احمد، کلام بلھے شاہ، ۱۹۷۲ء، ص، ۷۳

۸۵۔ بلھے شاہ، کافیاں بلھے شاہ لاہور، ص، ۵۸، ناشر سیٹھ آدم جی عبداللہ

۸۶۔ مرتب ڈاکٹر نذیر احمد، کلام بلھے شاہ، ۱۹۷۶ء، ص، ۶۷

۸۷۔ ڈاکٹر شہباز ملک، وچار، پنجاب یونیورسٹی لاہور، ص،۴۰

۸۸۔ مرتب ڈاکٹر نذیر احمد، کلام بلھے شاہ، ۱۹۷۶ء، ص، ۶۷

۸۹۔ ڈاکٹر شہباز ملک، وچار چھمائی رسالہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

۹۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، بلھے شاہ جلد دوم، ص،۸۵۲

۹۱۔ ڈاکٹر فقیر محمد فقیر، کلیات بلھے شاہ، مطبوعہ پنجابی اکیڈمی، لاہور ۱۹۶۰ء ص، ۷

۹۲۔ فقیر محمد فقیر، ڈاکٹر، کلیات بلھے شاہ، ص، ۷

۹۳۔ مولوی محمد شفیع، میر پہلی شاہ قادری شطاری قصوری در ضمیمہ اورینٹل کالج میگزین، مئی ۱۹۳۹ء

۹۴۔ طاہر پٹنی، المغنی فی ضبط الرجال حاشیہ علی التقریب التہذیب، ص،۳۳۔

۹۵۔ حاجی خلیفہ چلپی، کشف الظنون، جلد اول، ص، ۱۷۹

۹۶۔ شیخ محمد اکرام، آب کوثر، مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ لاہور، ص، ۳۵۔

۹۷۔ ایضاً

۹۸۔ تفصیل ملاحظہ کیجئے کتاب مذکور۔ ص ۱۰۲ تا ۱۰۶

۹۹۔ سید ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت وعزیمت، مجلس نشریات اسلام کراچی، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء، حصہ ۵، ص ۵۹، ۶۰۔

۱۰۰۔ مفتی غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، ص، ۲۰۰

۱۰۱۔ مولوی ذکاء اللہ دہلوی، تاریخ ہندوستان، مطبوعہ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۱۷ء، جلد نمبر ۹، ص، ۳۲

۱۰۲۔ شاہ محمد غوث، کسب سلوک بیان حقیقت ومعرفت، ص، ۶۲

۱۰۳۔ امیر شاہ قادری، تذکرہ مشائخ قادریہ حسینیہ، ص، ۷۷۔ ۱۰۰

۱۰۴۔ ام سلمی گیلانی، شاہ محمد غوث مقالہ پی ایچ ڈی، ص ۱۷۔

۱۰۵۔ ملاحظہ کیجئے، شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قلمی کتاب "درکسب سلوک وبیان حقیقت ومعرفت"، ص، ۶۴

۱۰۶۔ ایضاً،ص،۶۵

۱۰۷۔ غلام دستگیر نامی، سوانح شاہ محمد غوث لاہوری، مطبوعہ لاہور۔ص،۲۵

۱۰۸۔ غلام کشمیری میر، خوارق ارلیعادات (۱۱۸۹ء) مملوکہ قلمی مولانا سید امیر شاہ قادری پشاور

۱۰۹۔ مفتی غلام سرور لاہوری، حدیقۃ الاولیاء۔ص،۶۶

۱۱۰۔ شاہ غلام علی دھلوی، مقامات مظہری، ص،۶۵۸

۱۱۱۔ یہ ترکستان کے ایک قبیلے کا نام ہے۔

Name of a Turkish clan, like the Uzbaks.

ابوالفضل، آئین اکبری جلد اول ص ۳۹۹

فرشتہ نے اس قبیلے کا نام خاکشال لکھا ہے۔

Briggs: History of the rise of the Muhammadan power in Indian,

7, Vol. VI, P. 585.

۱۱۲۔ قندھاری حاجی محمد عارف، تاریخ اکبری، رام پور ۱۹۶۲ء، ص ۸۶۔ص،۶۵

۱۱۳۔ صمصام الدولہ، ماثر الامراء، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۰ء، ص ۱۷۹۔۱۹۲

۱۱۴۔ ابوالفضل، اکبرنامہ، جلد سوم، کلکتہ، ص،۳۹۸

۱۱۵۔ نعیم اللہ بہرائچی، بشارات مظہریہ، ورق ۱۶

۱۱۶۔ مظہر، مکاتیب، (مکتوبات شامل مقامات مظہری) ص،۴۷،۴

۱۱۷۔ مولوی نعیم بہرائچی، معمولات مظہری، ص،۱۴

۱۱۸۔ شاہ غلام علی، مقامات مظہری، ص،۶۵۶

۱۱۹۔ امام بخش لاہوری، مراۃ الغفوریہ۔ ورق،۱۶۰ ب

۱۲۰۔ شاہ غلام علی، مقامات مظہری، ص ۶۵۸

۱۲۱۔ یہ سلسلہ طریقت اخذ کیا گیا، احمد طاہر عراقی، قدسیہ (مقدمہ و شجرہ نامہ) مطبوعہ تہران ۱۹۷۵۔

۱۲۲۔ محمد صالح کنجاھی، سلسلۃ الاولیاء (قلمی)۔ ورق نمبر ۸۳

۱۲۳۔ صمصام الدولہ شاہنواز خان، ماثر الامراء، ج ص ۸۳۹

۱۲۴۔ نعیم اللہ بہرائچی، بشارات مظہریہ قلمی، ورق ۱۹۲ ب

۱۲۵۔ شاہ غلام علی دھلوی، مقامات مظہری، ص، ۲۹۹

۱۲۶۔ ایضاً ص، ۳۰۰

۱۲۷۔ شاہ غلام علی دھلوی، مقامات مظہری، ص، ۴۷۵

۱۲۸۔ شاہ غلام علی دھلوی، رسالہ در حالات و مقامات مرزا مظہر، ص، ۲۹

۱۲۹۔ مفتی غلام سرور لاہوری، حدیقۃ الاولیاء، ص، ۱۳۲

۱۳۰۔ شاہ غلام علی، مقامات مظہری، ص، ۶۸۶

۱۳۱۔ وارد تہرانی، تاریخ نادر شاہی (نادر نامہ) مطبوعہ تہران، ۱۳۳۹، ص، ۲۴۴

۱۳۲۔ Malik Zaheer Uddin, The reign of Mohammad Shah. Aligarh, 1977.

۱۳۳ Franchklin, W. History of the reign of Shah Alam. London, 1798,p.159

۱۳۴۔ نظامی، شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، ص، ۲۸

۱۳۵۔ ایضاً، سیاسی مکتوبات (بنام آصف جاہ)۔ ص، ۱۴۳

۱۳۶۔ نعیم اللہ بہرائچی، بشارات مظہریہ۔ ورق، ۹۔ الف

۱۳۷۔ ایضاً ص، ۱۷۹

۱۳۸۔ میرزا مظہر، مکاتیب (کلمات طیبات) مکتوب نمبر ۶۵

۱۳۹۔ شیخ محمد مراد کشمیری (م ۱۱۳۱ھ/۱۷۱۸ء) "رسالہ صلح الفریقین فی منع تکفیر موحدین"۔

۱۴۰۔ شاہ ولی اللہ، مکتوبات مدنی، مطبوعہ لاہور۔

۱۴۱۔ شاہ غلام علی دہلوی، مقامات مظہری فصل خلفای حضرت مظہر، ص، ۲۱۶

۱۴۲۔ قمر الدین اورنگ آبادی، نور الظہور، مطبوعہ دکن، ص، ۱۹۶

۱۴۳۔ مظہر، مکاتیب (مشمولہ کلمات طیبات) ۶۶۔۶۷۔۶۹

۱۴۴۔ مظہر، مکاتیب (مشمولہ کلمات طیبات) ۶۶۔۶۷۔۶۹

۱۴۵۔ مظہر۔ کلمات طیبات، مطبع العلوم مراد آباد۔ ۱۳۰۸ھ۔ ص، ۴۳

۱۴۶۔ شاہ غلام علی دہلوی، مقامات مظہری، ص، ۱۵۰

۱۴۷۔ عبدالحق، اردو شاعری میں ایہام گوئی مقالہ مشمولہ مجموعہ تحقیقات علمیہ جامعہ عثمانیہ دکن، جلد دوم ۱۹۳۴ء، ص، ۱۱۸۔۱۱۹

۱۴۸۔ عبدالرزاق قریشی، میرزا مظہر اور انکا اردو کلام۔ ص، ۱۰۸

۱۴۹۔ غلام علی دہلوی، مقامات مظہر، فارسی متن، ص، ۳۸

۱۵۰۔ غلام علی دہلوی، مکاتیب شریفہ مرتبہ شاہ روف احمد مجددی، ص، ۶۰/۴۰

پانچواں باب

وحدت الوجود، اسلامی عقائد اور وحدت الوجود
مولانا جامی کی تشریح، مسئلہ وحدت الوجود اور
وحدت الشہود کے درمیان نظریاتی چپقلش

باب ۔ پنجم

مسئلہ وحدت الوجود:

العبد عبد وان تحرج، والرب رب وان تنزل (ابن عربی)

ترجمہ: بندہ جس قدر عروج کرے بندہ رہتا ہے اور حق تعالیٰ جس قدر نزول فرمائے حق رہتا ہے۔

اسلامی عقائد اور وحدت الوجود:

اسلامی عقائد کی رو سے نظریہ وحدت الوجود میں بھی خدا ایک ہے۔ اسلامی عقائد کی رو سے خدا ہر جگہ موجود ہے نظریہ وحدت الوجود کی رو سے بھی خدا ہر جگہ موجود ہے۔ وحدت الوجود کی رو سے بھی خداوند تعالیٰ جہت و سمت سے پاک اور منزہ ہے۔ اسلامی عقائد کی رو سے خدا تعالیٰ لامحدود ہے۔ ا

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلوی (م ۱۷۶۲ء) نے اپنی تصنیف انفاس العارفین میں لکھا ہے کہ اگر اشیائے عالم کا وجود حق کے وجود سے الگ مانا جائے تو خداوند تعالیٰ پر محدودیت لازم آتی ہے جو کفر ہے۔ اس لئے تمام اولیائے کرام خواہ ابن عربی ہوں، یا حضرت مجدد الف ثانی امام غزالی ہوں یا مولانا روم، جنید بغدادی ہوں یا حضرت سید علی ہجویری تمام حضرات کائنات کے وجود وھمی، خیالی، اعتباری اور اضافی کہتے آئے۔ ۲

مولانا جامی کی تصریح :

حضرت مولانا اجامی نقشبندی نے لوائح جامی کے لائحہ انیس میں وحدت الوجود کی یوں صراحت فرمائی۔

" کثرت اشیاء عالم کا ذات حق میں شامل ھونا ایسا نہیں ھے جیسا کہ ایک جز وکل میں شامل ھوتا ھے۔ بلکہ ذات حق میں اشیائے عالم کا شمول اس نوعیت کا ھے کہ جیسے صفت کا موصوف اور لازم کا ملزوم ھیں۔ جیسا کہ نصف اور تہائی ایک میں شامل ھیں۔ اس سے معلوم ھوا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کا تمام کائنات پر احاطہ ایسا احاطہ ھے جیسا ملزوم کا لوازم پر اور موصوف کا اوصاف پر ھے "۔۳

مولانا اشرف علی چشتی تھانوی اور وحدت الوجود :

حلقہ دیوبند کے مولانا اشرف علی تھانوی جیسے متشرع عالم جو بریلوی حلقوں میں وہابی مشہور ھیں، وہ بھی وحدت الوجود کے قائل ھیں۔ انہوں نے اپنی کتاب علم وعمل میں آیۂ ومن الناس من یستری کی تفسیر میں لکھا ھے۔

"تصوف کے چاروں مقام اس آیت میں مذکور ہیں۔ مقام فنا، مقام بقا، مقام رضا، مقام محبوبیت یہ وھی آیت ھے جسکو لوگ روزمرہ پڑھتے ھیں اور اھل علم بھی برابر پڑھتے ھیں۔ مگر کبھی اسکی طرف خیال نہیں جاتا۔ کہ اس میں کتنا تصوف ھے۔ اسکا علم صحبت شیخ سے ھوتا ھے۔ ۴

مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے ھمہ اوست (وحدت الوجود) کی یون صراحت فرمائی۔

ھمہ اوست کی لوگوں نے یہ ھمہ اوست کے معنی ھیں کہ سب کچھ خدا ھے۔ دراصل اس کے معنی یہ ھیں کہ خدا کے سوا کچھ نہیں۔ اور دونوں میں وآسمان کا فرق ھے۔ ۵

محی الدین اکبر ابن عربی (۶۳۸ھ/۱۲۴۱ء) نظریہ وحدت الوجود کے بانی:

محمد علی بن احمد بن عبداللہ نام ابوبکر کنیت لقب محی الدین، ابن عربی کے نام سے مغرب ومشرق میں امتیاز حاصل ھے۔ ٦

ابن عربی کا مسلک اور مذھب جس مرکز کا تابع تھا اور جس محور پر گردش کررھا تھا۔ وہ وحدت الوجود کا

مسلہ تھا۔ اس مسلک میں فقہا نے محسوس کیا کہ یہ اسلامی تعلیمات کے منافی ھے چنانچہ ابن عربی کی کتابوں کے خلاف فقہاء نے بہت زیادہ شورش کی ان کے خلاف کفر وضلال کے فتوے جاری کئے۔لیکن جو لوگ ابن عربی کی شخصیت اور مسلک سے متاثر تھے ان میں عبدالحق محدث دھلوی جیسے لوگ بھی شامل ہیں۔

ابن عربی کے مذہبی افکار میں فلسفہ کی کافی آمیزش تھی اس بناء پر فقہا کی بارگاہ میں وہ معتوب تھے۔ان کا اصل مسلک وحدت الوجود تھا۔

ابن عربی کا خیال تھا وجود واحد ہے اور مخلوقات کا وجد عین وجود خالق ہے۔حقیقت کے اعتبار سے خالق اور مخلوق میں کوئی فرق نہیں ہے۔جو شخص خالق اور مخلوق کے وجد میں امتیاز کا قائل ہے، ابن عربی کی نظر میں وہ ادراک حقیقت سے ناآشنا ہے جو خود اس کی ذات کے اندر موجود ہے۔ ۷

وحدت الوجود کے سلسلہ میں ابن عربی کے دو نظریات ہیں۔

۱۔ حقیقت محمدیہ ۲۔ وحدت ادیان

حقیقت محمدیہ کے بارے میں ابن عربی دو لفظ استعمال کرتے ہیں کبھی قطب اور کبھی روح خاتم۔ان کے نزدیک کمالات علمیہ اور عملیہ کا یہ قدیم ترین منبع ہے۔

وحدت ادیان کے بارے میں ابن عربی کا نظریہ یہ ہے کہ تمام مذاہب کا اصل وحقیقت ایک ہے اور یہ بالکل وہی مسلک ہے جو حلاج کا تھا۔جب ہر دین کا مقصد اور منتہا ذات الٰہی ہے تو پھر اسکی حقیقت بھی ایک ہے۔ ۸

یہاں اس امر کی نشاندہی بھی ضروری ہے کہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے نزدیک وحدت الوجود کا مسئلہ نہایت اہم ہے جو کہ ان کے مذہب کی ترجمانی کرتا ہے۔ان کا تمام فکر اسی مسئلے پر مرکوز ہے" کہ حقیقت وجود نگاہ اصلی اور جوہر کے اعتبار سے متعدد ہے اور یہ حقیقت قدیم اور ازلی ہے کسی وقت تغیر نہین جب اسکی ذات کی حقیقت پر نگاہ کرتے ہو اسے حق کہتے ہو۔اور اگر اسماء کی صفات کو دیکھتے ہو یعنی اس حقیقت کو ممکن اور ممکنات میں ظہور کی حیثیت سے مشاہدہ کرتے ہو تو وہ خلق اور عالم ہے۔وہی ایک حقیقت ہے کہ جو کہ حق ہے وہ قدیم بھی ہے حارث

بھی اول بھی آخر بھی اور باطن بھی۔۹

وحدت الوجود کی زیادہ بحث حضرت اشرف جہانگیر سمنانی (م ۱۴۰۵ء) کے یہاں ملتی ہے۔ان کے نزدیک ہمہ اوست ہی حقیقی توحید ہے۔اس مسئلہ پر اس دور میں جتنی بحثیں ہوئی،ان میں شریعت کا دامن کسی حال میں نہیں چھوڑا گیا۔

حضرت مجدد الف ثانی ایک برگزیدہ عالم بھی تھے اور عارف باللہ بھی اس لئے انہوں نے وحدت الوجد کے منکر ہونے کی بجائے اسکے فلسفہ میں بڑی وضاحت کی۔انہوں نے خود راہ سلوک کی تمام منزلوں کو طے کیا جہاں عام صوفیوں کو خیال بھی نہیں آیا۔اور اپنے مکاشفات کی بناء پر یہ بتایا کہ جس مقام پر جا کر صوفیوں کو وحدت الوجود محسوس ہوئی ہے۔وہ سلوک کی منزل نہیں بلکہ درمیانی منزلوں کی واردات ہیں۔جہاں سالک کو محسوس ہوتا ہے کہ وجود ایک ہی ہے کہ وحدت محض شہود ہے۔اس وحدت شہود کے بعد عبدیت کا مقام آتا ہے جہاں پہنچ کر خالق کائنات کی جداگانہ حقیقتیں روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہیں۔اس لئے مقام عبدیت اور ایمان بالغیب دونوں حضرت مجدد کے ہاں ایک ہی ہیں۔۱۰

وحدت الشہود:

وحدت الوجود کی حقیقت جاننے کے بعد یہ ضروری ہے کہ وحدت الشہود کو بھی بیان کیا جائے۔حضرت مجدد الف ثانی پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے وحدت الشہود یا ہمہ از اوست کا نظریہ قائم فرمایا۔آپ نے مکتوبات شریف اور دیگر تصانیف میں یہ واضح طور پر فرمادیا کہ وحدت الوجود کا تعلق علم الیقین سے ہے اور وحدت الشہود کا تعلق عین الیقین سے ہے۔

ایمان اور یقین کے اس درجے کو ایمان تقلید بھی کہا جاتا ہے کچھ مورخین کا کہنا ہے کہ نظریہ وحدت الوجود کو مٹانے کے لئے حضرت مجدد الف ثانی نے نظریہ وحدت الشہود نکالا۔۱۱ درحقیقت حضرت مجدد الف ثانی نے وحدت الوجود کو مٹایا نہیں بلکہ اسکی مزید تحقیق پہلے سے زیادہ بلند مقامات پر پہنچ کر فرمائی اور علم الیقین کی بجائے

عین الیقین سے اسکا مشاہدہ کیا۔ دوسری بات یہ کہ حضرت مجدد الف ثانی کی پہلی بیعت سلسلہ سے اسکا مشاہدہ کیا۔ دوسری بات یہ کہ حضرت مجدد الف ثانی کی پہلی بیعت سلسلہ چشتیہ میں اپنے والد ماجد حضرت شیخ عبدالاحد کے ہاتھ پر ہوئی۔ جس کا مسلک وحدت الوجود تھا جیسا کہ آپ نے اپنے مکتوب نمبر ۳۱ دفتر اول حصہ اول بنام شیخ صوفی میں تحریر فرمایا ہے۔۱۲

مخدوم ومکرم۔ کم عمری کے زمانہ میں فقیر کا اعتقاد بھی توحید وجودی والوں کے مشرب جیسا تھا۔ فقیر کے والد قدس سرہ بھی بظاہر اسی مشرب پر تھے اور باطن کی پوری نگرانی کے باوجود بے کیفی کے مرتبہ پر رکھتے تھے۔ ہمیشہ اسی طرقہ کے مطابق مشغول رہے اور فقہیہ کا بیٹا بھی نقف فقہیہ کے مطابق اس مشرب سے از روئے علم حظ وافر اور لذت عظیم رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے ارشاد پناہ وحقائق ومصارف آگاہ دین کے موید ہمارے شیخ ومولا اور قبلہ محمد الباقی باللہ قدس اللہ تعالیٰ سرہ کی خدمت میں پہنچا دیا۔ آپ نے فقیر کو طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی تعلیم فرمائی اور اس فقیر کے حال پر توجہ بلیغ مبذول فرمائی اس طریقہ عالیہ میں محنت کرنے کے بعد تھوڑی مدت میں توحیدی وجودی اور اس کشف میں غلو پیدا ہو گیا اور اس مقام کے علوم ومعارف کثرت سے ظاہر فرمائے گئے اور اس مرتبے کی باریکیوں میں کوئی کم ہی باریکی ہوگی جو اچانک حق سبحانہ تعالیٰ کی عنایت سے وہ علوم جو اتحاد اور وحدت وجود کی حبر دیتے تھے وائل ہونا شروع ہو گئے۔۱۳ حضرت مجدد الف ثانی نے وحدت الوجود کو خلاف شرع قرار دے کر توحید شہودی کی تبلیغ کی ہے۔۱۴

اپنے اس مکتوب میں انہوں نے تحریر کیا۔ "جن احوال پوشیدہ رکھنا چاہتے ان کے ظاہر کرنے سے مقصود ہے کہ اگر اس فقیر نے وحدت الوجود کو قبول کیا تھا تو وہ کشف کی بناء پر تھا۔ تقلید کی بنا پر نہیں تھا۔ اگر آپ اسکا انکار کر رہا ہوں تو وہ بھی الہام کے باعث اور الہام انکار کی گنجائش نہیں رکھتا۔ اگر چہ دوسرے کے لئے حجت بھی نہیں ہے۔۱۵ مکتوب نمبر ۲۷۲ مین وحدت الوجود کی توضیح اور اس میں شیخ اکبر وغیرہ کے اور اپنے نظریہ کے اختلاف کی توضیح فرمانے کے بعد مکتوب گرامی کو ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں"۔ پس حق تعالیٰ کو اس دنیا سے کوئی مناسبت نہیں اللہ تعالیٰ تو تمام عالم سے بے نیاز ہے اسکو عالم کے عین اور متحد کہنا بلکہ کوئی بھی نسبت بھی دنیا اسفقیر پر سخت گراں

ہے۔ "سبحان ربک رب العزت عما یصفعون۔ ۱۶

(۱۱۵۴ھ/۱۷۷۵ء)

شاہ محمد غوث/ اور مسئلہ وحدت الوجود

گیارہویں صدی ھجری میں مسلمان حکمرانون کی بے جاروا داری کے باعث مسلمانوں کی زندگی کے مختلف شعبوں میں ہندو تصوف یعنی ویدانت کے اثرات پیدا ہو چکے تھے۔ عوام الناس نفسانی خواہشات میں متفرق بداعمالیوں کا شکار ہو چکے تھے۔ چنانچہ شاہ محمد غوث نے مسئلہ وحدت الوجود کا صحیح مفہوم بیان کیا تا کہ وہ غلط نظریات جو رونما ہو چکے تھے انکا ازالہ قرآن وسنت کی روشنی میں ہو جائے۔

اسی لئے آپ نے لکھا:

"اکثر مشائخ صوفیاء وحدت الوجود کے قائل ہیں اوران کے اس قول پر بہت سے مشتبہ سوالات پیدا ہوء۔ اس لئے یہ بات ضروری ٹھہری کہ ان مشتبہ سوالات شریعت محمدی کے موافق بیان کیا جائے۔ سیدنا شاہ محمد غوث مسئلہ وحدت الوجود پر اس طرح بحث کرتے ہیں"۔

"جب سالک کی نظر میں سوائے حق تعالٰی کے سب غیر حق معدوم ہو جائے اور حق تعالٰی بندے کو اپنی ذات میں محو کر دے اور اپنے آپ میں باقی کر دے باس وقت تک سارک کی نظر میں سوائے حق تعالٰی کے سب کچھ مطلقاً محو ہو جاتا ہے اور جو کچھ بھی اس سالک کو نظر آتا ہے اسی نور کی تجلیات ہوتی ہیں۔ سالک اس مقام پر سوائے واحد حقیقی کے اور کوئی چیز نہیں دیکھ پاتا۔ ۱۷

دارا شکوہ اور مسئلہ وحدت الوجود:

سترہویں صدی میں شیخ احمد سرھندی کے افکار اور احیائے دین کی جدوجہد کا گرمجوشی سے استقبال کیا تھا۔ فلسفہ وحدت الوجود کی اشاعت سے عملی طور پر مسلم حکمران طبقے کی امتیازی حیثیت خطرے میں پڑ گئی۔ چنانچہ اکبری

عہد کے آخری ایام میں حکمران طبقے میں راسخ الاعتقادی کے احیاء کی ضرورت کا احساس شدت اختیار کر گیا۔ ۱۸

یوں راسخ الاعتقادیت کے حامی امراء کا ایک مضبوط گروہ وجود میں آ گیا۔ خواجہ باقی باللہ کی وفات کے بعد شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور شیخ احمد سرہندی کے اس گروہ سے قریبی تعلقات موجدر ہے۔ جہانگیر کی تخت نشینی کے وقت یہ گروہ اس قدر طاقتور ہو چکا تھا۔ کہ اس نے نئے حکمران اعلیٰ سے شریعت کی پابندی اور اکبر کے معطل کردہ اسلامی اداروں کی بحالی کا عہد لیا۔ ۱۹

شاہ جہاں کے زمانے میں مسلم اشرافیہ داراشکوہ کی صورت میں روشن خیالی کے فروغ کے پرانے خطرے کے از سر نو اور زیادہ شدت سے پیدا ہونے کے آثار نظر آنے لگے چنانچہ حکمران طبقے کو خیال تھا کہ داراشکوہ کی کامیابی سے راسخ الاعتقادی کے مفادات کو شدید نقصان پہنچے گا۔ ۲۰ اس صورت حال سے عہدہ براہونے کے لئے عقیدہ برست امراء نے اپنی تمام امیدیں اورنگ ذیب عالمگیر سے وابستہ کر دی تھیں۔ وہ ابتداء ہی سے شیخ سرہندی کے خیالات کے زیر اثر تھا۔ ۲۱ وہ شیخ کے صاجزادے اور جانشین خواجہ محمد معصوم سے گہری عقیدت رکھتا تھا۔ ۲۲

اورنگ ذیب عالمگیر سرہند سے گزرتے ہوئے خواجہ محمد معصوم سے ملنا ضرری خیال کرتے تھے۔ ۲۳ یہی وجہ ہے کہ جب شاہ جہان کے بیٹوں کے دریان تخت نشینی کی جنگ شروع ہوئی تو اکثر عقیدت پرست امراء نے اورنگ زیب عالمگیر کا ساتھ دیا۔ ۲۴ داراشکو اور اورنگ زیب کے درمیان صرف تخت کے حصول کی کشمکش نہ تھی۔ یہ ترکیبی تحلیلی کائناتی نقطہ نظر فلسفہ وحدت الوجود اور فلسفہ وحدت الشہود، روشن خیالی اور راسخ الاعتقادی کے درمیان جنگ تھی جس میں فتح راسخ الاعتقادی کو ہوئی اور داراشکوہ کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے۔

سفینۃ الاولیاء کی تصنیف کے بعد دارا ہمہ تن کتب تصوف کے مطالعہ میں مشغول ہو گیا۔ ۱۰۴۰ھ/۱۶۷۰ء میں اسکا یہ شوق خضر راہ بن کر اسے حضرت میاں میر کے خلیفہ حضرت ملاشاہ بدخشی کے آستانے پر لے گیا اور داراشکوہ نے ان کی روحانیت سے متاثر ہو کر سلسلہ قادریہ میں بیعت کر لی۔ داراشکوہ نے جادہ ءتصوف پر گامزن ہوتے ہی مقامات سلوک طے کرنے شروع کر دیئے۔ وہ اپنی تصنیف سکینۃ الاولیاء میں رقمطراز ہے کہ "جتنے

مقامات ایک سالک ایک ماہ مین طے کرتا ہے۔ وہ اس نے ایک ہی شب میں طے کر لئے۔ ۲۵

ملا شاہ بدخشی کی بیعت کے بعد دارا وحدت الوجود سے روشناس ہوا اور اس نے اس دور کے نامور وحدت الوجودی صوفیاء مثلاً سرمد (م ۱۶۴۵ء/۱۰۲۳ھ) شاہ دلربا اور محب اللہ الہ آبادی (م ۱۶۴۸ء/۱۰۵۸ھ) سے تعلقات قائم کر لئے۔ اسکے مصاحبین نے اسے یہ باور کرادیا کہ وہ "خدا آگاہ" ہے۔ ۲۶ اسکی بہن جہان آرا بیگم نے "مونس الارواح" کے نام سے ایک کتاب لکھی جسکے آغاز میں وہ دارا شکوہ کو "صاحب باطن وظاہر" کے لقب سے یاد کرتی ہے۔ ۲۷ رسالہ حق نما دارا شکوہ کی تیسری تصنیف ہے جسکے دیباچہ میں دارا شکوہ نے لکھا ہے کہ خاد تک پہنچنے کا بہترین ذریعہ قادریہ سلسلہ ہے۔ دارا شکوہ چونکہ مسئلہ وحدت الوجود کا قائل تھا اس لئے اسکی کتاب میں فتوحات مکیہ، فصوص الحکم، لوائح اور لمعات کے حوالے عام ملتے ہیں۔ ۲۸

المختصر وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے دونوں فلسفے ذات باری تعالیٰ اور مخلوقات کے تعلقات کو بیان کر تے ہیں۔ ان کے مطالب کے لحاظ سے انہیں توحید عینی اور توحید ظلّی بھی کہہ سکتے ہیں تصوف کی ایک مشہور کتاب تذکرہ غوثیہ میں دونوں کا فرق اس طرح بیان کیا ہے۔

دارا شکوہ نے توحید وجودی کو دوسرے رنگ میں پیش کرنا شروع کر دیا اور اپنے رسالہ حسنات العارفین میں یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ توحید معرفت کے منازل و مدارج میں ایک مقام ایسا بھی آتا ہے جب سالک شریعت کلر و ایمان خیر و شر عبد اور معبود سے بالکل بے نیاز ہو جاتا ہے اور اسکی زبان بے خودی میں ایسے کلمات نکلتے ہیں جو بظاہر جذب و ایمان کے منافی ہوتے ہیں۔ لیکن وہ قابل مواخدہ نہیں۔ وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ خود اسکی زبان سے شطیات صادر ہوتے ہیں۔ ۲۹

جب دادا شکوہ نے مجمع البحرین لکھی تو علماء کے حلقے میں ہلچل مچ گئی۔ اسی حقانیت کی تلاش مین دارا نے اپنشد کا فارسی میں ترجمہ کیا اور اپنے مذھبی خیالات مسلمانوں کی نظریں اورنگ ذیب کی طرف اٹھیں۔ جو حضرت مجدد الف ثانی کی تعلیمات سے متاثر تھا۔ اور شریعت کا پابند ہونے کی امکانی کوشش کرتا اور وہ مسلمانوں کا ہیرو بن گیا جب وہ دکن سے جنگ تخت نشینی کے لئے روانہ ہوا تو حضرت شیخ برہان کی خدمت میں برہان پور حاضر ہوا۔ ۳۰

تو حضرت شیخ برہان بادشاہ اور امراء نے ملنا پسند نہ کرتے تھے۔ اس لئے اورنگ ذیب پہلے بھیس بدل کران کی مجلس میں شریک ہوا۔ ایک نو وارد کو دیکھ کر شیخ برہان راز الٰہی نے اسکا نام پوچھا۔ اس نے نام بتایا تو وہ اسکی طرف مخاطب نہیں ہوئے لیکن وہ دوسرے دن پھران کی خانقاہ میں پہنچا۔ شیخ برہان نے اپنی آزردگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا" یہ مکان تم کو پسند ہے تو لے لو ہم کسی اور جگہ چلے جائیں گے۔ مگر تیسرے دن اورنگ ذیب پھران کے پاس گیا۔ وہ نماز کے لئے اپنے خانقاہ سے باہر نکل رہے تھے کہ اورنگ ذیب ان کے سامنے مودبانہ کھڑا ہو گیا اور عرض کی کہ دارا نے شریعت کو نظر انداز کر رکھا ہے اگر مجھ کو حکومت ملی تو دین نبوی کے احکام کے ساتھ رعیت پروری بھی کرونگا آپ باطنی توجہ فرمائیں۔ شیخ برہان نے فوراً کہا ہمارے جیسے کم اعتبار فقیروں کی دعا سے کیا ہوتا ہے۔ تم بادشاہ ہو۔ نیکی، عدل پروری، رعیت نوازی کی نیت کے ساتھ دعا کرو، ہم بھی دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ اسی وقت اورنگ ذیب کے ساتھی شیخ نظام نے اورنگ ذیب سے کہا بادشاہی مبارک ہو۔ ۳۱

اورنگ ذیب وحدت الشہود کا قائل تھا۔ اس لئے دارا کے مقابلے میں سنّی مسلمانوں نے اسکی حمایت کی۔ حضرت مجدد الف ثانی نے نہ صرف اپنے زمانے میں ابن عربی کے نظریہ وحدت الوجود کو رد کر دیا بلکہ وجودی فلسفے کو یکسر بدل ڈالا۔ وحدت الشہود کا فلسفہ جو حضرت مجدد الف ثانی نے پیش کیا اورنگ ذیب اس فلسفے کا قائل تھا۔ ۳۲

<u>حضرت مرزا مظہر جان جاناں اور مسئلہ وحدت الوجود:</u>

حضرت مظہر کے مکتوبات وملفوظات ان کی تعلیمات اور ساری زندگی کے تجربات کا نچوڑ ہیں۔ مسئلہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود دونوں افکار کی انہوں نے اپنے مکتوبات میں جس طرح تشریحات کی ہین۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اس دور کے اہم ترین مسائل تھے۔ حضرت مظہر نے اپنے مکتوبات میں وضاحت کی کہ وحدت الوجود محض ایک کشفی مسئلہ ہے۔ ضروریات دین میں سے نہیں اور اس میں الجھنے کی ممانعت فرمائی۔

اس دور میں مسئلہ پر دو گروہ باقاعدہ متحارب رہنے لگے۔ اس قضا کو درست کرنے کر لئے کئی کتابیں لکھی

گئیں۔ مشہور نقشبندی عالم شیخ محمد مراد کشمیری نے ایک مستقل رسالہ لکھ کر دونوں فریقین کو ایک دوسرے کی تکفیر سے منع کیا۔۳۳

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ان دونوں نظریات کی ایک دوسرے سے مطابقت کرنے کی کوشش کی۔۳۴ حضرت مظہر اور دیگر بزرگ اسے محض لفظی فرق تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ چنانچہ حضرت مظہر نے اپنے ایک فاضل خلیفہ مولانا یحیی بہاری سے اس انطباق کے خلاف ایک مستقل رسالہ کلمات الحق لکھوایا اور اس رسالے پر خود ایک تقریظ لکھی۔۳۵ اس علاوہ انہوں نے شیخ قمر الدین اورنگ آبادی سے بھی اس موضوع پر ایک رسالہ لکھوایا جسکا نام مظہر النور ہے۔۳۶ اس رسالے کی ایک شرح سید نور الہدی بن قمر الدین مذکور نے لکھی تھی۔ رد و قبول کا یہ سلسلہ اٹھارویں صدی کے آخر تک چلتا رہا۔ ملا بحر العلوم کے رسالہ وحدت الوجود (۱۷۴۹ء سے لیکر شاہ عبدالعزیز کے رسالہ ۱۸۲۰ء) تک اس سلسلے کی کڑیاں ملتی ہیں۔

حضرت مظہر جان جانان نے اپنے مکتوبات میں وضاحت کی کہ یہ محض ایک کشفی مسئلہ ہے ضروریات دین میں سے نہیں ہے اور اس میں الجھنے کی ممانعت فرمائی۔۳۷

المختصر وجود یعنی ہستی حقیقی واحد ہے۔ لیکن ایک ظاہر موجود ہے۔ اور ایک باطن۔ باطن وجود ایک نور ہے جو جملہ عالم کے لئے بمنزلہ ایک جان ہے۔ اس نور باطن کا پرتو ظاہر وجود ہے جو ممکنات کی صورت میں نظر آتا ہے۔ ہر اسم وصفت و فعل کہ عالم ظاہر میں ہے۔ ان سب کی اصل وہی وصف باطن ہے اور حقیقت اس کثرت کی وہی وحدت ہے۔ جیسے امواج کی حقیقت عین ذات دریا ہے۔ حاصل یہ کہ جملہ افراد کائنات تجلیات حق ہیں۔ سبحان الذی خلق الاشیاء وہو عنھا۔ اور اس کثرت اعتباری کا وجود اسی وحدت حقیقی سے ہے۔ "الحق محسوس والخلق معقول"۔

یہ خلاصہ وحدت الوجود کا بیان ہے اور وحدت الشہود کا بیان یہ ہے کہ وجود کائنات اور ظہور آثار و صفات واحد مطلق کی ذات کا ظل و عکس ہے جو عدم میں منعکس ہو رہا ہے۔۳۸

حضرت مظہر جان جانان نے اپنے مکتوبات میں وضاحت کی کہ یہ محض ایک کشفی مسئلہ ہے ضروریات دین میں سے نہیں اور اس میں الجھنے کی ممانعت فرمائی۔

حوالہ جات

۱۔ مولانا الحاج واحد بخش سیال چشتی صابری، وحدت الوجود وحدت الشہود۔ ص۔۵۲۔

۲۔ شاہ ولی اللہ، انفاس العافین، ص، ۴۰۴۔

۳۔ مولانا جامی، لوائح جامی، ص، ۲۲۔

۴۔ الحاج واحد بخش سیال چشتی، وحدت الوجود وحدت الشہود، ص، ۵۸

۵۔ مولانا اشرف علی تھانوی، امداد المشتاق (شرح شائم امدادیہ)۔ ص، ۴۰

۶۔ رئیس احمد جعفروی ندوی، انوار اولیاء کامل۔ ص، ۲۸۰

۷۔ رئیس احمد جعفری، انوار اولیاء کامل، ص ۲۸۳۔

۸۔ ایضاً

۹۔ ڈاکٹر ابو العلای عفیفی، مقدمہ فصوص الحکم ابن عربی، طبع قاہرہ، ص، ۲۴۔

۱۰۔ صباح الدین عبدالرحمٰن، ہندوستان کے سلاطین علماء و مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر، ص، ۲۷۳۔

۱۱۔ مولانہ الحاج واحد بخش سیال چشتی صابری، وحدت الوجود وحدت الشہود، ص، ۸۲۔

۱۲۔ حضرت مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی (اردو) دفتر اول، مکتوب نمبر۲۲، ص، ۱۱۰۔

۱۳۔ شیخ احمد سرہندی، مکتوبات امام ربانی، دفتر اول/مکتوب نمبر۲۲ ص، ۱۱۱۔

۱۴۔ Burhan Ahmed Farooqi, The Mujaddid's conceptionof Tawhid.p.109.

۱۵۔ شیخ احمد سرہندی، مکتوبات امام ربانی دفتر، مکتوب نمبر۲۲، ص، ۱۱۰۔

۱۶۔ محمد منظور نعمانی، تذکرہ امام ربانی، ص، ۲۳۷۔

۱۷۔ شاہ محمد غوث، اسرار التوحید (قلمی)، ص،۳۔

۱۸۔ قاضی جاوید، برصغیر مین مسلم فکر کا ارتقاء، ق۔۱۸۱۔

۱۹۔ The Cambridge History of India.Vol.IV,p.152.

۲۰۔ مولانہ شبلی نعمانی، مقالات شبلی، ج ۷، ص،۱۰۱۔

۲۱۔ قاضی جاوید، برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء۔ص۔۱۹۱۔

۲۲۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ، ص۔۲۰۰

۲۳۔ پروفیسر محمد اسلم۔تاریخی مقالات۔ص۔۲۲۹۔

۲۴۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ، ص۔۲۰۵

۲۵۔ داراشکوہ،س کینتہ الاولیاء، ص،۴، پروفیسر محمد اسلم، سرمایہ عمر، ص ۱۷۶،حوالہ جات اسی کتاب سے لئے ہیں۔

۲۶۔ جوگ پشثٹ، مخطوطہ انڈیا آفس لائبریری لندن، ص،۱۲الف۔

۲۷۔ جہاں آرا، مونس الارواح، ورق ۶ الف۔

۲۸۔ محفوظ الحق Tr. of the Majma ul Behren مطبوعہ کلکتہ،۱۹۲۹ء، ص۔۹۔

۲۹۔ داراشکوہ، سفینۃ الاولیاء، ص،۷۸۔

۳۰۔ مطیع اللہ راشدی، برہان پور کے سندھی اولیاء۔ص۔۱۰۲۔

۳۱۔ صباح الدین عبدالرحمٰن، ہندوستان کے سلاطین علماء مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر، ص،۱۹۹۔

۳۲۔ قاضی جاوید، برصغیر میں مسلم کا ارتقاء۔ص،۶۸۔

۳۳۔ شیخ محمد مراد کشمیری (م ۱۱۳۱ھ/ ۱۷۱۸ء "رسالہ صلح الفریقین فی منع تکفیر موحدین"۔

۳۴۔ شاہ ولی اللہ، مکتوبات مدنی، مطبوعہ لاہور۔

۳۵۔ شاہ غلام علی دہلوی، مقامات مظہری فصل خلفای حضرت مظہر۔ص ۴۱۶۔

۳۶۔ قمرالدین اورنگ آبادی، نورالظہور، مطبوعہ دکن۔ ص،۱۹۶۔

۳۷۔ نظام الملک، مناقب فخریہ، ص،۲۲۔

۳۸۔ شیخ محمد اکرام، رود کوثر، ص،۳۱۱

حاصل کلام

حاصل کلام

امابعد

جب سے انسان دنیا میں آباد ہوا تب سے اسکی اصلاح وہدایت کے لئے دوطرح کے قوانین جاری ہیں۔ ظاہری قوانین نے اعمال ظاہر کو متوازن اور معتدل بنانے کا کام کیا اور باطنی ہدایات نے انسان کی ایسی تربیت کی کہ وہ رشد وہدایت کی راہ پر گامزن رہنا اپنا فرض سمجھنے لگا اور بڑھتے بڑھتے پیکر رشد وہدایت بن گیا۔

تمام رشد وہدایت کا مرکز اللہ تعالیٰ ہے اس لئے باطنی ہدایت یعنی تصوف کا آغاز وانجام ہمیشہ توحید ہی رہا۔ اللہ تعالیٰ نے کتاب وسنت سے ان ہدایات کی نشان دھی فرمائی اور امت میں سے ایک گروہ کو اسی منصب سے سرفراز فرمایا۔

اسلامی تصوف کے ماضی پر اگر نگاہ ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پہلی صدی کے آخر میں اس کی ابتدا ہوئی ہے جب بنوامیہ کے مظالم اپنی انتہا پر پہنچتے ہیں تو اس وقت صوفیائے کرام کا پہلا طبقہ وجود میں آیا۔ طبقہ اول کے صوفیاء میں حضرت حسنؒ بصری، حبیب عجمیؒ، حضرت فضیل بن عیاضؒ اور حضرت ابراہیمؒ ادھم جیسے بزرگ مشہور ہوئے۔ زمانے نے کروٹ لی تو بنوعباس کے دور میں صوفیائے کرام کا دوسرا طبقہ وجود میں آیا۔ جس میں حضرت بایزید بسطامیؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت معروف کرخیؒ اور حضرت فریدالدین عطارؒ جیسے بلند پایہ بزرگ شامل ہیں۔ اس طرح صدیاں گزرتی رہیں اور مختلف صوفیائے کرام کے گروہ پیدا ہوتے رہے۔

تیرھویں صدی عیسوی میں اسلامی تصوف کی تحریک عالمگیر بن چکی تھی۔ اس صدی میں صوفیائے کرام نے اپنی خانقاہیں قائم کر کے رشد وہدایت کے چراغ روشن کئے جس سے جدا جدا مسلک ظہور میں آ گئے تاہم سب کا بنیادی مقصد ایک ہی ہے جس سے ان بزرگوں کے مقامات اور درجات میں فرق نہیں پڑتا۔

تصوف اور صوفی کا لفظ آج کل کی مدیت گزیدہ اور مادیت پرست دنیا کے لئے کچھ اجنبی انوکھا اور نامانوس سا بن گیا ہے جہاں تک تصوف کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو حقیقی تصوف مذہب کی اصل روح اخلاقیات کی جان

اور ایمان کا کمال ہے اور اسکی اساس شریعت اور اسکا سر چشمہ قرآن وحدیث ہے اس لئے نسل نو کو گمراہی سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ صوفی اور تصوف کی حقیقت بیان کی جائے۔ انہی صوفیا کی بے لوث کاوشوں سے دنیا میں اسلام پھیلا قوموں اور ملکوں کے مقدر سنور گئے اس چیز کا اعتراف بیگانون نے بھی کیا۔

<u>بقول پروفیسر ھٹی:</u>

"اکثر ایسا ہوا کہ سیاسی اسلام کے تاریک ترین لمحات میں دین اسلام نے بعض نہایت شاندار کامیابیاں حاصل کیں گو اسلام کو سیاسی زوال تو کئی بار ہوا لیکن روحانی اسلام میں ترقی کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا۔

تاریخ اسلام میں بے شمار مواقع ایسے آئے کہ اسلام کے کلچر کا شدت سے مقابلہ کیا گیا لیکن وہ مغلوب نہ ہو سکا اسکی بڑی وجہ یہ ہے کہ تصوف یا صوفیاء کا انداز فکر فوراً اسکی مدد کو آجاتا اور اسے اتنی قوت وتوانائی بخش دیتا کہ کوئی طاقت اسکا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔

زندگی انفرادی ہو یا اجتماعی اس میں تعمیر شخصیت اور تربیت سیرت انسانی اعمال میں سب سے کٹھن اور سب سے اہم کا ہے۔ اس دشوار کام کو صوفیائے کرام نے جس حسن وخوبی سے انجام دیا ہے اسکی مثال تاریخ میں تلاش نہیں کی جا سکتی۔

دور جدید سراسر مادیت پرستی کا دور ہے ہر شخص مادی لذتوں، مسرتوں تفرقوں اور اقتدار ومنصب کے حصول کے لئے دیوانگی کی حد تک سعی کر رہا ہے ضروت اس امر کی ہے کہ جملہ علمی اور روحانی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر امت مسلمہ کو اس گڑھے میں سے بچایا جائے اسکا واحد اور موثر ترین طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنی ملت کے سامنے ان بزرگوں کی زندگی کا موقع پیش کریں جو عزم واخلاص قناعت وبردباری اور محبّ وہمدردی میں مینارہ نور تھے جنہوں نے امت مسلمہ کی مادیت گزیدہ عروق کا بالغ نظری سے معائنہ کیا اور یہ ثابت کر دیا کہ اس زمانے میں جتنے ازم ہیں ان کا حال موجودہ ملا کے علم میں تو نہیں لیکن صوفی کے عمل میں موجود ہے۔

موجودہ دور میں تصوف پر عام طور پر یہ اعتراض کیا گیا کہ اس نے خانقاہی زندگی کو رواج دیا اور بے عملی کو

عام ہر ایک نے تصوف کی مختلف توجیہات پیش کیں لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس مکتب فکر نے لوگوں کے دلوں سے بغض وعناد دور کیا اور باہمی ہمدردی اور پیار ومحبت کی فضا کو قائم کیا۔

صوفیائے کرام کے استغنا اور درویشی مسلک کے خلاف علمائے ظاہر ہمیشہ صف آرا رہے کیونکہ اس مسلک کی موجودگی میں دنیوی اقتدار کا حصول ناممکن دکھائی دیا انہوں نے نہ صرف تصوف پر کڑی تنقید کی بلکہ ان پر الزامات بھی عائد کئے یہی وجہ ہے جب بڑے بڑے آئمہ کرام امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد ابن حنبلؒ کو حق گوئی اور خدا پرستی پر سخت سزائیں دی جارہی تھیں تو درباروں سے وابستہ علمائے سوان کے خلاف فتوے دے رہے تھے۔ لیکن اس پر پیگنڈے کے باوجود یہ مسلک اپنی امن پسندی اور انصاف دوستی کیوجہ سے زیادہ سے زیادہ مقبولیت حاصل کرتا گیا۔ دنیاوی جاہ وجلال، سیاسی قلابازیوں اور حب دنیا جیسے منفی رویوں کو ان صوفیائے کرام نے کم سے کم کرنے کی پوری پوری کوشش کی۔

میں نے اس تحقیقی مقالے میں خاص طور پر ان مقاصد کو سامنے رکھا ہے کہ آج جب یہ کہ انسانی شخصیت کی ٹوٹ پھوٹ انفرادی اور اجتماعی سطح دونوں پر جاری ہے ان اکابر صوفیاء کی تعلیمات کو نمایاں کرنے اور ان کو موجودہ نسل کے سامنے لانے کی ضرورت ہے۔

تاریخ عالم گواہ ہے کہ ہمارے صوفیائے عظام نے دنیا کی ظلمتوں اور جہالتوں میں نور وعرفان، رشد و ہدایت کی شمع روشن کیں۔

ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے دور حکومت میں عام مسلمانوں کی سیاسی مذہبی اور روحانی طاقتوں کی نشوونما صوفیاء کرام کے ذریعے ہوئی۔ اگر عربوں اور غزنویوں کے عہد حکومت سے قطع نظر کرلی جائے تو ہندوستان کے باضابطہ مسلمان فرمانرواوں کا عہد تیرہویں صدی سے شروع ہو کر انیسویں صدی کے وسط میں ختم ہوتا ہے۔ اس ساڑھے چھ سو برس میں تقریباً ۴۸ بادشاہ ہوئے۔ ان میں سے کچھ تو اسلام کا نام لے کر حکومت کرتے رہے۔ انہی حکمرانوں میں کچھ خدا ترس بلکہ عابد وزاہد بھی ہوئے۔ بعض ایسے فاتح بھی تھے جنگی شجاعت اور نبرد آزمائی پر خود فن سپہ گری کو ناز ہوسکتا ہے۔ بعض علوم وفنون کے ایسے سرپرست ہوئے کہ ان کی قدردانی سے علم وادب تعمیرات

اور فنون لطیفہ کو بڑا فروغ ہوا۔

ممکن ہے درہ خیبر اور گومل سے آنے والوں کا اندرونی مقصد محض فتح و تسخیر ہو لیکن وہ اسلام کا نعرہ بلند کرتے ہوئے آئے اور انہوں نے اسلامی اور دینی حکومتیں قائم کرنے کی بجائے اپنی قبائلی اور خاندانی سلطنتیں بنائیں لیکن ان ہی کی وجہ سے یہاں علماء صلحا اور مشائخ کو قدم جمانے کا موقع ملا۔ گوان کے درباروں کی فضا اسلامی نہ تھی مگران کے شہارے اس سرزمین میں اسلام پھل پھول سکا اگرچہ ان فرمانرواوں نے تبلیغ اسلام کی کوئی کوشش نہ کی لیکن ان کی بدولت صوفیاء کرام کی کوششیں بارآور ہوتی گئیں اور مسلمانوں کی آبادی بڑھتی گئی۔ اگرچہ ان مسلمان حکمرانوں کی نجی زندگی خالص اسلامی نہیں رہی پھر بھی شاید ہی کوئی ایسا حکمران گزرا ہو جس نے کسی شیخ وقت کے سایہ عاطفت میں پناہ نہ لی ہو یا ان سے فیوض و برکات حاصل نہ کئے ہوں۔ کیونکہ ایک حکمران کتنا ہی جابر کیوں نہ ہو اسکی بھی زندگی کیسی ہی بری ہوتی لیکن وہ علی الاعلان شریعت کی خلاف ورزی کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ اکبر جیسے ہوشمند حکمران کے خلاف اسکی اخیر زندگی میں مسلمانوں میں ایک عام بے چینی اس لیے پیدا ہوگئی کہ اسکی وجہ اسلام کو نقصان پہنچ رہا تھا۔ دارا اورنگ زیب کے خلاف اس لئے بازی نہیں لے جاسکا کہ مسلمانوں کی نظر میں اسکے مذہبی عقائد مشکوک ہو گئے۔

حضرت مجدد الف ثانی کی تجدیدی کوششوں سے ہندوستان میں اسلام کو حیات نو ملی انہوں نے جہانگیر سے ٹکر تو لی مگر اسکی کوشش نہیں کی کہ مغلوں کی خاندانی بادشاہت کو خلافت راشدہ کے طرز حکومت میں تبدیل کر دیا جائے انہوں نے انقلابی قدم اٹھانے کی بجائے اصلاحی اور تجدیدی طریقہ اختیار کیا۔ا

یہ بزرگان دین ہی تھے جنہوں نے اسلام کی عزت و ناموس کی خاطر جانین دیں۔ ان کے مزارات کے ساتھ حکمرانوں، مقامی باشندوں کی عقیدت برابر قائم ہے۔ انکے فتووں کا خوف حکمرانوں پر ایسا غالب رہتا تھا کہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں بہت سے غیر اسلامی اعمال کے مرتکب ہوئے مگر اسلام کو اپنے سینے سے لگائے رکھنے میں اپنی دنیاوی فلاح اور اخروی نجات سمجھتے۔

یہ کوئی دعوی نہیں کر سکتا کہ تمام فرمانروا ان اصولوں اور نصائح کے پابند رہے۔ مگر ان بزرگوں نے ان

اصولوں اور نصیحتوں کا اعلان کر کے اپنا فرض ضرور انجام دیا۔

میرے اس تحقیقی مقالے کا عنوان منفرد ہے "**مغل حکمرانوں کی سیاسی، معاشی اور معاشرتی زندگی پر صوفیائے کرام کا اثر بالخصوص قادریہ سلسلہ**"۔اس مقالہ میں جہاں بزرگان دین کی بابرکت کاوشوں کو مدنظر رکھا گیا ہے پندرہویں صدی میں بادشاہت اور سطوت کے اس دور میں جب دین اسلام کا وجود خطرے میں تھا۔ان بزرگوں کی بے پاکانہ کاوشوں نے شہنشاہی اصول بدل ڈالے لیکن جہاں تک فرمانروائی کا تعلق ہے مغل حکمران باوجد فرمانروائی کے ان بزرگان دین سے غیر معمولی عقیدت رکھتے تھے۔

مغلیہ دور جمود یا انحطاط کا دور نہ تھا۔سیاسی اور انتظامی معاملات میں یہ ٹھوس ترقی کا دور تھا۔صوفیائے کرام کے ساتھ مغل حکمرانوں کے تعلقات کا اثر ان کی مذہبی حکمت عملی پر بھی پڑا۔عہد اکبری میں جو کچھ ہوا، اکبر کے خیالات بگاڑنے میں جتنا دخل بعض علماء و مشائخ مثلاً شیخ مبارک، ابوالفضل، حاجی ابراہیم سرہندی، شیخ امام پانی پتی کے بھتیجے ملا ابوسعید کو تھا، امراء کو نہ تھا۔لیکن میں ہی بعض بزرگوں نے حالات کو سنوارنے کے لئے بڑی قربانیاں

کیں اور ان تعلقات کا اثر ہندوستان کی مذہبی تاریخ پر بھی پڑا۔شرع کی حمایت اور ترجمانی کے علاوہ ان بزرگوں نے رد بدعت کا بھی کام کیا۔کیونکہ اس سے اسلامیان ہند کے اجتماعی نظام میں بھی انتشار پیدا ہو رہا تھا۔ان بزرگوں نے زبان و قلم سے کام لیا اور اس طرح حکمران طبقے میں جو اسلام پسند گروہ تھا اس تقویت ملی اور جو غیر اسلامی آداب و رسومات دربار شاہی میں عجمی ملوکیت کی تقلید میں یا ہندو اثرات کی وجہ سے رائج ہو گئی تھیں، ان کے ازالے کا سامان ہوا۔

شاہان مغلیہ میں بابر فطری طور پر مذہبی تھا۔اس نے ترکی زبان میں کامران کے لئے ایک مثنوی لکھی جس میں مذہبی فقہی اور اخلاقی مسائل پر دو ہزار اشعار ہیں۔یہ کتاب "فقہ بابری" کے نام سے بھی مشہور ہوئی۔وہ خواجہ عبیداللہ احرار کا معتقد بھی تھا۔علم معقول و منقول میں خراساں کی شیخ الاسلام مولانا سیف الدین احمد علم کلام میں ملا شیخ حسن اور حدیث میں میر جمال الدین محدث کا قدردان اور معترف رہا۔۲

ہمایوں صوم وصلوٰۃ کا پابند رہا۔ مسجد میں کبھی پہلے بایاں پاوں اندر نہ رکھتا اور بے وضو اللہ کا نام نہ لیتا۔

جہانگیر راجپوت شہزادی کا فرزند اور ایک راجپوت شہزادی کا شوہر تھا۔ مگر وہ علماء کی تعلیمات سے پوری طرح متاثر رہا۔ وہ اپنے باپ کا گمراہی کا سبب ابوالفضل کو ہی قرار دیتا تھا۔ اپنی توزک میں اس نے اعتراف کیا ہے کہ ابوالفضل کو قتل کرانے میں اسکے مذہبی جذبات کو بھی دخل تھا۔ اسکے تعلقات حضرت مجدد سے کچھ عرصہ خراب تو رہے۔ مگر جب اچھے ہوئے تو روزانہ ان سے ملاقات ہوتی۔ ان ملاقاتوں سے اسکے قلب کی تطہیر جس طرح ہوئی۔ اسکا اعتراف حضرت مجدد نے اپنے مکتوبات میں کیا ہے۔

شاہ جہان اپنے زمانے میں اہم عہدیداروں کے تقرر میں ایسے افراد کو ترجیح دیتا جو عالم دین بھی تھے۔ اسکے زمانے میں سب سے جید عالم ملا عبدالکریم سیالکوٹی تھے۔ ملا محمد جونپوری کا وہ اتنا قدردان تھا کہ اپنے بیٹے شجاع کو ان کی شاگردی میں دے دیا اور جونپور میں ان کے مدرسے کے لئے جاگیر عطا کی۔

اورنگ زیب سراسر بزرگان دین کے زیر اثر رہا۔ اس نے اپنے دربار میں زمین بوسی، گانا بجانا، سیر وسفر کے تمام تکلفات روک دیئے۔ فتاوئ عالمگیری جیسی جامع کتاب کی تدوین ہوئی۔

سلاطین صوفیاء کرام کے آستانوں پر برابر جھکتے رہے۔ اکبر کو حضرت شیخ سلیم چشتی سے جو عقیدت رہی وہ اسکی زندگی کا اہم جزو ہے۔ ان کی خاطر اس نے فتح پور سیکری کو تمام شہروں کا سرتاج بنادیا۔ سلاطین کا ان آستانوں پر جھکنے کے کئی اسباب تھے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے ابتدائی دور حکومت میں اتنے جلیل القدر صوفیا گزرے کہ وہ خواص وعوام دونوں کے دلوں پر چھائے رہے۔ ان کی درویشی میں شہنشاہی تھی۔ ان کی قلندری میں شان سکندری تھی۔ اگر فرمانروائی میں عجم کا حسن طبیعت دکھائی دیتا تو ان بوریا نشینوں کی خانقاہوں میں عرب کا سوز دوون ملتا تھا۔ وہ عوام وخواص کے مرجع بن گئے تھے اور سلاطین بھی ان کا دامن پکڑنے میں کوئی جھجک محسوس نہ کرتے۔ سلاطین کے مذہبی خیالات وجذبات کی نشو ونما میں ان بزرگوں کے فیوض وبرکات کا بڑا دخل رہا۔

بزرگان دین اور سلاطین دونوں اپنے اپنے حلقے کے حکمران تھے۔ صوفیاء کرام ہر دور میں سلاطین کو اپنے آستانوں پر جھکاتے رہے۔

جہانگیر چودہویں سال جلوس میں شیخ عبدالحق دہلوی سے ملا۔ان کے متعلق لکھتا ہے کہ گوشہ میں بیٹھ کر مدت سے توکل وتجرید کی زندگی بسر کررہے ہیں۔ان کی صحبت بے ذوق نہیں ہے۔اس نے یہ بھی لکھ کہ انہوں نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں مشائخ ہند کے حالات ہیں اور اسکے لکھنے میں بڑی زحمت اٹھائی ہے۔وہ اسی سال پنجاب گیا تو کلانور کے پاس پہنچ کر اسکو سندھ کے مشہور بزرگ شیخ میر محمد المعروف بہ میاں میر سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا جو اس وقت لاہور میں تھے۔حضرت میاں میر اس سے ملنے گئے۔جہانگیر ان سے مل کر متاثر ہوا ان کے بارے میں لکھتا ہے کہ وہ بڑے قابل،مبارک نفس،صاحب حال گوشہ نشین توکل پسند بزرگ ہیں خلوت میں ان صحبت سے مستفید ہوا۔اس زمانے میں ان کا وجود غنیمت اور عزیز ہے ان سے بڑے حقائق اور معارف سننے میں آئے۔میں نے چاہا کہ موصوف کی خدمت میں نذر پیش کروں لیکن جرات نہ ہوئی۔آخر میں ایک سفید ہرن کی کھال جانماز کے طور پر استعمال کرنے کے لئے ان کی خدمت میں پیش کی۔(توزک جہانگیری)

داراشکوہ کے مرشد ملا جیوا اپنے مریدوں سے کہا کرتے تھے کہ جس طرح میں دارا کے حال کی طرف متوجہ رہتا ہوں تم بھی رہا کرو۔اگر تم اسکی طرف متوجہ نہ ہوگے تو خدا سے پھر جاوگے۔

اکبر کا دارالسطنت جو علمی ادبی سرگرمیوں کا مرکز تھا شیخ عبدالحق محدث نے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔فتح پور سیکری میں ان کا قیام کوئی دس بارہ برس رہا ہوگا۔ان کی علمی قابلیت سے کئی علمائے دربار مثلاً فیض مرزا نظام الدین بخشی،ملا عبدالقادر بدایوانی متاثر ہوئے بلکہ معلوم ہوتا تھا کہ اکبر سے بھی ان کی ملاقات ہوئی اور شاید فیضی ابوالفضل اور اکبر کسی خواہش تھی کہ موصوف ان کے ہم خیال ہوجائیں شیخ عبدالحق اپنی تصنیف زادالمتقین میں لکھتے ہیں:

"جب اللہ کے کم سے مجھے علم کا خاصہ حصہ مل گیا تو بعض اہل حقوق نے مجھے اہل دنیا کی طرف بلایا اور بادشاہ وقت اور امراء کے پاس گیا انہوں نے میری طرف بہت توجہ کی بلکہ ارادہ کیا کہ میری وجہ سے اپنی جماعت بڑھائیں لیکن اللہ تعالی نے مجھے محفوظ رکھا"

شیخ عبدالحق پر اکبری دربار کے اثرات غالب نہ آسکے موصوف نے بیعت کی تو ایسے بزرگ سے جو اس

زمانے میں اکبر کے دیوان خانے میں اذان دے کر باجماعت نماز شروع کر دیتے تھے جب شعائر اسلامی کی محبت اور بیرونی ماحول میں کشمکش بڑھ گئی تھی تو شیخ موسیٰ پاک لشکر شاہی میں ایک عرصہ اسلام کا بول بالا کرتے رہے۔

قادریہ سلسلہ کے مسلک میں رواداری تھی۔ قادری بزرگوں کے ساتھ مغلیہ حکمرانوں کے تعلقات کا تعلیم، انتظامیہ مذہب، تہذیب وثقافت غرضیکہ زندگی کے ہر شعبے پر اثر ہوا۔ انہوں نے بادشاہوں میں برداشت کا مادہ پیدا کیا۔ جہاں مسلمان حکمرانوں کے ساتھ ان بزرگوں کے تعلقات تھے انہوں نے دوسری اقوام کے ساتھ بھی رواداری کا برتاو رکھا۔

حضرت میاں میر کے بارے میں مشہور ہے کہ انہوں نے کئی مندروں کا سنگ بنیاد رکھا تھا۔

نورالدین جہانگیر جو اسلامی شعائر کے تحفظ کا وعدہ کر کے برسر اقتدار آیا تھا۔ غیر مسلموں کے ساتھ اسکے تعلقات کا اثر اسکی انتظامی پالیسی پر بھی پڑا۔

جہانگیر جدروپ گوساہین کو اجین کے قریب ملا تو اس نے جہانگیر سے کہا کہ ۳۶ دام کے برابر سیر کا وزن متعین کرو اور شہزادہ خسرو کے ساتھ نرمی کا سلوک کرو جہانگیر نے جدروپ گوسائیں کی سفارش پر توجہ دی اور خسرو کی آنکھوں کا علاج کروایا ایک روایت کے مطابق اسکی کچھ بنیادی لوٹ آئی۔ یہ بادشاہ میں برداشت کی قوت تھی کہ وہ جدروپ گوسائیں کو ملنے ایسی جگہ گیا جہاں سواری نہ تھی اور غار میں اسے گھٹنوں کے بل داخل ہونا پڑا (تزک جہانگیری)۔

شاہ جہان کے دور میں تعلیمی پالیسی پر ان صوفیاء کا بہت اثر تھا۔ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کا شاہ جہان کے دور میں بڑا اثر ورسوخ تھا۔ دو مرتبہ بادشاہ نے انہیں چاندی سے تلوایا اور انہیں اکبر آباد کے سرکاری مدرسے جسے اکبر نے جاری کیا تھا مدرس اعلیٰ مقرر کیا۔

شاہ جہان کے دور میں کشمیر اہم مرکز علم تھا۔ سیکڑوں طلبگار علم یہاں بس گئے تا کہ اپنے کارناموں کی تشکیل کر سکیں۔ ملا حسن فروغی اور ملا محسن فانی تو اسی سرزمین کے رہنے والے تھے۔ خواجہ خاوند محمود نے بھی اسکو اپنا مرکز بنا لیا۔ ملا شاہ جہاں اکثر آیا کرتے تھے۔ کلیم اور قدسی پادشاہ مرتب کرنے کے لئے یہاں سکونت پذیر ہو گئے۔

بزرگان دین کا اہل علم پر کافی اثر تھا۔

داراشکوہ کے حالات کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو ایک طرف وہ حضرت میاں میر کا مرید تھا تو دوسری طرف وہ ہندووانہ فلسفے کا بھی قائل تھا۔ اس نے بھگوت گیتا اور اپنشد کے تراجم کیئے۔ اس رواداری کے باوجود مغلیہ دور حکومت میں اسلامی اثرات بہر صورت غالب رہے۔ داراشکوہ شیخ محب اللہ الہ آبادی کا بہت مداح تھا بلکہ ایک خط میں وہ ان کو لکھتا ہے:

"الہ آباد کی گورنری سے مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ آپ سے ربط وضبط ہو سکے گا"۔

ایک مرتبہ داراشکوہ نے ان سے اس مسئلے پر استفسار کیا جو عہد اکبری سے ہندوستان میں اسلامی سیاسات کا اہم مسئلہ بن گیا تھا۔ یعنی حکومت کو تمام رعایا کا مساوی خیال رکھنا چاہیے یا مومن اور کافر میں تمیز کرنی چاہیے اسکا جواب انہوں نے یوں لکھا:

"حق آنست کہ اندیشہ رفاہت خلق دامن گیر خاطر حکام باشد چہ مومن وچہ کافر کہ خلق خدا پیدائش خدا است۔ دسید ابن مقام کہ صاحب آن مقام مبر کہ از صالح وفاجر و مومن و کافر رحم کند۔ رسو خدا است ﷺ چنانکہ بیان یافتہ در فتوحات در قران "وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین" بر سبیل عموم است۔ مثل رب العالمین غائباً افاضہ رحمت بہ ھر کسے بحسب مرتبہ آن باشد"

تاج وتخت کے مالکوں کی اس قسم کی عقیدت میں بعض اعمال ایسے ضرور تھے جو شرعی نقطہ نظر سے پسندیدہ نہ تھے لیکن اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ان بوریا نشینوں نے جو اپنے روحانی اثرات چھوڑے وہ خواص و عوام کے دل ودماغ پر یکساں متولی تھے۔

حضرت شاہ عنایت قادری جو کہ شاہ جہان اور اورنگ زیب کے ہم عصر تھے باوجودیکہ اورنگ زیب کے بیٹے محمد شاہ سے معتوب ہوئے لیکن دنیائے تصوف کسی اس عظیم المرتبت ھستی کا نام اولیائے کرام کی صف میں ہمیشہ بلند رہا۔ موصوف نے حکمرانوں کے جبر وتشدد اور متصادم حالات کے پیش نظر ہندوستان کو دارالحرب قرار دے دیا تھا۔ وہ مذہبی تنگ نظری پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ وحدت الوجود کے داعی اور حامی تھے۔ صوفیانہ مسلک پر انہوں

نے کتاب دستورالعمل لکھی جس میں سلوک کی منازل طے کرنے اور رب سے تعلق قائم کرنے کے طریقے بیان کئے ان کی تعلیمات کا یہ اثر تھا کہ انکے مریدوں میں مسلمانوں کے علاوہ ہندو بھی شامل تھے۔

حضرت میاں میر کے بارے میں جب جہانگیر نے سنا تو اپنا خاص ایلچی بھیج کر بلوا بھیجا۔ موصوف نے بادشاہ کو نصیحتیں کیں جسکا اس پر گہرا اثر ہوا اور کہنے لگا کہ جی چاہتا ہے بادشاہی چھوڑ کر آپکے زمرے میں شامل ہو جاوں۔ حضرت میاں میر نے فرمایا:

"تمہارا وجود رعایا کی پاسبانی اور حفاظت کے لئے ہے اور تمہارے عدل وانصاف کی برکت سے درویش اور فقیر بھی جمیعت خاطر سے عبادت وریاضت میں مصروف ہیں" اس صحبت سے بادشاہ نے بڑا فیض پایا۔ شاہ جہان دو مرتبہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان کے علاوہ شاہ بلاول قادری، حضرت ملا شاہ بدخشی اور حضرت خواجہ بہاری سے بھی ملاقات کی اور ان کے فیوض وبرکات سے مالا مال ہوا۔

دارشکوہ کی بہن جہاں آرا ملا شاہ بدخشی کی مرید تھی۔

ان بزرگان دین کے اثر نے مغلوں کے فنون لطیفہ انتظامی معاملات، سیاست اور عام تہذیب وتمدن میں ایک ایسا معیار قائم کیا جو نہ صرف برصغیر بلکہ بنی نوع انسان کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

مغل حکمران اپنی آزاد خیالی اور عیاشی کے باوجود ان بزرگوں کے معتقد تھے کسی مہم پر رانگی سے پہلے خانقاہوں پر حاضری دینا، اولاد کی خواہش کے لئے ننگے پیر جانا، دعائیں مانگنا، باوجود دنیاوی بادشاہت کے اپنی مراد کے حصول کے لئے اللہ کے برگزیدہ لوگوں کے آگے ان کی گردنیں جھک جایا کرتی تھیں۔

۱۔ صباح الدین عبدالرحمٰن، ہندوستان کے سلاطین علماء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر، ص، ۸

۲۔ صباح الدین عبدالرحمٰن، ہندوستان کے سلاطین کے علماء ومشائخ کے ساتھ تعلقات پر ایک نظر، ص، ۲۲

مآخذ

بنیادی ماخذ

مخطوطات

- ابواسحاق قادری شاہ، رسالہ ناطقہ، ترجمہ پروفیسر محمد اسلم، سابق صدر شعبہ تاریخ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، رضا لائبریری، رامپور، ۱۶۷۴ء، سلوک نمبر ۹۱۸ ب
- ابوسعید احمد خان، مکتوبات سعدیہ (فارسی) دھلی اکمل المطابع ۱۲۸۴ھ
- امداد اللہ مہاجر مکی حاجی، ضیاء القلوب، مترجم مطبع مجتبائی دھلی، ۱۹۲۷
- بختاور خان، مراۃ العالم، کتابخانہ دانشگاہ پنجاب، لاہور
- برھان الدین راز الٰہی، روائح الانفاس (ملفوظات) مخزو یہ مکتبہ برھانیہ
- پیر محمد لاہوری، خوارقات شاہ قمیص قادری، ذخیرہ سراج الدین آذر کتانخانہ دانشگاہ پنجاب، لاہور آئی۔ ۱۱۹
- تذکرہ مشائخ قادریہ حسینیہ، غیر مطبوعہ، کتب خانہ، فوزی آغا، پشاور
- جہان آرا بیگم، رسالہ صاحبیہ، ترجمہ پروفیسر محمد اسلم، ودیا سبھا لائبریری، احمد آباد
- سبطین رضا گیلانی، بحوالہ بحرالسرائر (قلمی) س۔ن
- سعید اللہ رضوی، سید، بحرالسرائر قلمی، کاتب خلیفہ محمد امین، دربار پیران پیر صاحب، ملتان، ۱۲۹۱ھ

- شاہ محمد سراج مولانا حافظ قادری، انوار بندگی اردو ترجمہ محبوب القلوب، مکتبہ برھانیہ کراچی
- شاہ محمد غوث، اسرار التوحید، مملوکہ سید میر امیر شاہ قادری پشاور، ریٹائرڈ لائبریرین، گورنمنٹ کالج، اٹک
- شاہ محمد غوث، رسالہ درکسب سلوک و بیان طریقت وحقیقت، پشاور ۱۲۸۳ھ

--------، شرح فصوص الحکم

- عبدالباقی جمجی قادری، مقاماتا ولووی، (احوال شیخ داؤد کرمانی شیرگڑھی)، مملوکہ محمد اقبال مجددی، ۱۰۵۶ھ
- عبدالحق محدث شیخ، المکاتیب والرسائل، مطبع مجتبائی دھلی، ۱۳۳۲ھ
- عبدالحی مرحوم مولانا، رسالہ الرفع التکمیل فی الجرح والتعدیل ملحقہ بہ میزان الاعتدال، حیدرآباد دکن، ۱۹۵۲ء

شجرہ جات

غیر مطبوعہ: خلیق احمد نظامی نے ارسال کیا۔ دہلی مسلم یونیورسٹی، انڈیا دہلی

مآخذ

عربی کتب

- ابن تیمیۃ ،بغیۃ المرتاد فی الرد علی المتفلسفۃ والقرامطۃ ،الباطنیۃ العلمیہ ،مطبوعہ ،مصر ۱۳۲۹ھ
- الجواب الصحیح جلد اول ،مطبوعہ بمطبعہ الفیل بشارع محمد علی مصر ،۱۹۰۵ء
- کنز الایمان ،المکتبہ العلمیہ ،قاہرہ مصر ۱۳۲۲ھ
- ابن خردازبہ ،المسالک والممالک ،مرتبہ J.H. Kramers ،مطبع لائیڈن ،۱۹۳۸ء
- ابن خلکان ،وفیات الاعیان جلد سوم ،مطبوعہ قاصرہ ،۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۷ء طبع باردوم
- ابن عربی شیخ اکبر محی الدین ،فتوحات مکیہ ،مطبوعہ دار الکتب العربیہ الکبری المصر ،(س ـ ن)
- ابن الوردی (م ۷۶۹ھ) ،تاریخ (جلد سوم) مطبوعہ بیروت ،(س ـ ن)
- ابوطالب محمد مکی ،قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب ،المطبع یمینہ عصر ،۱۳۰۶ھ

- العلامی عفیفی، مقدمہ فصوص الحکم ابن عربی، طبع قاھرہ، ۱۹۴۶ء

- ابونصر السراج، کتب اللمع فی التصوف، تصوف کیا ہے (ترجمہ ڈاکٹر نکلسن مطبوعہ گب میموریل سیرز، لندن، ۱۹۴۷ء

- ابونعیم الاصفہانی، حلیۃ الاولیاء، مطبوعہ حیدرآباد دکن، (س۔ن)

- الاذرقی، اخبار مکہ طبع Wusternfeld، ۱۸۵۸ء

- الاصطخری، المسالک والممالک، طبع لائیڈن، ۱۸۷۰ء، باردوم، ۱۹۲۷ء

- ابوبکر بن اسحاق الکلاباذی، امام، التعرف لمذھب اھل تصور، اشاعت اول طبع قاھرہ، ۱۳۸۰ھ، باردوم المعارف گنج بخش روڈ لاہور، ۱۳۹۱ھ

- بدرالدین سرھندی ملا، مناقب الاؤلیا، مرتبہ محبوب الٰہی، لاہور، ۱۹۷۱

- بغدادی، اسماعیل پاشا، ھدیہ العارفین جلد اول، مطبوعہ دار العلوم، الحدیثہ بیروت، لبنان، ۱۹۵۱ء

- بلاذری، فتوح البلدان، ۱۸۶۶ء، مصر

- تقی الدین حسنی، سیر الصالحات، دمشق، ۱۹۲۶ء

- جمالی، حامد بن فضل اللہ، سیر العارفین، مرکزی اردو بورڈ لاہور، ۱۹۷۶س ء

- حاجی خلیفہ، کشف الظنون عن اسامے الکتب والفنون، طبع بعنایت وکالتہ المعارف الجلیہ، استانبول، جلد اول و دوم، ۱۳۶۰ھ، ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۱ء، ۱۹۴۳ء

- عبدالحی حسنی سید لکھنوی، نزہۃ الخواطر، دائرہ المعارف عثمانیہ، حیدرآباد دکن، ۱۹۶۲ء، ۱۹۷۰ء
- ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔، نزھتہ الخواطر، جلد ششم، دائرۃ المعارف عثمانیہ، حیدرآباد دکن، ۱۹۶۲ء
- شہاب الدین ابوحفص عمر سہروردی، عوارف المعارف، باراول مطبوعہ مکتب احیائے علوم، مصر، ۱۳۸۴ء، اردو ترجمہ (شیخ غلام علی اینڈ سنز)، لاہور، ۱۹۶۲ء۔
- محمد بن یحیی التاوفی، شیخ الامام، (م ۹۶۳ھ)، قلائد الجواھر، مصر، س۔ن۔
- محمد بن پٹنی، المغنی فی ضبط الرجال حاشیہ علی التقریب التہذیب، مطبوعہ دھلی، ۱۲۹۰ھ
- محمد غوثی مانڈوی، علامہ، افکار الابرار ترجمہ گلزار ابرار مطبع مفید عام آگرہ، ۱۳۲۶ھ
- عالم اختر ناگپوری شہزادہ، فوز المرام فی تصیفات اولیائے کرام، مطبوعہ دکن پریس ۱۳۳۷ھ، دکن
- ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔، رسالہ فی السماع والرقص، مطبوعہ انتظامیہ پریس حیدرآباد، دکن
- عبدالحی بن العمار، شقرات الذھب فی اخبار من ذھب نسان۔ جلد دوم، قاھرہ، ۱۳۵۰ھ۔۱۳۵۱ھ
- عبدالقادر جیلانی شیخ، غنیۃ الطالبین، اردو ترجمہ، مولانا محبوب احمد، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور۔ (س۔ن)
- ۔۔۔۔۔۔۔۔، فتوح الغیب (ترجمہ پیرزادہ گیلانی) مرتبہ الکتاب، گنج بخش روڈ، لاہور، (س۔ن)
- ۔۔۔۔۔۔۔، فیوض یزدانی الفتح الربانی، ترجمہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی، دارلاشاعت کراچی، (س۔ن)
- قشیری، امام، رسالہ القشیریہ، مطبوعہ مصر، ۱۹۵۹ء

- فقیر اللہ شکار پوری، شاہ مکتوبات شاہ فقیر اللہ، کوئٹہ، ۱۳۹۷ھ
- محمد اکبر حسینی، جوامع الکلم، مطبوعہ کانپور، ۱۳۵۶ھ
- محمد حسن پیر، مقدمہ رسالہ قشیریہ، بلوغ الادب، لاہور، ۱۳۹۱ھ
- محمد عطاء اللہ، تحقیق الاسم فی شرح فصوص الحکم، مطبوعہ فیروز پور، ۱۹۰۷ء
- مسلم، تاریخ، اردو ترجمہ حیدر آباد دکن، ۱۹۲۷ء
- مسلم، الصحیح، مطبوعہ قاھرہ (۳) جلدین، ۱۹۵۵ء
- مصطفیٰ علی مصری، ڈاکٹر، تاریخ تصوف اسلام، مطبوعہ مصر، (س۔ن)
- مقدسی مترجم مسعود ندوی، احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم بعنوان ہندوستان عربوں کی نظر میں، مطبوعہ معرف پریس اعظم گڑھ، ۱۹۶۰ء
- نور الدین ابو الحسن علی بن یوسف، بہجۃ الاسرار، الشنطوفی شیخ القراء المصر سال تصنیف ۷۲۰ھ/۱۳۲۲ء
- ولی اللہ، شاہ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء مطبوعہ سعید اینڈ سنز تاجران کتب قرآن محل مولوی مسافر خانہ، کراچی۔ س۔ن
- ۔۔۔۔۔۔۔۔۔، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، مطبوعہ لاہور، ۱۳۷۱ء
- یافعی الشافعی، روضۃ الریاحین فی حکایاتہ الصالحین، یروشلم، ۱۳۲۷ھ

- یاقوت الحموی، ارشادالاریب الی معرفتہ الریب، طبع مرجلیوث لائیڈن، بیروت (طبع عکسی از اشاعت قدیم) ۱۹۰۷ء تا ۱۹۲۷ء۔
- ـــــــــــ، معجم البلدان مرتبہ ونسٹن فلڈ، لائسبرگ، ۱۸۶۶ء
- یوسف سعاد، مراۃ محمدیہ ومناقب احمدیہ، استانبول، ۱۳۱۳ھ۔

فارسی کتب

- آزادبلگرامی، میرغلام علی، ماثر الکرام، آگرہ، ۱۳۱۰ھ
- ابن بطوطہ، عجائب الاسفار، جلد۔ا، دارالاشاعت، لاہور، ۱۸۹۸ھ، نفیس اکیڈمی کراچی، طبع چہارم، ۱۹۶۸ء۔
- ابوسعیدشاہ، اربع اشعار، آفسٹ پریس کراچی، ۱۳۱۱ھ
- ـــــــــــ، خیرالطالبین، مرتبہ ومترجم نوراحمدامرتسری، امرتسر، ۱۳۴۴ھ
- ابوالفضل، آئین اکبری، جلدسوم، طبع نولکشور لکھنو، ۱۸۸۲ء
- ریویوسرجادوناتھ سرکار، رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ، ۱۹۴۸ء
- ـــــــــــ، اکبرنامہ، ترجمہ بیورج، ایچ، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، مطبوعہ کلکتہ، ۱۸۸۶ء
- احمدطاھرعراقی، قدسیہ (مقدمہ وشجرہ نامہ)، مطبوعہ تہران، ۱۹۷۵ء

- اشرف جہانگیر سمنانی، لطائف اشرفی، جامع نظام غریب یمنی دھلی، نصرۃ المطابع، دھلی ۱۲۹۵ء
- امام دین، نافع السالکین، لاہور، ۱۲۸۵ء
- امیر خسرو، افضل الفوائد اشد و راحت المبین، مترجم رکن الدین نظامی، دھلی کتب خانہ محبوبی۔ (س۔ن)
- محمد پیر مبارک، سیر الاولیاء دھلی، ۱۳۰۲ھ
- ایوانوف، فہرست مخطوطات فارسی، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ، (س۔ن)
- بدرالدین سرھندی، حضرات القدس، اردو ترجمہ، مرتبہ محبوب الٰہی، دفتر دوم، مطبع سیالکوٹ، ۱۹۷۱ء
- البیرونی، ابوریحان محمد بن احمد، تحقیق ماللہند، مطبوعہ حیدرآباد دکن، ۱۹۵۷ء
- توکل بیگ کولابی، نسخہ احوال شاھی، حالات ملا شاہ بدخشی، کتب خانہ برٹش میوزیم لندن۔
- ثناء اللہ پانی پتی، قاضی، ارشاد الطالبین، دھلی مطبع مجتبائی، ۱۹۱۵ء
- جامی مولانا، لوائح جامی، مطبوعہ لکھنو، ۱۳۱۷ھ
- جمال اللہ مولوی، مناقب موسوی مخطوطہ ۱۷۳۹ء، اردو ترجمہ ۱۹۶۱ء
- جہان آرا بیگم، مونس الارواح، نمبر ۱۲۱۶۔ ۴۲۶۹ مخزونہ در مجموعہ شیرانی کتب خانہ دانشگاہ پنجاب، لاہور
- حسن علاء سجزی، امیر، فوائد الفوار ملفوظات نظام الدین اولیاء، باراول دھلی ۱۸۶۵ء، باردوم ولکشور، ۱۸۸۵ء
- خافی خان، منتخب اللباب، ترجمہ معین الحق، لاہور ۱۹۷۶ء

- داراشکوہ،ترجمہ جوگ بششٹ،مخطوطہ انڈیا آفس،لائبریری،لندن

- ۔۔۔۔۔۔۔۔۔،حسنات العارفین۱۰۶۲ھ عرف شطحیات قلمی مخزونہ کتاب خانہ،دانشگاہ پنجاب،اردو

ترجمہ محمد عمر خان لاہور،۱۹۶۱ء

- ۔۔۔۔۔۔۔۔۔،رسالہ حق نما،مکتبہ بھوانی پرشاد،۱۸۵۵ء،آگرہ

- ۔۔۔۔۔۔۔۔۔،سراکبر(ترجمہ اوپنشد مرتبہ تاراچند)

- ۔۔۔۔۔۔۔۔،سفینۃ الاولیاء تحریر۱۶۴۰ءاردو ترجمہ ڈاکٹر بلیغ الدین جاوید،مکتبہ عالیہ اردو بازار،لاہور،

۱۹۷۵ء۔

- ۔۔۔۔۔۔۔۔،سکینۃ الاولیاءاردو ترجمہ اکرم رہبر،مکتبہ عالیہ،اردو بازار،لاہور

- ۔۔۔۔۔۔۔۔،سکینۃ الاولیاء،مطبوعہ ایران بہ کوشش ڈاکٹر تاراچند وسید محمد رضا جلالی،تہران،۱۹۶۵ء

- ۔۔۔۔۔۔۔۔،مجمع البحرین،اصل وترجمہ انگریزی ازمحفوظ الحق،کلکتہ،۱۹۲۹ء

- صمصام الدولہ شاھنواز خان،مآثر الامراءترجمہ محمد ایوب قادری،اردو سائنس بورڈ،لاہور،

۱۹۶۸ء،۱۹۷۰ء

- ضیاءالدین برنی،تاریخ فیروز شاہی،جلد دوم،مطبوعہ علی گڑھ،۱۹۵۷ء

- عبدالباقی نہاوندی،ماثر رحیمی جلد سوم،ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال،کلکتہ۱۹۳۱ء

- عبدالحق محدث دھلوی،المکاتیب والرسائل الی ارباب الکمال والفضائل،مطبع مجتبائی دھلی،۱۸۸۰ء

- عبدالحمید لاہوری، بادشاہ نامہ، جلد اول، دوم، مطبوعہ کلکتہ، ۱۹۷۲ء

- عبدالرحمٰن چشتی، مراۃ الاسرار، جلد دوم، ۱۰۰۵۔۱۰۹۴ء، مطبوعہ صوفی فاونڈیشن، لاہور، ۱۹۸۲ء

- عبدالصمد شاہ نقشبندی، مثنوی تحفۃ العاشقین، منشی نولکشور لکھنو، ۱۸۷۱ء

- عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ جلد سوم، مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ، ۱۸۶۵ء

- ۔۔۔۔۔۔، نجات الرشید، مقدمہ وحواشی ڈاکٹر سید معین الحق ادارہ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ پنجاب، لاہور، ۱۹۷۲ء۔

- علی بن احمد بن ابوبکر کوفی، چچ نامہ، سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد، (س۔ن)

- غلام بسمل، تصوف ابن عربی افادات شیخ محی افادات شیخ محی الدین، اردو ترجمہ محب اللہ الہ آبادی، لاہور، نذیر سنز، ۱۹۸۷ء۔

- غلام حسین طباطبائی۔ سیر المتاخرین، جلد سوم، نول کشور لکھنو، ۱۹۶۶ء

- غلام علی شاہ دھلی، رسالہ ایضاع الطریقۃ، مطبوعہ لاہور، ۱۳۷۱ھ

- ۔۔۔۔۔۔، رسالہ درذکر نقشبندیہ مملوکہ جناب جی معین الدین لاہور

- ۔۔۔۔۔۔، کلمات طیبات، مجموعہ مکتوبات، صوفیائے کرام، مرادآباد، س۔ن

- غلام علی شاہ دہلی، مقامات مظہریہ، مرتبہ محمد اقبال مجددی، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۳ء

- ۔۔۔۔۔۔، مطاتیب شریفہ، لاہور، ۱۳۷۱ھ

- غلام محی الدین قصوری، تحفہ رسولیہ، لاہور، ۱۹۷۷ء
- فرشتہ ابوالقاسم، تاریخ فرشتہ جلد اول، دوم شیخ غلام علی، علی اینڈ سنز، لاہور، (س۔ن)
- قمر الدین اورنگ آبادی، نور الظہور، مطبع انصاریہ حیدرآباد دکن، (س۔ن)
- گلبدن بیگم، ہمایوں نامہ، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور (س۔ن)
- مجدد الف ثانی، مبدا و معاد، اردو ترجمہ سید زوار حسین شاہ، ادارہ مجددیہ ناظم آباد کراچی، ۱۳۸۸ھ
- محمد اعظم دیدہ مری خواجہ، تاریخ کشمیر اعظمی، مطبع محمدی، لاہور ۱۳۰۳ھ
- محمد بن عبدالوھاب قزوینی، مقدمہ تذکرۃ الاولیاء، شرکت شہامی، تہران، ۱۹۷۷ء
- محمد پارسا خواجہ، انیس الطالبین دعوۃ السالکین۔ سرورق ندارد
- محمد صالح کنبوہ ملا، شاہ جہاں نامہ، سنگ میل پبلیکیشنز لاہور۔ (س۔ن)
- ۔۔۔۔۔۔۔، عمل صالح مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۰ء، لاہور طبع دوم فروری ۱۹۷۲ء
- محمد غوث شاہ، رسالہ وحدت الوجود (قلمی) مملوکہ سید محمد امیر شاہ قادری پشاور
- محمد غوث گوالیاری، جواھر خمسہ، مطبع فوق کاشی دھلی۔ (س۔ن)
- محمد معصوم خواجہ، مقامات معصومیہ، مرتبہ محمد اقبال مجددی، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور
- محمد ھاشم علی خان (خافی خان)، منتخب اللباب، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۷۴ء
- محمد ھاشم کشمی، زبدۃ المقامات، نولکشور پریس لکھنو، ۱۳۰۷ء، ۱۸۹۰ء

- موسی پاک شہید، قسیر الشاغلین، ترجمہ منشی غلام محی الدین قادری مطبع فیروز پور ۱۳۰۹ء

- موسی پاک شہید، قسیر الشاغلین، ترجمہ منشی غلام محی الدین قادری مطبع فیروز پور ۱۳۰۹ء

- میر علی شیر قانع ٹھٹھوی، تحفۃ الکرام، سندھی ادبی بورڈ، کراچی، ۱۹۵۹ء
- نظام احمد خان، راحت القلوب، مطبع رضوی، دھلی، ۱۳۱۰ھ
- نظام الدین احمد بخشی، طبقات اکبری، مطبوعہ کلکتہ ایشیا ٹک سوسائٹی، ۳ جلدیں، ۱۹۱۳ء۔۱۹۳۱ء
- نعیم بہڑائچی، معمولات مظہریہ، برٹش میوزیم نمبر ۲۲۰ مائیکرو فلم مملوکہ محمد اقبال مجددی۔
- نور الدین جہانگیر، تزک جہانگیر ترجمہ حواشی اعجاز الحق قدوسی، نظر ثانی سید حسام الدین راشدی، مجلس ترقی ادب، لاہور
- ۔۔۔۔۔۔۔، تزک جہانگیری ترجمہ مولوی احمد علی رام پوری، لاہور، ۱۹٦۷ء
- ولی اللہ شاہ، الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، آرمی برقی پریس دھلی (۱۳۴۴ھ)
- ۔۔۔۔۔۔۔، الطاف القدس فی معرفۃ لطائف النفس مع اردو ترجمہ انٹرنیشنل پریس کراچی، ۱۹۷۵
- ۔۔۔۔۔۔۔، انفاس العارفین، مطبع مجتبائی، دھلی، ۱۹۷۱ء
- وارد تہرانی، تاریخ نادر شاھی، (نادر نامہ) مطبوعہ تہران، ۱۳۳۹ھ
- الہدیہ چشتی، سیر الاقطاب، لکھنو، ۱۹۱۳ء

ثانوی ماخذ

اردو کتب

- آزاد، ابوالکلام، ترجمان القرآن جلد اول، مکتبۂ سعید ناظم آباد، کراچی ۱۹۳۱

- آزاد، محمد حسن، دربارِ اکبری، دارالاشاعت پنجاب مطبع رفاہِ عام لاہور (س۔ن)

- آقائے رازی تصوف اسلام، بارسوم، اعظم گڑھ، ۱۹۴۶ء

- ابوالبیان محمد داود فاروقی نقشبندی، سیرت غوث اعظم، مکتبہ سراجیہ خانقاہ سعیدیہ موسیٰ زئی شریف، ڈیرہ اسماعیل خان، ۱۹۷۹ء

- ابوالحسن علی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر مطبع مجلس نشریات اسلام، کراچی دسمبر ۱۹۶۶ء

- ۔۔۔۔۔۔۔، تاریخ دعوت وعزیمت، مطبع مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۱۹۵۵ء

- ابوزکریا بن شرف الووی، تحفۃ العابدین، ترجمہ ریاض الصالحین از مولانا محمد ادریس میرٹھی، تاج کمپنی لمٹیڈ، کراچی

- ابوطالب محمد بن عطیہ حارثی المکی، قوت القلوب جلد دوم، اشاعت اول ۱۹۹۴ھ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۸۹ء بار دوم۔

- ابوالمعالی شاہ، تحفۃ القادریہ، مطبوعہ ملک فضل الدین چنن دین لاہور، ۱۹۵۹ء
- ابی الفرح السید محمد فاضل الدین قادری، بیان الاسرار، دربار قادریہ فاضلیہ لاہور، ۱۹۵۹ء
- احمد اقبال، برصغیر وھند میں علم حدیث، لاہور، طباعت جولائی ۱۹۶۴ء
- احمد سعید، پروفیسر، بزم اشرف کے چراغ، مکتبہ احیاء علوم شرقیہ، لاہور ۱۹۷۵ء
- احمد علی چشتی، قصر عارفان جلد اول، مطبوعہ مکتبہ العلمیہ گنج بخش روڈ، لاہور، سال تصنیف ۱۲۹۱ھ/۱۹۷۴ء
- احمد علی صاحب ٹونکی، سراج الجالس، مطبع مسلم پریس دھلی، ۱۳۱۶ھ
- اشتیاق حسین قریشی ڈاکٹر، برعظیم پاک وھند کی ملت اسلامیہ، ھسٹاریکل ریسرچ، کراچی، ۱۹۷۱ء
- اشرف بخاری سید، ڈاکٹر، سید علی ھمدانی، دارالاشاعت کراچی، ۱۹۶۳ء
- اشرف علی تھانوی، امداد المشتاق واشراف الاخلاق شراح شمائم امداریۃ، اشرف المطابع تھانہ بھون، ۱۹۲۹ء
- اشرف علی تھانوی، حکایت الاولیا، دارالاشاعت کراچی، ۱۹۶۷ء
- ۔۔۔۔۔۔۔۔۔، علم وعمل، دارالاشاعت کراچی، (س۔ن)
- اطہر مبارکپوری، قاضی، عرب و ہند عہد رسالت میں، ندوۃ المصنفین دھلی ۱۹۶۵ء
- اعجاز الحق قدوسی، تاریخ سندھ، حصہ اول، سندھ، ۱۹۷۱ء
- ۔۔۔۔۔۔۔۔۔، تذکرہ صوفیائے پنجاب، مرکزی اردو بورڈ، لاہور ۱۹۶۰ء

- ۔۔۔۔۔۔۔۔۔، تذکرہ صوفیائے سرحد، مطبوعہ مرکزی اردو بورڈ، لاہور ۱۹۵۹ء
- اعجاز الحق قدوسی، تذکرہ صوفیائے سندھ، اردو اکیڈمی، ۱۹۶۰ء
- اقبال صلاح الدین، بوعلی قلندر، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور
- اللہ یار خان مولانا، دلائل السلوک (اردو) مطبوعہ چکوال، (س۔ن)
- ام سلمی گیلانی، ڈاکٹر، شاہ محمد غوث، تحقیقی مقالہ پشاور یونیورسٹی مطبوعہ پشاور، ۱۹۹۰ء
- اردو دائرہ معارف اسلامیہ اول تا سات، مطبوعہ دانشگاہ پنجاب، لاہور
- امام بخش نوشاہی لاہوری۔ مراۃ الغفوریہ ۱۱۹۰ھ، روٹو گراف معلوکہ سید شرافت نوشاہ۔ درحالات مشائخ پنجاب، مطبوعہ ساھن پال گجرات، ۱۱۹۰ھ/۱۷۷۷ء
- امام غزالی، احیائے علوم دین، مترجم محمد احسن نانوتوی، دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۹۴ء
- ۔۔۔۔۔۔، کیمیائے سعادت، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور، ۱۹۷۶ء
- امداد اللہ مہاجر مکی، ضیاء القلوب دیوبند (س۔ن)
- امیر شاہ قادری، تذکرہ علماء و مشائخ سرحد، اردو ڈائجسٹ پرنٹرز لاہور دو جلدیں، ۱۹۷۳ء، ۱۹۷۶ء
- اولاد علی گیلانی، مرقع مولقان، بار اول شائع کردہ سیکرٹری ڈسٹرکٹ ملتان بورڈ، ۱۹۳۷ء، بار دوم سنگ میل پبلیکشنز، لاہور، ۱۹۶۳ء
- بخشی رام سنگھ، موسومہ سات ستارے، مرتبہ لاہور ۱۹۲۴ء

- بدرالدین اسحاق خواجہ، ایثارالاولیاء، نولکشور کانپور، چھٹا ایڈیشن، ۱۹۱۷ء
- بشیر حسین ناظم، اولیائے ملتان، سنگ میل پبلیکشنز، لاہور
- بشیرالدین احمد دھلوی، واقعات دارالحکومت دھلی، شمسی پریس۔ آگرہ حصہ اول، ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء
- بشیر محمد خان، مقالہ شیخ برھان الدین راز الہی، رسالہ معارف اعظم گڑھ مئی۔ ۱۹۶۸ء
- بنارسی پرشاد سکسینہ، مقالہ پی۔ ایچ۔ ڈی، تاریخ شاہجہان، لندن یونیورسٹی ۱۹۳۱ء، پروگریسو بکس، اردو بازار لاہور، باراول
- پیام شاہجہان پوری، آفتاب ہجویر، علمی پرنٹنگ پریس، لاہور ۱۹۶۳ء
- پیام شاہجہان پوری، تذکرہ شاہ محمد غوث، ملک دین اینڈ سنز، ۱۹۶۴ء
- غلام دستگیر نامی، بزرگان لاہور، مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۶ء
- غلام دستگیر نامی، تاریخ جلیلہ سن طباعت ۱۹۳۷ء، بار دوم لاہور، ۱۹۶۰ء
- غلام دستگیر نامی، سوانح حیات، حضرت شاہ محمد غوث، مطبوعہ لاہور، ۱۹۵۹ء
- پیر محمد لاہوری، حقیقت الفقراء، مطبوعہ مجلس شاہ حسین لاہور، ۱۹۶۶ء
- جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، حصہ دوم مجلس ترقی ادب، لاہور
- قاری شاہ محمد سراج، انوار بندگی (مجبوب القلوب) قلمی
- حکم چند لالہ، تواریخ ملتان، پبلک لائبریری ملتان (سرورق ندارد)

- خلیق احمد نظامی، تاریخ مشائخ چشت، ندوۃ المصنفین، دھلی، ۱۹۵۳ء
- خلیق احمد نظامی، تاریخ مقالات، مطبوعہ دھلی، ۱۹۶۶ء
- خلیق احمد نظامی، حیات شیخ عبدالحق محدث دھلوی، ندوۃ المصنفین دھلی ۔۱۹۵۳ء
- خلیق احمد نظامی، مرتب، خیر المجالس، مطبوعہ علی گڑھ، ۱۹۵۹ء
- خلیق احمد نظامی، سلاطین دھلی کے مذھبی رجحانات، الجمیعت پریس دھلی، ۱۳۷۷ھ
- خلیق احمد نظامی، نذر عرشی، دار المولفین، اسلام آباد
- کمال الدین، خواجہ، روضۃ القیومیہ رکن سوم، اللہ والوں کی قومی دوکان، کشمیری بازار، لاہور (س۔ن۔)
- محبوب عالم، خواجہ، خیر الخیر معروف بہ مرغوب المملوک، بازار الیکٹرک پریس، امرتسر (س۔ن)
- محبوب عالم، خواجہ، ذِکر خیر، مکتبہ محبوبی، مطبوعہ سرگودھا (س۔ن)
- محمد امین نقشبندی، مناقبت احمدیہ وملفوظات معصومیہ، مطبوعہ لاہور، (س۔ن)
- خورشید حسن بخاری، الکمال، مطبوعہ مکتبہ میری لائبریری، لاہور ۱۹۷۵ء
- خورشید حسن بخاری، تذکرہ حضرت شاہ سکندر کیتھلی، مطبوعہ مکتبہ میری لائبریری، ۱۹۷۶ء
- خورشید حسن بخاری، دبدبہ سکندری مطبوعہ مکتبہ میری لائبریری، لاہور، ۱۹۶۸
- دردائی معین الدین، صوفیائے بہار اور اردو، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی، ۱۹۷۶ء

- ذکاءاللہ دھلوی شمس العلماء، تاریخ ہندوستان، جلد ہفتم، مطبع علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۱۷

- رافت روف مجددی، جواھر علومیہ، (حالات مشائخ نقشبندیہ) اردو ترجمہ، لاہور، ۱۹۱۹ء

- رائے بہادر کنہیالال، تاریخ لاہور، مرتبہ کلب علی خان، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۷۷

- رحمٰن علی، تذکرہ علمائے ہند، لکھنو، ۱۹۱۴ء

- روبینہ ترین، ڈاکٹر، ملتان کی ادبی وتہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ ادارہ تالیف وترجمہ بہاءالدین ذکریا یونیورسٹی ملتان، بیکن بکس، ۱۹۸۹ء

- روف مجددی، ملفوظات شاہ غلام علی، دارلعارف لاہور، ۱۹۷۴ء

- رئیس احمد جعفری، انوارالاصفیاء، ندوۃ المصنفین، ۱۹۷۴ء

- ــــــــــ، انوار اولیاء کامل، ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۶۳ء

- ــــــــــ، سفرنامہ ابن بطوطہ، حصہ دوم نفیس اکیڈمی طبع چہارم اپریل، ۱۹۶۸ء

- زبید احمد، ڈاکٹر، عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ اردو ترجمہ شاہد حسین رزاقی، ادارہ ثقافت علوم اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور، ۱۹۶۸ء

- زمرد، ڈاکٹر، احوال وآثار ملاشاہ بدخشی، مقالہ پی۔ایچ۔ڈی (فارسی) پنجاب یونیورسٹی، لاہور

- زوار حسین شاہ سید، عمرۃ الملوک (اردو) مطبوعہ کراچی ۱۹۶۰ء

- سید احمد قادری، تذکرہ شیخ عبدالحق محدث دھلوی، ناشر شاہ بک ڈپو، پٹنہ ہندوستان۔(س۔ن)

- سید احمد اکبر آبادی، صدیق اکبر، دھلی ندوۃ المصنفین ،۱۹۵۲ء

- سید سلیمان ندوی، یادرفتگان، دارالاشاعت، کراچی ،۱۹۸۳ء

- سید قاسم محمود، اسلامی انسائیکلو پیڈیا، شاہکار بک فاونڈیشن، ۱۹۵۱ء

- سید محمد امیر شاہ پشاوری، تذکرہ مشائخ قادریہ حسینیہ، عظیم پبلشنگ ہاوس، پشاور، ۱۳۳۸ء

- سلیم اختر، ڈاکٹر، اردوادب کی مختصر تاریخ، سنگ میل پبلیکشنز، لاہور، ۱۹۷۰

- شارب ظہورالحسن، ڈاکٹر، دلی کے بائیس خواجہ، تاج پبلشرز دہلی، ۱۹۸۰ء

- شبلی نعمانی، مقالات شبلی جلد پنجم، اعظم گڑھ، دارالمصنفین، ۱۹۵۵ء

- شرر، خواجہ معین الدین چشتی، فیروزسنز لاہور، ۱۹۶۹ء

- شہاب، مسعود حسن، خطہ پاک اوچ، اردو اکیڈمی بہاولپور باراول، ۱۹۶۷ء

- احمد علی چشتی، شیخ، قصر عارفان، مطبع مکتبہ مظہر فیض رضا برج منڈی، ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء

- طاہر علاؤالدین، شیخ، تذکرہ قادریہ، لاہور، ۱۹۷۰ء

- عبدالحق محدث دھلوی، شیخ، اخبار الاخیار، باراول مطبع مجتباء، دھلی، باردوم، دارالاشاعت کراچی، ۱۹۶۸ء

- عبدالحق محدث دھلوی، شیخ، مدارج النبوت، مترجم الحاج مفتی غلام محی الدین، مدینہ پبلشنگ کمپنی، بند روڈ، کراچی، ۱۹۷۰ء

- عبدالحق محدث دھلوی، شیخ، مکتوبات، اردوترجمہ مولانا محمد فاضل، مکتبہ رحمانیہ، ۱۹۸۲ء

- عبدالحق محدث دھلوی، شیخ ،ملفوظات شیخ داود بندگی ترجمہ پروفیسر خورشید حسن، (دہلی)
- عبدالرحمان چشتی، شیخ ،مراۃ الاسرار جلد دوم،صوفی فاونڈیشن، لاہور،۱۹۷۲ء
- محمد اکرام، شیخ، آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ،کلب روڈ، لاہور بار ہفتم،۱۹۷۹ء
- محمد اکرام، شیخ، رودکوثر، مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ،کلب روڈ، لاہور ۱۹۷۶ء
- محمد اکرام، شیخ، موج کوثر، مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ،کلب روڈ، لاہور ۱۹۷۰ء
- محمد پارسا، شیخ، انیس الطالبین، مکتبہ عبدالغفور، ۱۹۵۱ء
- محمودالمروف محمد پیر، شیخ، حقیقت الفقراء، مطبوعہ مجلس شاہ حسین، لاہور ۱۹۴۴ء
- صباح الدین عبدالرحمٰن، بزم تیموریہ، دارالمصنفین، اعظم گڑھ ۱۹۴۸ء
- صباح الدین عبدالرحمٰن، بزم صوفیاء، دارالمصنفین، اعظم گڑھ، انڈیا ۱۹۴۸ء
- صباح الدین عبدالرحمٰن، تذکرہ اولیائے کرام، دارالمصنفین، ادبستان لاہور ۱۹۴۸ء
- صباح الدین عبدالرحمٰن، ہندوستان کے سلاطین علماء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر، معارف پریس اعظم گڑھ، ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء
- صباح الدین عبدالرحمٰن، ہندوستان کے مسلمانوں کے تمدنی جلوے، رہتاس بکس احمد چمبرز، ٹمپل روڈ، لاہور، ۱۹۶۳ء
- ضیاءالدین، آداب المریدین، اسلامک بک فاونڈیشن، لاہور، ۱۹۸۰ء

- ضیاء الدین لاہوری، جوہر تقویم، مطبوعہ الحقائق لاہور، ۱۹۸۳ء

- طاہر تونسوی، اولیائے لاہور، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۲ء

- ظہور الدین اظہر، ملفوظات شاہ ابوالمعالی، ھشت بہشت، (قلمی نسخہ) بحوالہ اردو معارف اسلامیہ)

پنجاب یونیورسٹی، لاہور جلد ۱۶، ۱۹۶۷ء

- ظہور الدین احمد، پاکستان میں فارسی ادب، ادارہ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ پنجاب، لاہور

- ظہور الدین احمد، شاہ ابوالمعالی، ھشت اردو معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور جلد

۱۶، مارچ ۱۹۶۷ء

- عبدالحمید خادم آستانہ کیتھل، شجرہ شریف سلسلہ عالیہ کمالیہ قادریہ مطبوعہ کراچی

- عبدالحمید یزدانی، تاریخ داؤدی (داود شیر گڑھی) مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ۱۹۵۴ء

- عبدالحی الحسنی الکھنوی، یاد ایام، انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ، 1919

- عبدالرحمٰن جامی، رسالہ طریق خواجگان، مطبوعہ کتب خانہ مولوی شمس الدین مرحوم، لاہور

- عبدالحق مولوی، اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا حصہ، اشاعت چہارم انجمن ترقی اردو

پاکستان، کراچی ۱۹۷۷ء

- عبدالصمد صارم، تاریخ تصوف، مطبوعہ، ادارہ علمیہ دھنی رام روڈ لاہور، ۱۹۶۹ء

- عبدالعلی، ملا، وحدت الوجود (رسالہ) ترجمہ وحواشی زید ابوالحسن فاروقی، دہلی، ۱۹۷۱ء

- عبدالغنی شاہ، تکملہ مقامات مظہریہ، اردو سائنس بورڈ لاہور، ۱۹۸۳ء
- عبدالغنی شاہ، معرفت الٰہیہ مع اضافات جدیدہ مرتب مولانا حکیم محمد اختر صاحب، قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی
- عبدالغنی پھولپوری شاہ، معرفت الٰہیہ مع اضافات جدیدہ مرتب مولانا حکیم محمد اختر صاحب، قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی
- عبدالکریم الجیلی، انسان کامل، مترجم عبدالقادر بدایونی، مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۸۰ء
- عبدالماجد دریابادی، تصوف اسلام، بار سوم، مطبوعہ اعظم گڑھ، ۱۳۴۶ھ
- عبدالمجید سالک، مسلم ثقافت ہندوستان میں، طبع دوم، ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور
- عزیز احمد چوہدری، پنجاب مغلوں کے عہد میں پنجاب، پنجاب ریسرچ فاونڈیشن لاہور، ۱۹۸۰ء
- علامہ اقبال، اسرار خودی، مطبوعہ اقبال اکیڈمی لاہور، ۱۹۷۵ء
- علی بن عثمان ہجویری المعروف داتا گنج بخش، کشف المحجوب، اردو ترجمہ مولانا ابوالحسنات قادری، بیان المطلوب، فیروز سنز لاہور، انیسویں بار، ۱۹۷۶ء
- علامہ اقبال، تاریخ تصوف (غیر مطبوعہ) ترتیب محمد صابر کلوروی، ۱۹۸۵ء
- علی چشتی شاہ، سیر الاقطاب، تراجم مشائخ، سلسلہ چشتیہ صابریہ، لکھنو، نولکشور، ۱۹۱۳ء
- غلام دستگیر نامی، بزرگان دین، مطبوعہ نوری بک ڈپو، لاہور

- غلام علی آزاد بلگرامی، سبحۃ المرجان، مطبوعہ الکتاب بمبئی، ۱۳۰۲ء
- غلام علی شاہ دہلوی، مقامات مظہری، اردو سائنس بورڈ، لاہور، طبع اول، جولائی، ۱۹۸۳ء
- غلام علی شاہ، مکاتیب بلگرامی، ماثر الکرام، مطبع مفید عام آگرہ، ۱۹۱۰ء
- غلام یحیی بہاری، کلمات الحق (ردنظریہ انطباق وحدت الوجود والشہود) بسال ۱۱۸۴ھ، مخزونہ کتب خانہ
خانقاہ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی شریف، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان۔
- غوث علی شاہ پانی پتی، تذکرہ غوثیہ، غلام علی اینڈ سنز کشمیری بازار، لاہور
- فرحت ملتانی، اولیائے ملتان، مکتبہ تنویر ادب، ملتان، بار سوم، ۱۹۸۴ء
- فریدالدین عطار نیشاپوری، تذکرہ الاولیاء ۱۲۳۰۔۱۱۲۰ء، مطبع مجید یک کانپور، ۱۳۳۸ھ
- فقیر اللہ شکار پوری، شاہ قطب الارشاد، مطبع گلزار حسینی، بمبئی، ۱۳۶۶
- جاوید آغا، برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء طبع اول، شعبہ فلسفہ، پنجاب یونیورسٹی، بک ٹریڈرز، لاہور، ۱۹۷۷ء
- عالم دین، مجموعہ گلزار کریم (پنجابی)، دین محمدی پریس، لاہور
- قانع ٹھٹھوی علی شیر میر، تحفۃ الکرام، سندھی ادبی بورڈ کراچی، ۱۹۵۹ء
- قندھاری حاجی محمد عارف، تاریخ اکبری، رام پور، ۱۹۶۲ء
- کریسی، سلسلہ قادریہ، مطبع لاہور، س۔ن
- کنھیا لال، تاریخ لاہور، ۱۸۸۴ء

- کیفی جام پوری، سرائیکی شاعری، بزم ثقافت سید الیکٹرک پریس، طبع اول، ملتان، ۱۹۶۹ء

- گستاؤلی بان، تمدن ہند (ترجمہ) شمس العلماء سید علی بلگرامی، مقبول اکیڈمی، لاہور ۱۹۶۶ء

- لطیف ملک، اولیائے لاہور، سنگ میل پبلیکشنز، لاہور ۱۹۶۲ء

- مارٹن لنگز، تصوف کیا ہے۔ مطبوعہ لندن، ۱۹۷۳ء

- مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی دفتر اول، دوم، سوم ترجمہ مولانا سعید احمد نقشبندی۔ مطبوعہ کراچی، ۱۳۹۲ھ

- محب اللہ بہاری قاضی، مسلم الثبوت، مطبع انصاری، دھلی، ۱۲۹۹ھ

- محبوب الٰہی، مولانا، تحفہ سعدیہ، نقوش لاہور، ۱۳۹۳ھ

- محمد اختر دھلی، تذکرہ اولیائے ھند، جلد دوم، دھلی، ۱۹۲۸ء

- محمد اسحاق بھٹی، فقہائے ھند، جلد اول، جلد سوم، جلد چہارم، جلد پنجم، ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور۔

- محمد اسلم، پروفیسر، تاریخ مقالات، دار المصنفین، لاہور، ۱۹۷۳ء

- ــــــــــــ، خفتگان خاک لاہور، مطبوعہ ادارہ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ، پنجاب، لاہور، ۱۹۹۳ء

- ــــــــــــ، سرمایہ عمر، ندوۃ المصنفین، لاہور، ۱۹۷۶ء

- ۔۔۔۔۔۔۔۔، ملفوظاتی ادب کی تاریخ اہمیت، مطبوعہ ادارہ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ، پنجاب، لاہور، ۱۹۹۵ء
- محمد اسلم بن حفیظ اللہ انصاری پسروری، فرحت الناظرین روٹوگراف، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور۔۱۹۷۲ء
- محمد اعظم دیدہ مری، تاریخ کشمیر اعظمی، مقبوضہ کشمیر، ۱۳۵۵ھ
- محمد اقبال مجددی، حیات شاہ قادری قصوری، زیر ترتیب، ۱۹۷۴ء
- محمد حبیب، حضرت نظام الدین اولیاء، (حیات وتعلیمات) پروگریسو بکس، ۱۹۸۴ء
- محمد حسن، حالات مشائخ نقشبندیہ، گیلانی پریس لاہور، طبع ثالث، ۱۳۲۳ھ
- محمد حسن صابری، تاریخ آئینہ تصوف، مکتبہ صابریہ قصور، اکتوبر، ۸۱۔۱۹۷۱ء
- محمد حنیف یزدانی، مرشد جیلانی کے ارشادات حقانی، مطبوعہ مکتبہ نذیریہ، لاہور، جون ۱۹۷۳ء
- محمد دین کلیم میاں، اقبال اور قادری صوفیائے کرام، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور
- ۔۔۔۔۔۔۔، تذکرہ حضرت شاہ جمال، نذیر سنز پبلیشرز، اردو بازار، لاہور
- ۔۔۔۔۔۔، تذکرہ حضرت میاں میر فاروقی، باراول، گنج بخش روڈ، لاہور، اکتوبر، ۱۹۸۶ء
- ۔۔۔۔۔۔، تذکرہ مشائخ قادریہ، باراول، ۱۹۷۵ء باردوم، ۱۹۸۶ء
- ۔۔۔۔۔۔، لاہور کے اولیائے چشت، مطبوعہ لاہور دسمبر ۱۹۶۸ء

- ۔۔۔۔۔، لاہور کے چشت اصل بہشت، اسلامک بک فاونڈیشن، لاہور
- ۔۔۔۔۔، لاہور میں عرس غوث الاعظم کی تقریبات وجلوس، ۱۹۷۲ء
- ۔۔۔۔۔، مدینۃ الاولیاء، اسلامک بک فاونڈیشن، لاہور، ۱۹۷۳ء
- محمد دین سعد ایر جی، تحفتہ المجالس اردو ترجمہ اعظم گڑھ، ۱۹۳۹ء
- محمد دین فوق، تذکرہ العلماء ومشائخ، گلزار محمدیہ اسٹیم پریس، لاہور
- محمد دین فوق، حضرت مادھولال حسین۔ مرتبہ محمد عبداللہ قریشی، دین محمدی پریس لاہور، س۔ن
- محمد دین فوق، منشی، یادرفتگان، مطبوعہ اسلامیہ سٹیم پریس، لاہور، ۱۹۰۹ء
- ۔۔۔۔۔، لاہور، عہد مغلیہ میں، سٹیم پریس، لاہور
- محمد سراج حافظ قاری، خانقاہ برہانیہ، کراچی، ۱۹۷۵ء
- محمد سرور، جامعی، حضرت امام ربانی کی تجدیدی دعوت، ج ا، شمارہ ۸، جنوری ۱۹۶۴ء
- ۔۔۔۔۔، مولانا عبیداللہ سندھی، طبع دوم، سندھ ساگر اکیڈمی، لاہور
- ۔۔۔۔۔، مولانا عبیداللہ سندھی، سندھ ساگر اکیڈمی، ۱۹۸۵ء
- محمد سلیم اختر، ہندوستان کی تحریک احیائے دین میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دھلوی کا حصہ، تحقیقی مقالہ برائے امتحان ایم۔اے (تاریخ)، پنجاب یونیورسٹی، لاہور ۱۹۶۹ء
- محمد عبداللہ چغتائی، لاہور سکھوں کے عہد میں، لاہور ۱۹۶۴ء

- محمد غوث شاہ، شرح غوثیہ روٹو گراف (مملوکہ) حمد امیر شاہ قلندری، پشاور
- محمد فاضل، مکتوبات شیخ عبدالحق محدث دھلوی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی
- محمد مبارک علوی المعروف بہ امیر خورد کرمانی، سیر الاولیاء مطبع محب ہند، دہلی، ۱۳۰۲ھ، مطبوعہ اسلام آباد، ۱۹۷۸ء
- محمد مطیع اللہ راشد برہانپوری، برہانپور کے سندھی اولیاء المعروف بہ تذکرہ اولیائے سندھ، سندھی ادبی بورڈ کراچی، طبع اول، ۱۹۷۰ء
- محمد مظہر مولانا، مقامات سعدیہ، اکمل امطابع، دہلی، ۱۹۸۴ء
- محمد منظور نعمانی، تذکرہ امام ربانی، مکتبہ سراجیہ خانقاہ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی شریف، ڈیرہ اسماعیل خان، ۱۹۶۰ء
- محمد منظور نعمانی، تصوف کیا ہے، کتب خانہ الفرقان، ۱۹۵۲ء
- محمد میاں سید مولانا، علمائے ہند کا شاندار ماضی، مکتبہ محمودیہ، لاہور، ۱۹۷۷ء
- محمد نذیر رانجھا، سلسلہ قادریہ، مطبوعہ ماہنامہ فجر، اشاعت، ۱۴۰۵ء
- محمد وارث کامل، تذکرہ اولیائے لاہور، مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۴ء
- محمود الحسن عارف، ڈاکٹر، قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی ــــــ حیات وتصانیف، مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی، شعبہ عربی، اورئینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور ۱۹۸۵ء

- محمد یوسف کوکن عمری، امام ابن تیمیہ، مطبوعہ مدراس، ۱۹۵۹ء
- محمد اختر دھلوی، مرزا، تذکرہ اولیائے برصغیر، غلام علی اینڈ سنز، لاہور، (س۔ن)
- محمد اختر دھلوی، مرزا، تذکرہ اولیائے پاک و ہند جلد سوم، مطبوعہ ملک اینڈ سنز، غزنی سٹریٹ، لاہور، ۱۹۶۳ء
- محمد عرف معتمد خان، مرزا، اقبال نامہ جہانگیری، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۶۳ء
- مظہر جان جانان، مرزا، تفسیر مظہری، لوائح خانقاہ مظہریہ، مطبوعہ کراچی، ۱۹۷۵ء
- مظہر جان جانان، مرزا، دیوان مظہر و خریطہ جواہر، مطبع مصطفائی کانپور، طبع اول، ۱۹۷۵ء
- مسعود حسن شہاب، خطہ پاک اوچ، اردو اکیڈمی بہاولپور، طبع اول، ۱۹۶۷ء
- مصطفائی بیگم، تذکرہ خاصان خدا (عہد شاہجہانی کے ایک مستند تذکرے کی تلخیص) الکتاب گنج بخش روڈ، ۱۹۷۷ء
- ۔۔۔۔۔۔۔، حدیقۃ الاولیاء تحقیق و تعلیق محمد اقبال مجددی، اسلامک بک فاونڈیشن، ۱۸۷۷ء
- ۔۔۔۔۔۔۔، خزینۃ الاصفیا، المعارف گنج بخش روڈ لاہور، ۱۹۷۳ء
- منشی دیوان چند، گنجینہ معرفت، مطبوعہ گیان پریس، گوجرانوالہ، سال طباعت ۱۹۸۶ء
- منشی سبحان رائے، خلاصہ التواریخ، لاہور، ۱۹۶۶ء
- مہر عبدالحق، ڈاکٹر، ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق، سرائیکی ادبی بورڈ ملتان، ۱۹۸۴ء

- میر محمد معصوم بھکری، تاریخ سندھ معصومی، سندھی ادبی بورڈ، کراچی، طبع اول، ۱۹۵۹ء
- نذیر عرشی، تحفہ سعدیہ، نقوش پریس لاہور، (س۔ن)
- نسیم عباسی، حضرت داتا گنج بخش، محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور۔
- عرس کے موقع پر ۱۹۹۲ء میں شائع کیا گیا۔
- ۔۔۔۔۔۔۔۔۔، کتابچہ بلھے شاہ قادری، محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور۔ اگست ۱۹۹۲
- نسیم عباسی، کتابچہ، حضرت بہاءالدین زکریا سہروردی، محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور۔ ۱۹۹۲ء
- ۔۔۔۔۔۔۔، کتابچہ، حضرت خواجہ غلام فرید، حیات و تعلیمات، محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور۔ ۱۹۹۲ء
- ۔۔۔۔۔۔، کتابچہ، حضرت شیخ داود کرمانی شیر گڑھی، محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور۔ ۱۹۹۲ء
- ۔۔۔۔۔۔، کتابچہ، حضرت میاں میر قادری لاہوری، شعبہ تعلقات عامہ، محکمہ اوقاف پنجاب، ۱۹۹۲ء
- ۔۔۔۔۔، کتابچہ، سید شاہ جمال قادری، محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور۔ ۱۹۹۲ء
- نصیر احمد ناصر، اسلامی ثقافت، فیروز سنز لاہور، (س۔ن)
- نعیم اللہ بہڑائچی، معمولات مظہریہ طبع دوم، مطبع نظامی، کانپور، ۱۲۷۵ء
- مطبع محمدی لاہور، ۱۲۸۴ء
- نور احمد چشتی، تحقیقات چشتی، الفیصل ناشران، گنپت روڈ، مطبوعہ لاہور، ۱۹۹۴ء
- واحد بخش سیال ربانی الحاج، وحدت الوجود وحدت الشہود، بزم اتحاد المسلمین، ۱۴۱۲ھ

- ولی اللہ، شاہ، فیوض الحرمین، اردو ترجمہ پروفیسر محمد سرور، سندھ ساگر اکیڈمی، ۱۹۴۷ء
- الہدیۃ ابن شیخ عبدالرحیم، سیر الاقطاب تذکرہ خواجگان چشت، مترجم پروفیسر محمد معین الدین دررائی، نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع دوم ۱۹۷۹ء

پنجابی کتب

- آصف خان، آکھیا بلھے شاہ نے، پاکستان ادبی بورڈ، مئی ۱۹۹۲ء
- بلھے شاہ، کافیاں بلھے شاہ، ناشر ملک ھیرا کشمیری بازار، لاہور، ۱۸۸۲ء
- بھولا ناتھ کرنل، تاریخ شہر لاہور دی، لاہور ۱۹۳۳ء
- شہباز ملک، بابا بلھے شاہ، چھماھی کھوج، مقالہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور
- عبدالغفور قریشی، پنجاب دی کہانی، ناشر ملک ھیرا کشمیری بازار، لاہور، ۱۹۳۷ء
- فقیر محمد فقیر، ڈاکٹر، کلیات بلھے شاہ، شائع کردہ پنجابی اکیڈمی، کتب خانہ خورشیدیہ، اردو بازار، لاہور ۱۹۶۰ء
- لاجونتی رام کرشن، ڈاکٹر، پنجاب دے صوفی شاعر، مطبوعہ مجلس شاہ حسین، لاہور ۱۹۳۳ء
- منشی جیشی رام مشتاق فرید کوٹی، اشلوک فریدی، اللہ والے کی قومی دوکان، کشمیری بازار، لاہور، ۱۹۲۷ء
- موھن سنگھ دیوانہ، مکمل کلام شاہ حسین، مفید عام پریس لاہور، ۱۹۴۲ء

- نذیر احمد، ڈاکٹر، کلام بلھے شاہ، پیکجز لمیٹیڈ، لاہور، ۱۹۷۶ء
- ۔۔۔۔۔۔۔، کلام شاہ حسین، شبد شلوک بھگتاں دے، مطبوعہ پیکجز لمٹیڈ، لاہور، ۱۹۷۹ء
- ۔۔۔۔۔۔۔، کلام شاہ حسین، مطبوعہ پیکجز لمٹیڈ، لاہور، ۱۹۷۲ء

رسائل

- گل خندان (رسالہ) بزرگان دین نمبر، ملک سراج دین اینڈ سنز، لاہور ۱۹۶۲ء
- سہ ماھی مجلّہ۔ المقدمہ فی بیان بعض مصطلحات علم حدیث جامعہ اسلامیہ بہاولپور، کتاب نمبر اول شمار دوم اپریل ۱۹۷۴ء
- مشمولہ گل آفتاب، پروفیسر محمد اسلم، تصوف کا ارتقاء، مجلّہ گورنمنٹ ڈگری کالج، بھائی پھیرو، ۱۹۹۰
- شاہ محمد غوث قادری لاہوری، اسرار الطریقت (رسالہ غوثیہ) مطبوعہ پشاور ۱۲۸۲ھ
- شریف کنجاھی، کھوج (چھمائی) مقالہ وارث شاہ، مطبوعہ شعبہ پنجابی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور ۱۹۷۳ء
- شہباز ملک، ڈاکٹر، وچار، شعبہ پنجابی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور
- عبادت بریلوی، مرزا مظہر جان جاناں، مقالہ مشمولہ اورینٹل کالج، میگزین اگست ۱۹۵۹ء
- عبدالحق، اردو شاعری میں ایہام گوئی، مقالہ مشمولہ مجموعہ تحقیقات علمیہ جلد دوم جامعہ عثمانیہ دکن، ۱۹۳۴ء
- غوث الاعظم نمبر ۱۹۶۷ء

- قدرت اللہ ابن عبداللہ سہر کن، یادداشت عرس بزرگان لاہور، اورئینٹل کالج میگزین، ضمیمہ فروری ۱۹۴۷ء
- محمد اسلم پروفیسر، مقالہ مشمولہ، دوقومی نظریہ اور تحریک پاکستان، زیرادارت مسز صبیحہ گل جاوید، حریم ادب، گورنمنٹ اپوا کالج، لاہور ۱۹۹۰ء
- ۔۔۔۔۔۔، خیرالمجالس کی تاریخ اہمیت، زیرادارت مسز صبیحہ گل جاوید، حریم ادب، گورنمنٹ اپوا کالج، لاہور، پرنٹر، ابراہیم اینڈ سنز، یکی گیٹ، لاہور ۱۹۹۴ء
- محمد اقبال مجددی، صحیح تے مکمل کافیاں شاہ حسین، رسالہ صحیفہ لاہور، جولائی ۱۹۷۲ء
- محمد شفیع، مولوی، میر بہلی شاہ قادری شطاری قصوری، اورئینٹل کالج میگزین، ضمیمہ مئی ۱۹۴۷ء
- محمد صدیق مرزا کیتھلی ہفت روزہ تحریک ملتان، ۲۰ دسمبر ۱۹۶۷ء، (مضمون بعنوان حضرت شاہ کمال قادری کیتھلی)
- محمد عبداللہ قریشی ماھنامہ نقوش لاہور نمبر ۱۹۶۲ء، ادارہ فروغ اردو، لاہور
- محمد مراد کشمیری شیخ، صلح الفریقین فی منع تکفیر موحدین مقالہ در نور اسلام، اولیائے نقشبند نمبر ۱۹۷۹ء، ص ۷۹۔۸۳
- محمد مطیع اللہ راشد برھانپوری، سید، مقالہ تفسیر مجمع البحار "رسالہ معارف" مارچ ۱۹۵۵ء
- محمد منظور نعمانی، ماہنامہ الفرقان لکھنو، شاہ ولی اللہ نمبر، طبع دوم ۱۳۶۰ھ
- محمد نذیر رانجھا، مقالہ سلسلہ قادریہ، مطبوعہ ماہنامہ فجر اشاعت ۱۹۰۵ء

اخبارات

- امروز،نور احمد فریدی، مضمون بعنوان حافظ محمد جمال الدین موسی پاک ۳ جون،۱۹۸۳ء
- نوائے وقت، عابد نظامی، آرٹیکل، عبدالقادر جیلانی، روزنامہ نوائے وقت ملی ایدیشن،۲۴ اکتوبر،۱۹۹۱ء
- مصطفیٰ کمال قاضی، غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی اپنے عہد کے حوالے سے، ملی ایڈیشن، ۱۵ اکتوبر ۱۹۹۲ء

- Lajwanti Ram Khrishen, Punjab Sufi poets, Pr. Lahore, 1940.
- Lane, Poole, S. Mohammadan Dynasties. Beruit, 1966.
- Le strange, نزھۃالقلوب Tr.
- Locuis, George Henry, History of Philosophy. Vol. II, 4th Edition, London, 1960.
- Low, W. H. Gowell, E.B. Translation Muntkhib-ul-Tawarikh. Vol. III, 1884.
- Mahfooz ul Haq, Translation of the Majm'ul Bahreen. Pr. Calcutta, 1929.
- Mohammad Latif Syed, History of Lahore, 1956.
- Mohammad Saqi Musta'd Khan, Maasir-i-_Alamgiri(Eng.Trans) Calcutta, 1947.
- Punjab Govt. published Gazetteer of the Karnal District From 1883-84 to 1935.
- Smith, V.A. Akbar the Great Mughal. 2nd Edition. published chand and Co. Delhi, 1958.
- Smith Vincent, A. The Oxford History of India. published Oxford Clarendon Press, London, 1333.
- Tara Chand, Dr. Influence of Islam on Indian culture, Lahore, 1964.
- .Riaz ul Islam, Dr. Sufism in 16th Century, published Oxford University Press 2007.
- Utm Sing, Songs of Bullah. Pr. Civil and Military Gazzette Press, Lahore.
- Yousuf Hussain Khan, Glimpses of Medieval Indian Culture, Bombay, 1962.
- Zaheer ud Din Malik Reign of Mohammad Shah. Pr. Aligarh, 1977.
- Encyclopedia Britannica. Ltd. London, 1950.

ENGLISH BOOKS

- Annemaria Schimmel, The Empire of Great Mughals. published-Reation Books Ltd., London 2004.
- Afzal ur Rehman, Encyclopaedia of Seerah. Vol. I, Seera Foundation, London,1992.
- Arnold, T.W. Preaching of Islam. 1st Edition, Auqaf Govt of Punjab, Lahore. 1972.
- Benton, William, New Encyclopedia Britannica,1943-73. pub. Helen Heming Way Benton.
- Beveridge Henry, Tuzek-e-Jahangiri. R.A-5- London Vol. 2, 1909-14.
- Bilgrami, Fatima Ghazala, The History of the Qadri Order in India. A.M.U. Aligarh, 1982.
- "The Relation of Mian Mir with Mughal Kings". Research journal of Historical Society of Pakistan, University of the Punjab. Lahore, 1985.
- Browne, E. G., Literary History of Persia. Vol. I, London, 1902.
- Burn Sir R. Cambridge, Cambridge History of India. 1937.
- Elliot, H. N. History of India. Kitab Mahal, Allahabad.
- ____________ History of India, pr. London.
- Esbourn, C.F. Bullah Shah, Lahore, 1905.
- Farooqi, Burhan Ahmed, The Mujaddid's Conception of Tawhid. Allahabad, 1968.
- Francklin, W. History of the reign of Shah Jehan. Pr. London, 1798.
- Huge, T. P., A Dictionary of Islam, London, W. H. Allen and Co., 1895.